لا جمعة ، ولا تشريق ، الا في مصر جامع (الحديث)

احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ

مع ضمیمہ

التلميع الى مفاسد التجميع

جمعہ کی فرضیت کب اور کہاں ہوئی؟ جمعہ کی نماز کہاں پڑھی جائے گی اور کہاں پڑھنا ناجائز ہے؟ جمعہ کے قیام کی شرطیں کیا ہیں؟ نبی آخر الزماں ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمعہ کی نماز کہاں پڑھی؟ اور حکم کیا؟ ان سب سوالات کے محققانہ مدلل جواب کے ساتھ غیر مقلدین کے مغالطوں کا ازالہ اور ان کی حقیقت ——— ایک یقین آفریں کتاب۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہ

ناشر

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند

زیر انتظام

بدرالدین اجمل علی القاسمی، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

سلسلۂ مطبوعات شیخ الہند اکیڈمی (۳۲)

نام کتاب	:	احسن القریٰ
تالیف	:	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ
سن اشاعت	:	ربیع الثانی، ۱۴۲۷ھ، مئی ۲۰۰۶ء
صفحات	:	۲۸۰
تعداد اشاعت	:	بارِاول، گیارہ سو
کمپیوٹر کتابت	:	محمد عیاض قاسمی، دیوبند
ہدیہ	:	/=

ناشر

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

فون: 01336-222429

پیش لفظ

اوثق العریٰ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جو دیہات میں جمعہ کی نماز سے متعلق سوالات کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا، اسی کی توضیح وتشریح شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ نے احسن القریٰ میں پیش فرمائی ہے، یہ دونوں کتابیں منظر نامہ سے غائب تھیں جن کی ضرورت بہر حال پیش آرہی تھی، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے مؤقر حضرات نے کتابوں کی افادیت واہمیت کو دیکھتے ہوئے شیخ الہند اکیڈمی کو ہدایت فرمائی کہ یہ دونوں کتابیں اچھے انداز میں شائع کی جائیں، ویسے بھی اپنے اکابر کی تصنیفات کی اشاعت اکیڈمی کے فرائض میں داخل ہے، اب تک اکیڈمی سے مختلف موضوعات پر ۳۱ کتابیں شائع ہوچکی ہیں، زیر نظر کتاب احسن القریٰ بھی اسی مفید سلسلے کی ۳۲ ویں کڑی ہے، توقع ہے کہ اس اہم کتاب سے زیادہ سے زیادہ حضرات استفادہ کرسکیں گے، اور یہ بھی امید ہے کہ جو لوگ اس مسئلہ میں اختلاف کی روشِ اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ بھی اگر حقیقت پسندی کی نگاہ سے کتاب کو پڑھیں گے تو ان کی بھی تشفی ہوسکے گی۔

حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، مجلس شوریٰ کے مخلص حضرات، حضرت مہتمم صاحب نیز جناب مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمانی کو اور ان سبھی حضرات کو جنھوں نے کتاب کی اشاعت میں کسی بھی پہلو سے خدمت سرانجام دی ہے، میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

(حضرت مولانا) بدرالدین اجمل (صاحب)
نگراں شیخ الہند اکیڈمی
دارالعلوم دیوبند

حرفِ سخن

ہمارے اکابر میں قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت گونا گوں خصوصیات کی حامل رہی ہے، ان کے علمی اہم فیصلے ہمیشہ کتاب وسنت، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ کی مضبوط ترین بنیادوں پر ہوتے تھے جن کو اہلِ علم وحق نے ہمیشہ سراہا ہے اور سراہتے رہیں گے۔

آپؒ نے دیہات میں نمازِ جمعہ کے تعلق سے ایک وقیع مضمون لکھا تھا جو ان لوگوں کے جواب میں تھا جو ہر گاؤں میں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، نمازِ جمعہ کو لازمی قرار دیتے ہیں، جبکہ مسئلہ ایسا نہیں ہے، اس مضمون کو ''اوثق العریٰ'' کے نام سے شائع کیا گیا تھا اس رسالے کے جواب میں دو غیر مقلد علماء مولانا محمد سعید بنارسی اور مولانا ابوالمکارم مئوی نے کسر العریٰ اور ہدایۃ الوریٰ کے نام سے دو رسالے لکھے، دونوں رسالوں کی تحقیق اور زبان کا تقاضا تھا کہ مفصل جواب لکھا جائے؛ چنانچہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقاضے کو پورا فرمایا اور احسن القریٰ حضرت شیخ الہندؒ کی تحقیقی کتاب منظر عام پر آئی، کتاب عرصے سے کمیاب تھی اور ضرورت تھی کہ اس کو دوبارہ جدید انداز میں اچھی کتابت وطباعت کے ساتھ معیاری کاغذ پر شائع کیا جائے، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے مقتدر حضرات نے اس کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے شیخ الہند اکیڈمی کو ہدایت فرمائی کہ اس کتاب کو اکیڈمی سے شائع کیا جائے، اس ہدایت کے مطابق پیش نظر کتاب اکیڈمی سے شائع کی جارہی ہے۔

سابقہ کتابوں میں پیراگراف، فل اسٹاپ، کومے اور سوالیہ نشان لگانے کا اہتمام نہیں تھا، اور آج کا دوران سب چیزوں کا متقاضی ہے، اس لئے موجودہ ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، علاوہ ازیں ضروری حواشی وتعلیق کی خدمت سرانجام دے کر جناب مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمانی نے مفید کام کیا ہے، جس کے لئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں، توقع ہے کہ یہ کتاب خواص وعوام دونوں طبقوں کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو سکے گا کہ وہ دیہات کون سے ہیں جہاں جمعہ نہیں ہوگا اور جہاں ہوگا، اس کی تفصیل بھی اپنی صحیح صورت میں سامنے آجائے گی، اور اس سلسلے میں جو شکوک وشبہات ازراہ کم فہمی یا عدم علم کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کئے جاتے ہیں ان کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔

کتاب کے مدلل، وقیع اور اہم ہونے کا اندازہ تو صرف اس سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے عظیم فرزند مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہندؒ) کے قلم سے ''اوثق العریٰ'' کی توضیح وتشریح میں لکھی گئی ہے، حضرت شیخ الہندؒ کی دینی فہم وفراست، خلوص اور علمی سربلندی سے کون واقف نہیں، آپ کی علمی عظمت کا لوہا اپنوں ہی نے نہیں؛ دوسروں نے بھی مانا ہے۔

توقع ہے کہ جو حضرات دیہات میں نمازِ جمعہ کی حقیقت کے بارے میں نہیں جانتے یا بہت کم جانتے ہیں، کتاب کے مطالعہ سے وہ پوری طرح جان جائیں گے اور کما حقہ مستفید ہوں گے، دعا ہے حق تعالیٰ ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو وہ جہاں بھی رہتے ہوں، ہمیشہ صحیح راہ پر گامزن رکھے۔ آمین

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ

دیباچہ کتاب

الحمدللّٰہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ البرُّ الرحیم ، الذی جعل العلماء ورثۃ الانبیاء وجعل کلمۃ الحکمۃ ضالّۃ للحکیم ، والصلوٰۃ والسلام علی من اُرسل مبشرًا ونذیرًا واوتی الکلم الجوامع ، وقال ربّ حامل فقہ غیر فقیہ ورُبّ مبلّغ اوعی من سامع ، وعلی آلہ واصحابہ کاشفی الغمۃ ، وافضل ھذہ الامۃ ، ابرّھا قلوبا واعمقھا علومًا ، ففصلّوا ما اجملہ ، وقیدوا ما امھلہ اما بعد!

بندہ اضعف العباد اہل فہم وانصاف کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ایک فتویٰ دربارہ ادائے صلوٰۃ جمعہ فی القریٰ کسی صاحب نے علماء کی خدمت میں پیش کیا اوراس کا جواب اہل حدیث دہلی نے تحریر فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ میں کسی مکان کی تخصیص نہیں، جب دوشخص کسی مکان میں مل کر کیف ما اتفق جمعہ پڑھ لیں گے تو جمعہ ادا ہوجائے گا حتی کہ خطبہ کو بھی ضروری نہیں مانتے اور بعض صاحبوں نے فقط اتنی ہی بات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مذہب احناف کو **ھوس من ھوسات الشیطان** بھی بتلایا، **فالی اللّٰہ المشتکی ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ،** حالانکہ جس امر کی بناء پر یہ پہاڑ کی برابر کلمہ کہہ کر قائل نے اپنی گردن پر بوجھ رکھا ہے بعینہٖ حضرت علی کرمہ اللہ وجہہ کا بھی وہی ارشاد ہے کہ جس کو اسی فتویٰ میں خود تسلیم کرچکے ہیں اور حدیث مرفوع بھی بعینہٖ مذہب احناف اور حضرت علی کے قول کے مطابق ہے جس کے حدیث ہونے کے یہ حضرات بھی قائل ہیں، غایۃ مافی الباب اس کو ضعیف بتلاتے ہیں مگر اتنی بات سے حدیث رسول ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے، اگرچہ وہ ضعف بھی بروئے انصاف بوجوہ متعددہ حسب قاعدۂ علماء قابل لحاظ نہیں کما یاتی، اس بے باکی اور مطلق العنانی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ ایک جزئی خلاف کی وجہ سے اکابردین اور سلف صالحین کی نسبت ایسے شنیع الفاظ استعمال کئے جائیں، اوراس کی بھی پرواہ نہ ہو کہ اس کی نوبت کہاں تک پہنچتی ہے، حنفیہ کے عناد میں صحابہ کرام اور خود حضرت فخرانام صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی شان وعظمت بھی ہباءً منثور کردی جائے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اصحاب کرام وسید المرسلین کی عقیدت بھی اپنی توافق رائے کی بدولت ہے اور درصورت خلاف کسی کی کوئی حقیقت نہیں سمجھی جاتی:

شعر

یہی گرتری چشم سحرآفریں ہے ۔۔۔ تو پھر دل نہ جان اور نہ ایمان نہ دین ہے

پرائی بدشگونی کے لئے اپنی ناک کاٹ ڈالنے کا منظر غالبًا اس سے بہتر نظر نہ آئے گا اور پیشین گوئی حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی **لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا**[۱] **کما قال** کا مصداق اتنا قوی وظاہر بمشکل ہاتھ آئے گا، پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ جس امر کو یہ حضرات حق فرمارہے ہیں جمہور صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین سب اس کے مخالف فقط ایک طائفہ قلیل غیر معتد بہا کا یہ قول ہے کہ جمعہ اور دیگر صلوات قیود اور شرائط میں مساوی ہیں اکابر امت میں سے تحقیقی طور پر ایک دو کا بھی پورا موافق نکلنا دشوار ہے پھر ایسے قول پر سب کے مذہب کو باطل کہنا اور بے بنیاد خیال کرنا خیالی پلاؤ سے کبھی زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا، اس لئے کہ بروئے فہم وانصاف دربارۂ مذہب حنفیہ جو کچھ طعن وتشنیع کیا جاتا ہے تمام جمہور امت تلک اس کی نوبت پہنچتی ہے، افسوس: ؎

شعر

پیدا کئے فلک نے جو تھے خاک جہان کے وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھودئے

فرق ہے تو یہی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے محل اقامت جمعہ بڑی بڑی بستیوں کو قرار دیا ہے، اور دیگر اکثر ائمہ اور علماء نے اپنے اپنے استنباط کے موافق بڑی جماعت کے ساتھ ادائے جمعہ کو ضروری فرمایا ہے، ان کے نزدیک چھوٹی بستی میں جمعہ درست نہیں اور ان کے نزدیک جماعت قلیلہ کے ساتھ جمعہ صحیح نہ ہوگا، باقی یہ امر جدا رہا کہ کتنی آبادی اور کس قدر جماعت کو کبیر اور عظیم کہنا چاہئے، مگر یہ کہنا کہ صلوٰۃ جمعہ اور دیگر صلوات میں بالکل مساوات ہے اور صحت جمعہ کے لئے کسی قسم کی تخصیصات نہیں، ایسی جماعت قلیلہ کا قول ہے کہ جمہور امت کے مقابلہ میں ان کے قول کو معمول بہا بنانا خودرائی اور عجائب پرستی سے خالی نہیں معلوم ہوتا، پھر اس کی وجہ سے اوروں کے مذہب کو امر شیطانی قرار دینا تو اہل انصاف خود سمجھ سکتے ہیں کہ کس کا کام ہے؟

بالجملہ جب یہ فتویٰ بعض صاحبوں نے حضرت مطلع الانوار منبع الاسرار ذریعہ مغفرت تھی دستان وسیلہ نجات درماندگان رونق شریعت زینت طریقت سیدنا ومرشدنا مولانا الحافظ الحاج رشید احمد بارک اللہ فی رشدہ وارشادہ کی خدمت میں بھیجا تو حضرت مولانا نے باوجود ضعف ومعذوری وکثرت مشاغل مطابق مذہب حنفیہ فتویٰ مذکور کا جواب لکھوادیا اور فضول اور بے باکانہ کلمات کے جواب کی طرف اصلا توجہ نہیں فرمائی، چنانچہ "اوثق العریٰ" اس کا نام تجویز ہوکر کسی نے طبع بھی کرادیا، یہ بدنام کنندۂ نکونامی چند بھی اس کے مطالعہ سے اپنی لیاقت کے موافق بہرہ اندوز ہوا، غالبًا بہت سے حضرات اس ناکارہ کو **حبّك الشئ یعمی ویصم**[۲] کا مصداق بنا کر میرے قول کو غیر معتبر فرمائیں تو تعجب نہیں، سوچوں کہ یہ کور وکر ہونا

۱۔ الترغیب والترھیب الجزء الاول، الترھیب من کتم العلم ص ۱۲۲ (مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر)

۲۔ عن ابی الدرداء: رواہ ابوداؤد، مشکوۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ ص ۴۱۸ (رشیدیہ دہلی)

میرے خیال کے مطابق ہزار بینائی اور صد ہزار شنوائی سے افضل وانفع ہے، اس لئے اگر کوئی اس بے بضاعت کی طرف بے وجہ بھی ایسا خیال کرے تو میں خواہ مخواہ بھی فخر ومسرت کے ساتھ اس کو سننا چاہتا ہوں **ولنعم ما قیل**

ع فنحن بوادو العذول بواد

مگر جب یہ دیکھتا ہوں کہ رسالہ مذکورہ مجھ جیسے کی توصیف کا کسی طرح محتاج نہیں بلکہ بموجب ارشاد عارف ع

مادح خورشید مداح خود است

اپنی خودستائی سے خالی نہیں تو اس لئے اس کی توصیف وتحسین سے خود محجوب ہوتا ہوں، ہاں محض بنظر حق گوئی اس قدر عرض کرتا ہوں کہ مبحث معلوم میں رسالہ موصوف نہایت قابل قدر اور احق بالقبول ہے، مصنف علامہ سلّمہ، نے بروایات صحیحہ اپنے مدعیٰ کو ایسا محقق فرما دیا ہے کہ اہل فہم وانصاف کو گنجائش انکار نہیں، اس قاصر النظر نے چند کتب مثل زاد المعاد، نیل الاوطار، فتح الباری وغیرہ دیکھیں اور موافقین کی چند کتب بھی دیکھیں مگر یوں معلوم ہوتا ہے، کہ ان حضرات موافقین ومخالفین کی نظر کو آخر تلک پہنچنے کی نوبت غالباً نہ آئی، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ یہ ایسا امر نہ تھا کہ اس سے بحث نہ کی جاتی نہ شوافع اور اہل ظاہر نے اس کی کچھ تحقیق اور جواب کی طرف توجہ فرمائی، نہ علمائے احناف نے موقع استدلال میں ان روایات کی پوری تفصیل وتحقیق کی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

الغرض رسالہ معلومہ میں بذریعہ روایات صحیحہ یہ امر صاف طور پر ثابت کر دیا کہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام زمانہ نبوت میں کہیں جمعہ کا قریٰ میں ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور حدیث قولی سے بھی قریٰ میں جمعہ کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، اور اس امر ثانی کو سب علمائے احناف نے بھی اپنی مصنفات میں ذکر کیا ہے، اور مخالفین نے بھی اس پر بحث کی ہے مگر امر اول کی طرف ان حضرات کا توجہ فرمانا اور اس کی تحقیق یا تردید کرنا کتب متداولہ میں کہیں نظر سے نہ گذرا تھا، اب ان دونوں امروں کے اجتماع سے استدلال حنفیہ کی تقویت کا حال چشم بد دور کچھ اور ہی ہو گیا جس کی وجہ سے ہم کو بھی اہل انصاف سے تحسین وتسلیم کی امید تھی مگر تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل شاید عالم میں مابین فہم اور انصاف انفصال بطریق مانعۃ الجمع ہو رہا ہے، **انا للہ وانا الیہ راجعون**، علمائے حدیث اور اہل ظاہر میں سے رسالہ مذکور کا جواب دو صاحبوں نے تحریر فرمایا، ایک مولوی محمد سعید صاحب پنجابی ثم البنارسی دوسرے جناب مولوی محمد علی صاحب ابوالمکارم ساکن مئو ضلع اعظم گڈھ، جن کے حال سے بندہ بالکل

ناواقف ہے، مگر یہ ہر دو مجیب اپنے رسائل میں تحریر فرماتے ہیں کہ حسب ارشاد جناب مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق ہم نے جواب لکھنا شروع کیا اور ان مولانا ابوالطیب کو ایک صاحب رئیس المحدثین اور دوسرے مجتہد مطلق کے لقب سے یاد فرماتے ہیں جس سے صاف سمجھ میں آتا ہے، کہ رسائل مذکورہ میں اگر ان کی اصلاح وترمیم کی نوبت نہ آئی ہو تو یہ ضرور ہے کہ انہوں نے منجملہ اہل حدیث زمانہ حال ان ہر دو صاحبوں کو منتخب فرما کر اس خدمت پر مامور کیا، **و کفٰی به فخرًا** اس لئے ہم کو بھی یہ خیال ہوا کہ یہ ہر دو رسالہ ضرور قابل دید ہوں گے اور ان سے بہتر شاید اور کوئی نہ لکھ سکے چنانچہ اسی شوق میں ہر دو رسالہ کا مطالعہ کیا مگر کیا عرض کروں ان کے مطالعہ سے اوثق العریٰ کا اسم بامسمّٰی ہونا اور بھی دلنشین ہوگیا اور بلا ارادہ **لا انفصام لهاؕ**[1] زبان پر آیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ **حبك الشيئ يعمی ويصم**[2] تو حضرت سید المرسلین کا ارشاد ہے ہی مگر **بغضك الشيئ يعمی ويصم** بھی غلط نہیں مگر تعجب یہ ہے کہ ان ہر دو رسائل کو دیکھ کر اس ہیچ مداں کو بھی خود بخود شوق تحریر جواب دامنگیر ہوا، اور ہر دو حضرات منتخب فرمودۂ رئیس المحدثین و مجتہد مطلق کے جواب میں بسم اللہ کہہ کر بلا تامل قلم ہاتھ میں لے بیٹھا حالانکہ اپنی ہیچ مدانی کے علاوہ جب یہ خیال کرتا ہوں کہ اہل علم وفہم کے نزدیک ان جوابوں سے انشاء اللہ اوثق العریٰ میں کوئی ضعف پیدا نہیں ہوا اور نہ مجھ جیسے کی تائید کی کوئی حاجت نہ کسی بڑے چھوٹے نے مجھ کو اس کام کے قابل خیال فرما کر مجبور یا مامور کیا تو کوئی وجہ وجیہ شوق تحریر جواب کی سمجھ میں نہیں آتی، ہاں حق تعالیٰ کی رحمت جس سے کوئی بُرا بھلا مایوس نہیں ہوسکتا، اس کا متوقع اگر یہ ناکارہ بھی ہو تو بیجا نہیں۔

الحاصل بندہ کے اس شوق کا مبنی اگر کوئی امر مذموم ہے جیسا کہ میرے حال کے مناسب ہے تو اس کو **مِنّی و من الشیطان** سمجھنا چاہئے اور اگر کوئی امر محمود ہے جیسا کہ وسعت رحمت حق تعالیٰ کے لائق ہے تو ذالک فضل اللہ کہنا چاہئے، مگر حسن ظن چونکہ اہل علم وفضل کے مناسب حال ہے، اس لئے ضرور ہے کہ میری معروضات کو فہم وانصاف کے ساتھ مطالعہ فرمائیں **اللّٰهم انِّی اعوذبك من ان اضلّ و اُضلّ وازلّ وازال واظلم او اظلم او اجهل او يجهلّ عَلَیّ**[3] اس کے بعد یہ امر قابل عرض ہے کہ مولوی محمد سعید صاحب اور مولوی ابوالمکارم صاحب کے جواب میں صرف اتنا تفاوت ہے کہ مجیب اول نے اوثق العریٰ کا جواب بالاستقلال تحریر فرمایا اور مجیب ثانی نے مولانا ظہیر احسن صاحب شوق کے رسالہ کا جو انہوں نے اسی مبحث میں تحریر فرمایا تھا اور اصل مضمون میں اوثق العریٰ کے موافق تھا جواب تحریر فرمایا اور

[1] سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۶

[2] عن ابی الدرداء، رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ ص ۴۱۸ (رشیدیہ دہلی)

[3] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ باب الدعوات، الفصل الثانی عن ام سلمہ، ص ۲۱۵ (رشیدیہ دہلی)

اخیر میں بالاجمال اوثق العریٰ کے دلائل پر نکتہ چینی کی ہے، اس لئے ہم بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ مولوی محمد سعید صاحب کے رسالہ کا جواب مستقل طور پر لکھا جائے، اور اس کے ذیل میں حسب موقع مولانا ابوالمکارم کے استدلالات واعتراضات کی کیفیت بھی بیان کردی جائے، واللہ الموفق والمعین۔

جواب دیباچہ کسر العریٰ

مولوی محمد سعید صاحب حمد وصلوٰۃ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ہم[1] نے رسالہ اوثق العریٰ کو جو بغور تام دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سے سخت غلطی ہوئی اور مولانا کی شان سے بالکل خلاف ہے کہ ایسی جزئیات مسائل کے پیچھے پڑکر بدنام ہوں، انتہی بخلاصتہ۔

مولوی صاحب قصور معاف! نہ آپ نے اوثق العریٰ کو بغور تام ملاحظہ فرمایا اور نہ حضرت مولانا سے بحمداللہ غلطی ہوئی، چہ جائیکہ سخت، اور نہ تحقیقی مسائل حضرت مولانا کے خلاف شان، اور نہ اس میں خدام مولانا کی بدنامی ان امور سے آپ بالکل مطمئن رہیں، اصلاً کسی قسم کا اندیشہ نہ فرمائیں البتہ ہم کو یہ خلجان ہے کہ مولوی محمد سعید صاحب عالم عامل بالحدیث ہوکر ایسے کذب صریح کے مرتکب ہوں، یہ قیامت نہیں تو پھر کیا ہے؟ ہاں! شاید انہوں نے اوثق العریٰ کو غور سے نہ دیکھا ہو فقط اعتبار بڑھانے کو یہ لکھ دیا ہو بموجب ارشاد عارف: ؎

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد   صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

تعصب وعناد اس برعکسی اور غلط کاری کا سبب ہوا ہو، یا مصلحۃً بوجہ تعلق تضاد بجائے صواب غلطی اور بجائے مناسب شان خلاف شان اور بجائے مقبولیت ونیک نامی بدنامی بطریق مجاز تحریر فرمایا ہو بوجہ حسن ظن ہم کو یہ خیالات گذرتے ہیں واللہ اعلم بحال عبادہ۔ ورنہ جاہل سے جاہل بھی تحقیق مسائل کو بموجب بدنامی وخلاف شان علمائے اعلام نہ کہے گا، حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے نہایت درست فرمایا ہے۔ ؎

نور گیتی فروز چشمۂ ہور   زشت باشد بہ چشم موشک کور

خدا کی قدرت ہے کہ مجیب اور اس کے ہم مشرب الا ماشاء اللہ محض بہ نیت مراء وجدال وسب وشتم اکابر مدۃ العمر انہیں اختلافات جزئیہ کی تحریر وتقریر میں منہمک رہیں، اور اسی امر کو باعث فخر اور مبلغ کمال تصور فرمائیں اور اگر کوئی عالم مقبول محض بنظر احقاق حق وحمایت اکابر نصوص صحیحہ سے کسی مسئلہ کی تحقیق کرے تو اس نے

---

[1] کسر العریٰ ص ۲ پر عبارت ان الفاظ میں ہے: ''خاکسار نے جو اس کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ جناب مولوی صاحب سے اس رسالہ کی تحریر میں سخت غلطی ہوئی ہے اور مولوی صاحب کی شان سے بالکل خلاف ہے کہ ایسے جزئیات مسائل کے پیچھے پڑکر بدنام ہوں''

سخت غلطی کی اور بدنام ہوگیا نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا اس کے بعد مجیب بنارسی یہ شکایت فرماتے ہیں کہ ہم نے کبھی نہ سنا کہ مولانا نے مبتدعین کے اوپر کبھی قلم اٹھایا ہو جب دیکھا سنا تو یہی کہ اہل حدیث کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، حالانکہ[1] مبتدعین مشرکین دھوم دھام سے ان کا جواب لکھ رہے ہیں اور کسی طرح کی بے باکی اور سخت کلامی سے دریغ نہیں کرتے حتی کہ حضرت مولانا کے خدام تلک اس بوچھاڑ کی نوبت پہنچاتے ہیں، جس کو اس امر میں شک ہو وہ رسالہ ''ازالۃ الخفاء فی علم المجتبیٰ'' کو ملاحظہ کر کے ہماری بات کی تصدیق کرلے، انتہی بمضمونہٖ۔

مولوی صاحب! جن کو آپ مبتدعین مشرکین تحریر فرماتے ہیں اگرچہ ان کے فساد عقائد میں کسی طرح کا خفا نہیں اور احداث فی الدین میں یقیناً وہ بڑھے ہوئے ہیں؛ لیکن بنظر انصاف لعن آخر[2] ہذہ الامۃ اولھا میں ان کا نمبر دویم ہے جس کی وجہ سے جو کوئی کسی کو ترجیح دے گنجائش معلوم ہوتی ہے مگر واقعی امر یہ ہے کہ آپ کی یہ شکایت بیجا ہے اور عجب نہیں جو آپ بھی اس کے بیجا اور غلط ہونے کو سمجھے ہوئے ہوں مگر اس کا کیا علاج کہ جو تکلیف اپنے اوپر گذرتی ہے اس کا احساس ہمیشہ اوروں کی تکالیف سے بڑھا رہتا ہے، حق یہ ہے کہ حضرت مولانا کی تحریریں اور اقوال اگر آپ دیکھیں اور سنیں گے تو آپ خود اقرار کرلیں گے کہ حضرت مولانا کا ردو انکار کماً اور کیفاً ہر طرح اسی طرف بڑھا ہوا ہے، آپ تو ماشاء اللہ عاقل ہیں، اگر آپ صرف مبتدعین کے اس ہی غیظ وغضب کو بنظر فہم ملاحظہ فرمائیں گے جس کو بحوالہ ازالۃ الخفاء نقل کرتے ہو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حسب قاعدہ بے ستائے کوئی روتا ہے؟ کہیں ضرور ان کو کوئی اذیت وکلفت ایسی پہنچی ہے کہ جس کی وجہ سے ان پاجیانہ اور جاہلانہ کلمات تلک کی نوبت آئی، میرے خیال میں تو اہل بدع کو بعد حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید علیہ الرحمۃ کسی سے ایسی کوفت نہ ہوئی ہوگی جیسی حضرت مولانا سے، اگر ہمارا یقین نہ ہو تو اہل بدع سے تحقیق فرمالیں اور اگر کسی صاحب کو مزید تحقیق کا شوق ہو تو کچھ عرصہ کے لئے مبتدعین کے ہم مشربی اختیار فرما کر مولانا اور خدام مولانا کے حسن سلوک کا موازنہ کرلیں مگر چونکہ ارشاد ترکہ[3] الحق ومالہ صدیق حمیم حضرت مولانا کے مطابق حال ہے ادھر حضرت مولانا کے خلاف کا مبنیٰ بغض فی اللہ ہے جس کی وجہ سے عتاب اہل حق نمونہ قہر الٰہی سمجھنا چاہئے، اس لئے غالباً ہر فریق مخالف یہی خیال کر رہا ہے کہ میری برابر کسی سے خلاف اور کسی پر نظر عتاب نہیں، اگر یہ وجہ ہے تو اس میں ہم کو بھی کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں، آخر میں ہم مجیب منصف سے یہ پوچھنا

---

[1] ہمارے پیش نظر نسخہ میں ترتیب میں معمولی فرق ہے۔ کسر العری ص ۲۔

[2] الترغیب والترہیب الجزء الاول، الترہیب من کتم العلم ص ۱۲۲ (مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر)

[3] فی الترمذی، عن علی رضی اللہ عنہ، رحم اللہ عمر یقول الحق وان کان مرا ترکہ الحق ومالہ صدیق مناقب علی ابن ابی طالب ج ۲، ص ۲۱۳ (مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئی)

چاہتے ہیں کہ آپ کی اور آپ کے جملہ ہم مشرب کی اس زمانہ میں جس قدر تصنیفات اور اشتہارات ہیں ان سب کو جمع کر کے آپ ہی ایمان سے فرمادیں کہ کتنا حصہ مقلدین کے مقابلہ میں ہے اور کس قدر مبتدعین کے رد میں، اور باہم موازنہ کر کے کچھ تو شرمایئے اور اس شکایت بیجا سے باز آیئے، ایک ازالۃ الخفا کا جواب لکھ کر آپ پھولے نہیں سماتے جس کا جواب بعض خدام مولانا کی طرف سے بھی مطبوع ہو چکا ہے اسی خوبی پر شکایت ان کی کی جاتی ہے کہ جن کی بدولت اہل بدع کی فریاد وزاری عجم سے عرب تلک پہنچ چکی ہے افسوس شعر

تا کے ملامت مژۂ اشکبار من یکبار ہم نصیحت چشم کبود خویش

اس فضول اور بیجا شکایت کے بعد مجیب موصوف کچھ احسان میں دبانا اور دھمکانا چاہتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو چونکہ حضرت مولانا سے حسن ظن ہے اس لئے مولانا کی تحریروں کے جواب میں ہم پہلوتہی کرتے رہے مگر جب یہ دیکھا کہ ہمارے شیخ الکل حجۃ السلف والخلف مولانا سید محمد نذیر حسین کی تحریر مصدقہ پر آپ نے ہاتھ صاف کیا ہے اور اس کی وجہ سے ایک فتنہ برپا ہو رہا ہے لہٰذا حسب تحریک بعض حضرات ہم کو جواب لکھنا مناسب معلوم ہوا، مولانا۔ اگر چہ آپ کے حسن ظن کی کیفیت تو ہر ایک عاقل آپ ہی کے اس ارشاد سے خوب سمجھ سکتا ہے کہ آپ کھلم کھلا مذہب امام ابوحنیفہؒ کو فتنہ فرما رہے ہیں مگر ہم اس پر بھی یہی عرض کرتے ہیں: ع

عمرت دراز باد کہ اینہم غنیمت است

آپ کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت مولانا جو کچھ تحریر فرماتے ہیں اس کا مبنٰی محض احقاق حق اور حمایت احکام شرعیہ ہوتا ہے کسی کی عداوت یا رعایت اس کا منشا نہیں ہوتا اور آپ کے یہاں معاملہ بالعکس معلوم ہوتا ہے، چنانچہ آپ کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ الکل کے خلاف پر آپ کو یہ جوش پیدا ہوا ہے: ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

آپ نے حضرت مولانا کی تحقیق کو اپنی تحریروں پر قیاس فرمایا، اس لئے یہ یقین کر بیٹھے کہ حضرت مولانا کو شیخ الکل پر ہاتھ صاف کرنا مقصود ہے، پس پھر کیا تھا آپے سے باہر ہوئے کہ اپنی مقدار اور حقیقت کو بھی بھول گئے، **لا حول ولا قوة الا باللہ**، مولانا ہم اول تو آپ کو بنظر نصیحت مخلصانہ عارف کا قول سنائے دیتے ہیں: ع

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

بعدہٗ یہ گذارش ہے کہ اگر حضرت مولانا کے احوال سے آپ غافل یا متغافل ہیں تو یہ تو دیکھ لینا تھا کہ حضرت مولانا کی تحریر میں کسی پر خاص طور سے رد ہے یا نہیں؟ نہ آپ کے شیخ الکل کا مذکور، محض اپنے

مذہب کی تحقیق ہے جس کی وجہ غالباً یہ پیش آئی کہ مستفتی جیسا اہل حدیث کے روبرو پیش کر کے جواب فتویٰ کا طالب ہوا، اسی طرح حضرت مولانا کی خدمت میں استفتا پیش کیا گیا، مولانا سلّمہٗ نے جوامر حق تھا لکھوادیا اور چونکہ یہ امر معلوم تھا کہ اہل حدیث حضرت امام پر زیادہ طعن و تشنیع کررہے ہیں، اس لئے چند روایات صحیحہ سے اس کی توثیق مناسب معلوم ہوئی کہ اہل فہم اگر تسلیم بھی نہ کریں گے تو طعن بیجا سے تو ضرور بازرہیں گے اور جو کچھ الفاظ لعن وطعن محدثین کی تحریر میں تھے ان سے ایسا بالکلیہ اعراض فرمایا کہ ان پر لاحول پڑھ لی ہو تو پڑھ لی ہو ورنہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کیا، رسالہ موجود ہے ملاحظہ فرمالیجئے مگر تماشا ہے کہ آپ اس کی داد تو کیا دیتے الٹا لڑنے کو موجود ہیں کہ شیخ الکل پر کیوں ہاتھ صاف کیا، تو اب جناب کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حنفی شافعی وغیرہ شیخ الکل کے فتویٰ کے خلاف ہرگز کسی سائل و مستفتی کو مسئلہ نہ بتلائے، بلکہ جواب سے پہلے یہ تحقیق کرلیا کرے کہ شیخ الکل کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے **نعوذ باللّٰہ من الجھل و الغباوۃ** اس ناز بیجا کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اگر ہمارے علامہ مجیب پنجابی الاصل نہ ہوتے تو ہم کو بہت ہی تحیر و تعجب ہوتا، افسوس صد افسوس کہ مجیب کے ہم مشرب، مذہب امام کو خبط شیطانی بتائیں اور مجیب کے کان پر جوں نہ چلے، اور اگر کوئی ان کی بدزبانیوں پر صبر جمیل کر کے نصوص صحیحہ سے فقط اپنے مذہب کی تحقیق و توثیق بیان کرے تو اس پر آنکھیں نکالنے کو موجود، کیا ایمانداری اور انصاف پرستی اسی کا نام ہے؟ عاملین بالحدیث کے رسائل واشتہارات ہمیشہ کثرت سے شائع ہوتے رہتے ہیں مگر مولانا کو اصلا فکر اور توجہ بھی نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ کوئی صاحب ایک نظیر بھی ایسی نہیں دکھلا سکتے کہ حضرت مولانا نے عامل بالحدیث کے کسی رسالہ کی تردید میں قلم اٹھایا ہو، البتہ جو سوالات واستفتاء بغرض تحقیق مسائل مولانا کی خدمت میں آتے رہتے ہیں ان کے جوابات محض بنظر ہدایت و احقاق حق بلا رعایت دئے جاتے ہیں کسی کے موافق ہوں یا مخالف اور ان میں سے بعض جوابات حسب مصلحت بعض حضرات طبع بھی کرادیتے ہیں، چنانچہ اوثق العریٰ جس پر حضرت مجیب کو جوش آرہا ہے اس کے تحریر کی بھی یہی وجہ ہوئی مگر ہم خوب سمجھتے ہیں کہ مجیب کو حضرت مولانا کی دو تحریریں جو یکے بعد دیگرے کچھ عرصہ گذرا کہ مطبوع و مشتہر ہو چکی ہیں اور ہم نے سنا ہے کہ بعض اہل حدیث منصف مزاج بھی ان کو پسند کرتے ہیں بوجہ تعصب وغیرہ وغیرہ کھٹک رہی ہیں۔

اول سبیل الرشاد جس میں چند مسائل مختلف فیہ مثل رفع یدین وقراءۃ فاتحہ وغیرہ کی تفصیل ہے اور بلا بیان وجوہ ترجیح ہر ایک مذہب کا ماخذ نصوص میں سے بتلا دیا گیا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ مذاہب ائمہ میں ہر مذہب حدیث سے ماخوذ ہے کسی پر طعن و ملامت نہ کرنا چاہئے یہ امر جدا ہے کہ ہر صاحب مذہب نے اپنی اپنی فہم اور استنباط کے موافق توفیق روایات اور عمل بالاحادیث میں جو امر راجح سمجھا اس کو معمول بہا بنایا اور اس کے موافق جملہ روایات کو منطبق کرنے میں سعی فرمائی۔

دوسرا رسالہ **الرائ النجیح فی عدد رکعات التراویح** ہے جس میں نہایت انصاف وتحقیق کے موافق روایات احادیث کو جمع فرما کر یہ بات ثابت کردی ہے کہ گو بعض وجوہ سے مذہب جمہور ائمہ بے شک اولیٰ بالاتباع اور احق بالقبول اور ارجح ہے، مگر جس مذہب کو دربارہ عدد رکعات تراویح علمائے اہل سنت میں سے کسی نے معمول بہا بنایا، وہ مخالف مذہب ہر گز نہیں بلکہ سب تابع حکم حدیث اور عامل بالسنۃ ہیں، ان تحریروں کی بناء پر ہمارے مجیب یہ فرمارہے ہیں کہ جب دیکھا سنا تو یہی کہ حضرت مولانا اہل حدیث کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اجی صاحب یہ نہ فرمایئے کہ اہل حدیث کے پیچھے پڑے رہتے ہیں بلکہ یہ فرمایئے کہ آپ جیسے اہل حدیث خواہ مخواہ آگے آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، جنابِ من! حضرت مولانا کی یہ تحقیقات جیسی متعصبین اہل حدیث کو مخالف نظر آتے ہیں ایسے ہی متعصبین مقلدین کو بھی بالکل مخالف معلوم ہوتی ہیں، آپ کیوں خواہ مخواہ سب کی بلا اپنے سر لئے لیتے ہیں، حضرت مجیب اور ان کے امثال اگر تعصب سے یکسو ہو کر بنظر فہم وانصاف ان تحریروں کو ملاحظہ فرماتے تو اس قسم کی شکایات بیجا ہرگز نہ فرماتے بلکہ تسلیم یا تحسین فرمانے کو موجود ہوتے مگرع

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است

کا کوئی علاج نہیں آپ کی باتیں سن کر یہ خوب محقق ہوگیا کہ آپ کے یہاں مبلغ کمال وفہم تحقیق واجتہاد وغیرہ صرف یہی امر ہے کہ دیگر مذاہب پر جہاں تلک ہو سکے وجہ بیوجہ طعن وتشنیع میں کمی نہ کی جائے اور آپ کے خیال کے خلاف کوئی صاحب درایۃ کیسی ہی عمدہ اور لطیف بات نکالے اس کا ردو انکار کرنا ضرور ہے، سو اس لئے آپ سے تو امید انصاف رکھنا خیال باطل ہے، ہاں عالم آباد ہے فقط اس امید پر ہم بھی خامہ فرسائی کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نہ سہی مگر جو حضرات جوہر فہم وانصاف رکھتے ہیں شاید متنبہ ہو جائیں اور اپنے کسی خیال سے باز آئیں، **ویفعل اللّٰہ ما یشاء**.

جاننا چاہئے کہ مجیب بنارسی نے اپنے رسالہ کا نام **کسر العریٰ باقامۃ الجمعۃ فی القریٰ** تجویز کیا ہے، جس سے علاوہ اور امور کے تہذیب بھی کمال درجہ کی معلوم ہوتی ہے سو ان کے جواب میں ہمارا بھی دل چاہتا تھا کہ اپنے رسالہ کا نام **احکم[1] البریٰ لمن یکسر اوثق العریٰ** تجویز کریں مگر ہم نے اس فضول امر سے قطع نظر کر کے اس خیال سے کہ مقصود اس رسالہ سے صرف مطالب اوثق العریٰ کی توضیح وتشریح کرنی منظور ہے تاکہ ادنیٰ فہیم بھی ہمارے مجیب کی مواخذات کی حقیقت سمجھ جائے اس رسالہ کا نام احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ رکھا۔ **ھو حسبی ونعم الوکیل**.

---

[1] اس لئے شریر بیل یا اونٹ جو بہت سی رسیاں توڑتا ہو نکیل سے قابو میں آجاتا ہے، البریٰ مضبوط نکیل۔

هو الفتاح العلیم

تقریر مطلب اوثق العریٰ

حضرت مولانا نے شروع رسالہ میں جو دو صفحہ پر مضمون تحریر فرمایا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ روایات معتبرہ صحیحہ اور اقوال اور مسلمات علماء اعلام سے یہ امر ثابت ہے کہ فرضیت نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں قبل ہجرت ہو چکی تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظّمہ میں بسبب غلبہ کفار اقامت جمعہ کی قدرت نہ تھی، لہٰذا اقامۃ جمعہ سے معذور رہے لیکن اہل مدینہ کو آپ نے اقامت جمعہ کا امر فرمایا تھا اور حسب الحکم آپ کے مدینہ طیبہ میں تا مقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر جمعہ جاری رہا اور آیت جمعہ جس سے فرضیت جمعہ ثابت ہوتی ہے اس کا نزول فرضیت جمعہ سے ایک عرصہ کے بعد ہوا ہے، اس کے بعد جب آپ نے مکہ معظّمہ سے ہجرت فرمائی تو اول آپ کا نزول قباء میں پیر کے روز ہوا اور وہاں چودہ روز قیام فرمایا اگرچہ عدد ایام اقامت میں اختلاف ہے مگر اصح الکتب یعنی بخاری میں چودہ یوم کی روایت جو مذکور ہے وہ سب سے راجح ہے سو ان چودہ روز میں آپ کو قبا میں دو جمعہ پیش آئے اور بعض روایات بخاری میں چوبیس روز ہیں، تو اب تین جمعہ ماننے پڑیں گے مگر آپ نے قبا میں اقامت جمعہ نہ فرمائی اور نہ اہل قبا کو امر اقامت جمع فرمایا نہ اس پر سرزنش کی کہ مدینہ میں برابر جمعہ ہوتا ہے تم نے اب تک جمعہ کیوں نہیں قائم کیا، حالانکہ قبا اور دیگر عوالی میں مسلمان بکثرت موجود تھے، مگر کسی وقت میں وہاں جمعہ نہیں پڑھا گیا چنانچہ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں روایت ہے **عنؓ ابن عباس ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعه جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالمدینة لجمعة جمعت بجواثا قریة من قری البحرین** اس روایت صحیحہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عوالی ومنازل میں جمعہ نہیں ہوتا تھا ورنہ جواثا میں اولیت جمعہ جو روایت مذکور میں ہے غلط ہو جائے گی سو اگر ہر قریہ صغیرہ کبیرہ میں اقامت جمعہ فرض تھی تو پھر کیا وجہ کہ عوالی ومنازل میں کبھی جمعہ نہ ہوا جو صاحب مدعی وجوب جمعہ علی العموم ہیں مصر وقریہ کی کوئی تخصیص نہیں کرتے، ان پر اس کا جواب واجب ہے، انتہی۔

اور اس تقریر کے ذیل میں حضرت مولانا نے ہر ایک امر کے ثبوت کے لئے چند روایات حدیث وعبارات کتب نقل فرمائی ہیں جس کو منظور ہو اوثق العریٰ کو دیکھ لے، ہم نے محض بغرض سہولت فہم مولانا کے استدلال کا خلاصہ عرض کر دیا ہے اب ہم ان امور کو کہ جن پر معترضین نے مواخذات کئے ہیں مع

مواخذات معترضین اوران کے جوابات کے بالتفصیل عرض کرتے ہیں، اوثق العریٰ میں اس امر کے ثبوت کے لئے کہ فرضیت جمعہ مکہ مکرمہ میں قبل ہجرت ہوچکی تھی اور بسبب غلبہ کفار وہاں اقامت جمعہ کی آپ کونوبت نہ آئی تھی لیکن اہل مدینہ کوآپ نے بذریعہ تحریرادائے جمعہ کا امرفرمادیا تھااوراہل مدینہ نے آپ کی ہجرت فرمانے سے پہلے ہی آپ کے ارشاد کے موجب جمعہ ادا کیا یہ عبارت منقول ہے (چنانچہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں، وذلك[۲] **ان الجمعة فرضت علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وھو بمکة قبل الھجرة کما اخرجه الطبرانی عن ابن عباس فلم یتمکن من اقامتھا ھنا لك من اجل الکفار فلما ھاجر من ھاجر من اصحابه الی المدینة کتب الیھم یامرھم ان یجمعوا فجمعوا)** انتہیٰ۔

واقعی یہ عبارت جملہ امورمذکورہ سابقہ پرکمال وضاحت کے ساتھ دال ہے لیکن ہردومجیب نے بزور قوت اجتہادیہ اس موقع پر چند مواخذات تحریرفرمائے ہیں، محدث بنارسی تو چھوٹتے ہی فرماتے ہیں۔

اعتراض از جانب مجیب بنارسی معہ جواب

کیوں[۳] مولانا آپ نے تو یہ دعویٰ کیا تھا کہ روایات معتبرہ صحیحہ سے فرضیت نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں قبل ہجرت ہوچکی تھی اور روایت ایک بھی نہ لکھی محض قاضی شوکانی کی عبارت پراکتفا کیا وہ روایات صحیحہ کہاں ہیں ذرا بتائیے تو، انتہیٰ۔

مولوی سعید صاحب گھبرانے کی تو کوئی بات نہیں ذرا صبر فرمایئے یہ بات تو مسلم ہے کہ جن سے تائیداور فریادرسی کی توقع ہوتی ہے اگرانہیں کی طرف سے خلاف توقع الٹا سلوک ہونے لگے تو بیشک نہایت کوفت اوردل شکنی پیش آتی ہے مگرمقتضاءانصاف یہ ہرگزنہیں کہ آپ اس حالت ملال میں ہم کو بے وجہ دھمکائیں اور جوبات آپ کی آنکھوں کے سامنے ظاہروباہر موجود ہواس کوبھی ملاحظہ نہ فرمائیں ہم کوتو آپ کے انصاف اورحسن عقیدت سے یہ امید تھی کہ قاضی شوکانی کے ارشاد کوبھی علی الراس والعین رکھیں گے چہ جائیکہ روایات متعددہ بھی اس کے ساتھ صراحتاً مذکور ہوں، اول تو آنکھیں کھول کر روایت ابن عباس کو ملاحظہ فرمایئے جس کا حوالہ قاضی صاحب نے دیا ہے اورآپ نے بھی اس کونقل کیا ہے

[۱] بخاری میں فی الاسلام نہیں ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثیٰ من البحرین.** بخاری ج۱، ص۱۲۲ باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن (اصح المطابع دہلی) یہ الفاظ ابوداؤد ج۱، ص۱۵۳، باب الجمعۃ فی القریٰ میں مذکور ہیں۔ (رشیدیہ دہلی)

[۲] نیل الاوطار للشوکانی الجزء الثالث ص۱۰۷، باب انعقاد الجمعۃ باربعین واقامتہا فی القریٰ (مطبع خیریہ مصر)

[۳] کسر العریٰ ص۳

دوسرے اوثق العریٰ کو ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے بعد نواب صدیق الحسن خاں اور علامہ قسطلانی اور علامہ ابن حجر نے دار قطنی اور امام المغازی محمد ابن اسحٰق وغیرہ کے حوالہ سے اس امر کو بیان کیا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں حکم جمعہ نازل ہوا مگر بوجہ عذر غلبہ کفار اقامت جمعہ پر آپ قادر نہ ہوئے، مدینہ منورہ میں آپ نے پہنچتے ہی اقامت جمعہ فرمائی، اس کے بعد روایت ابوداؤد اور ابن ماجہ اور حاکم اور امام احمد اور ابن حبان اور بیہقی نے بھی عبد الرحمٰن ابن کعب سے نقل کیا ہے، حضرت مولانا نے نقل فرمائی ہے جو اس امر میں نص صریح ہے کہ قبل تشریف آوری حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اقامت جمعہ ہوئی، اس کے بعد میں اتقان کی عبارت منقول ہے جس میں یہ جملہ صراحۃً موجود ہے **فانها[1] مدنية و الجمعة فرضت بمكة** پھر اس کے بعد ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے[2] **جمع اهل المدينة قبل ان يقدمها رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وقبل ان تنزل الجمعة** الخ پھر اس پر بھی مولوی محمد سعید صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ (روایت ایک بھی نہ لکھی محض قاضی شوکانی کی عبارت پر اکتفا کیا) ہم کو کمال تعجب ہے کہ یا اللہ یہ بات تو فقط آنکھوں کے متعلق ہے عقل و تدبیر کی بھی حاجت نہیں، پھر ایسے صریح بدیہی امر کے انکار پر کیونکر جرأت ہوئی اور اگر مجیب صاحب نے کسی مجبوری میں مبتلا ہو کر اپنی آنکھیں بند بھی کر لیں تو کیا تمام عالم کو وہ ایسا ہی سمجھ گئے؟ واقعی تعصب بھی نہایت پُر زور چیز ہے جس کا اثر قلب سے اعضاء ظاہر تلک اس قدر نمایاں ہو جاتا ہے، اب ہم سے حقیقۃ الامر سنئے کہ جب عبارت اوثق العریٰ سے بحوالہ کتب معتبرہ یہ امر واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ حکم اقامت جمعہ مکہ مکرمہ میں قبل ہجرت و قبل نزول سورۃ جمعہ نازل ہو چکا تھا حتی کہ تکیہ گاہ بے حجۃ خاتم المحدثین قاضی شوکانی اور امیر المومنین نواب صدیق الحسن خانصاحب بھی اس کو تسلیم فرما چکے ہیں تو اب ہمارے محدثین کو سخت خلجان پیش آیا، کاش اگر قاضی صاحب اور نواب صاحب حنفیہ کے اس استدلال پر مطلع ہو کر کوئی صورت دستگیری کی ضعیف قوی ارشاد فرما جاتے تو اس حالت بے کسی میں شاید کچھ تخفیف پیدا ہو جاتی، مگر خوبی قسمت سے اب اس کا سب بوجھ ہمارے محدثین کے ذمہ پر آپڑا اسواس کی تدبیر مولوی محمد سعید صاحب نے تو بحالت مجبوری بمقتضائے "ملاں آں باشد کہ چپ نشود" یہ نکالی کہ تھوڑی دیر کے لئے صداقت وغیرہ وغیرہ سے قطع نظر فرما کر دروغ مصلحت آمیز کو اختیار کیا اور یہ کہہ دیا (کہ روایت ایک بھی نہ لکھی محض قاضی شوکانی کی عبارت پر اکتفا کیا) جس کی کیفیت مفصلاً عرض کر چکا ہوں۔

---

۱ الاتقان فی علوم القرآن ج۱، ص ۳۶، المطبعۃ الازہریہ المصریۃ ۱۳۱۸ھ

۲ یہ حدیث ابوداؤد میں نہیں ہے۔ البتہ یہ روایت عبد الرزاق میں انہی الفاظ میں موجود ہے، عن محمد بن سیرین، مصنف عبد الرزاق ۳/ ۱۵۹-۱۶۰، کتاب الجمعہ باب اول من جمع (دار الکتب العلمیہ بیروت) الدر المنثور ۶/۱ تلخیص الحبیر، التلخیص الکبیر ۱/ ۱۳۳

اعتراض اول مجیب ابوالمکارم

اور مجیب ثانی مولانا ابوالمکارم نے یہ خیال فرمایا کہ یہ کہہ دینا کہ اوثق العریٰ میں کوئی روایت مذکور نہیں امر بدیہی اور مشاہد کا انکار کرنا ہے اس لئے یہ چال اختیار کی کہ اول تو یہ کہا (کہ[1] نماز جمعہ کی فرضیت قبل الہجرت صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ سورہ جمعہ مدنی ہے اور اس کا آپ کو بھی اقرار ہے، انتہیٰ) مگر اس دلیل پادر ہوا کا جواب یہی ہے کہ مولانا یہ بھی درست کہ سورہ جمعہ مدنی ہے اور یہ بھی بجا کہ ہم اس کے مدنی ہونے کے مقر ہیں، مگر یہ سمجھ میں نہ آیا کہ سورۂ جمعہ کے مدنی ہونے سے فرضیت جمعہ قبل الہجرت کیونکر غلط ہوگئی، کیا آپ کے نزدیک حکم اور نزول میں تقدم و تاخر غلط و باطل ہے، **یا للعجب ولضیعة الادب**، دیکھئے خدا خیر کرے اس مجبوری کی حالت میں کون کون سے امور مسلمہ محدثین اور مفسرین کی تغلیط کرنی پڑتی ہے۔

اعتراض ثانی ابوالمکارم

پھر اس کے بعد مجیب ثانی تحریر فرماتے ہیں (رہی[2] یہ بات کہ نماز جمعہ بذریعہ وحی مکہ میں فرض ہوچکی تھی صحیح نہیں، اور جن روایات سے آپ کا استدلال ہے ان روایات کا پتہ نہیں تاکہ دیکھا جائے کہ وہ روایات قابل استدلال ہیں یا نہیں، صاحب[3] نیل الاوطار اور شراح بخاری نے جو روایت بحوالہ دارقطنی نقل کی ہے نہ اس کے رجال مذکور نہ کسی محدث سے اس کی تصحیح منقول ہے نہ شارحین نے اس کی صحت ظاہر فرمائی، لہٰذا استدلال ناتمام ہے انتہیٰ ملخصاً) اقول **بحول اللہ وقوته الحمد للہ** مجیب ثانی نے صاف طور سے یہ تو فرمادیا کہ روایت مذکورہ میں سے ہم کسی کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے مثل مجیب اول یہ تو نہ کیا کہ امر بدیہی سے آنکھیں بند کر کے اول تو یہ کہہ دیا (کہ روایت ایک بھی نہ لکھی محض قاضی شوکانی کی عبارت پر اکتفا کیا) حالانکہ روایات متعددہ آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اس کے بعد نیل الاوطار کے حوالہ میں ایک خیالی بحث کر کے جس کا ذکر عنقریب آنے والا ہے آخر میں یہ جا کہا (حاصل[4] کلام کا یہ ہے کہ حضرت نے روایات معتبرہ صحیحہ کا جو ادعا کیا تھا وہ غلط ہے کوئی روایت صحیحہ اس بارے میں نہیں ہے)

---

۱ ہدایۃ الوریٰ ص ۱

۲ ہدایۃ الوریٰ ص ۱

۳ ہدایۃ الوریٰ ص ۱، ہمارے پیش نظر نسخہ میں عبارت کے الفاظ یہ ہیں: صاحب نیل نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے سو اس روایت کے نہ الفاظ مذکور ہیں اور نہ اس کے رجال اور نہ کسی سے ائمہ محدثین میں سے اس کی تصحیح منقول ہے۔

۴ کسر العریٰ ص ۴

خیر یہ بات تو اہل فہم کو ظاہر ہوگئی کہ مولوی محمد سعید صاحب کو بھی قاضی صاحب اور نواب صاحب وغیرہ کی بیان فرمودہ روایات کو غیر معتبر اور غیر مسلم فرمانا منظور ہے مگر کسی وجہ سے صاف کہتے ہوئے شرماتے ہیں ع

عمرت دراز باد کہ اینہم غنیمت است

اور مولانا ابوالمکارم نے کسی قدر صاف لفظوں میں اس مضمون کو ادا فرمایا، سوا ور امور تو بالکل لغو اور فضول ہیں مطلب کی بات صرف یہی ہے کہ ہر دو مجیب روایات منقولہ اوثق العریٰ کو غیر معتبر فرماتے ہیں جو مبلغ سعی ان حضرات کا ہوا کرتا ہے اس لئے اس کے متعلق ہم کو بھی کچھ عرض کرنا ضروری ہے، بگوش انصاف سنئے، اول قابل گذارش یہ امر ہے کہ اوثق العریٰ میں پانچ چار حوالہ کتب معتبرہ سے اس بارے میں نقل کئے ہیں کہ حکم اقامت جمعہ مکہ مکرمہ میں قبل ہجرت ہو چکا تھا جن کو بالترتیب احقر بھی نقل کر چکا ہے، ان کو ہر دو مجیب غیر معتبر اور غیر صحیح فرما کر عقب گذاری کرنا چاہتے ہیں مگر مجیب ثانی مولانا ابوالمکارم نے تو اتنی بات کہہ بھی دی کہ ہم کو ان کی سندیں اور ان کے رجال کا حال معلوم نہیں اس لئے ان کی صحت قابل تسلیم نہیں اور قاضی صاحب اور نواب صاحب اور علامہ ابن حجر اور علامہ قسطلانی کا نقل فرمانا اس بارے میں کافی نہیں ہوسکتا، اور مجیب اول کو تو اتنی بات کہنے میں بھی بخل ہوا اس مہارت اور تبحر پر تعجب ہے کہ ایک سند میں بھی صاف طور سے کسی قسم کا سُقم اور ضعف بیان نہ کر سکے مگر چونکہ ان حضرات کو ایک مجبوری کی وجہ سے فقط دفع الوقتی کرنی منظور ہے اس لئے ادھوری اور مجمل باتیں کرنا کوئی تعجب نہیں، لیکن ہم کو چونکہ ناظرین اہل انصاف پر حقیقۃ الامر واضح کرنا مقصود ہے اس لئے عرض ہے کہ اوثق العریٰ میں جس قدر ادلہ موجود ہیں بحمد اللہ کوئی غیر معتبر نہیں سب قابل احتجاج اور ضروری التسلیم اور معتبر ہیں، تعصب سے یکسو ہو کر بنظر انصاف ملاحظہ فرمالیجئے، روایۃ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک جو بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ منقول ہے اس کی نسبت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں، **اخرجه احمد وابو داؤد وابن ماجه وصححه ابن خزيمه وغير واحد من حديث كعب بن مالك**[1] علامہ ابن قیم زاد المعاد میں بیہقی سے اس روایۃ کی نسبت نقل کرتے ہیں **وهٰذا حديث حسن صحيح الاسناد** قاضی صاحب نیل الاوطار میں فرماتے ہیں الحدیث[2] **اخرجه ايضا ابن حبان والبيهقي وصححه قال الحافظ واسناده حسن** ان اعلام محدثین کی اس قدر تصریحات کے بعد ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ادنیٰ منصف فہیم بھی اس روایۃ کے معتبر اور صحیح ہونے میں متامل ہو، **البتہ الضرورات تبيح المحظورات**

---

۱ فتح الباری ج ۲، ص ۲۴۱، المطبعۃ الخیریہ بمصر القاہرہ

۲ نیل الاوطار الجزء الثالث باب انعقاد الجمعۃ باربعین واقامتہا فی القریٰ ص ۱۰۷-۱۰۶ (المطبعۃ الخیریہ بمصر القاہرہ)

کا قصہ ہی جدا ہے، اور تماشا یہ ہے کہ خود مجیب بھی صفحہ آٹھ پر تحریر فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن کعب کی روایت قوی ہے اور صفحہ پانچ پر اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں مگر ہماری بات کا جواب ندارد **کما سیجیٔ مفصلاً** دوسری روایت جو بحوالہ ابوداؤد وغیرہ منقول ہے جس حوالہ کی آگے چل کر اپنے زعم میں مجیب اول تغلیط بھی کر رہے ہیں **کما سیاتی،** اور وہ روایت یہ ہے **جمع[1] اهل المدينة قبل ان يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقبل ان تنزل الجمعة** الخ الحدیث یہ روایت امام ابوداؤد اور عبدالرزاق اور عبد بن حمید کی ہے مگر یہ الفاظ جو یہاں منقول ہیں یہ الفاظ بعینہٖ عبدالرزاق اور عبد بن حمید کے ہیں اور ابوداؤد کی روایت میں معنی موجود ہیں اور الفاظ یہ نہیں اور اس سے وہی روایۃ کعب ابن مالک کی جو اوپر گذری مراد ہے **کما سیاتی،** سو اگر اس سے مراد ابوداؤد کی روایت لیجائے تو اس کی صحت ابھی منقول ہو چکی ہے اور عبدالرزاق اور عبد بن حمید کی روایۃ لیتے ہو تو اس کی نسبت حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں **ويشهد[2] للثانى ما رواه عبد الرزاق باسناد صحيح عن محمد بن سيرين قال جمع اهل المدينة قبل ان يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم** الخ

الحدیث قاضی صاحب نیل الاوطار میں فرماتے ہیں[3] **وروى عبد بن حميد وعبد الرزاق عن محمد بن سيرين قال جمع اهل المدينة قبل ان يقدم النبى صلى الله عليه وسلم وقبل ان تنزل الجمعه الخ الحديث ثم قال قال الحافظ ورجاله ثقات الا انه مرسل** ان حضرات کی تصریح سے اس روایت کی صحت صاف معلوم ہوگئی اور اگر کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ سرے سے ہم مرسل ہی کو ضعیف وغیر معتبر سمجھتے ہیں، رجال سند معتبر ہوں یا غیر معتبر تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ مرسل ہمارے اور اکثر علماء متقدمین بلکہ متاخرین کے نزدیک مقبول ہے **وذهب[4] ابو حنيفة ومالك ومن تبعهما وجمع من المحدثين الى قبول المرسل والاحتجاج به وهو رواية عن احمد وحكاه النووى فى شرح المهذب عن كثير من الفقهاء بل اكثرهم ونسبه**

---

[1] مصنف عبدالرزاق ۳/۱۵۹-۱۶۰ کتاب الجمعۃ باب اول من جمع (دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] فتح الباری جلد ثانی ص ۲۹۴ کتاب الجمعۃ (المطبعۃ الخیریہ بمصر القاہرہ)

[3] نیل الاوطار الجزء الثالث، باب انعقاد الجمعۃ باربعین واقامتہا فی القریٰ ص ۱۰۷ (المطبعۃ الخیریہ مصر)

[4] تلاش بسیار کے باوجود یہ عبارت نہیں مل سکی، البتہ یہی مضمون "فتح المغیث" میں ان الفاظ میں مذکور ہے: **واحتج الامام مالك (هو ابن انس فى المشهور عنه) وكذا الامام ابوحنيفة النعمان بن ثابت وتابعوهما المقلدون لهما، والمراد الجمهور من الطائفتين بل وجماعة من المحدثين، والامام احمد فى رواية حكاها النووى وابن القيم وابن كثير وغيرهم به اى المرسل ودانو بمضمونه اى جعل كل واحد منهم ما هو عنده مرسل دنيا يدين به فى الاحكام وغيرهما وحكاه النووى فى شرح المهذب عن كثيرين من الفقهاء او اكثرهم قال ونقله الغزالى عن الجماهير . (فتح المغيث شرح الفية الحديث ص ۵۵، مطبع انوار محمدى لكهنؤ)**

الغزالی الی الجمهور بل ادعی ابن جریر الطبری وابن الحاجب اجماع التابعین علی قبوله والاحتجاج به اوراس پر بھی اگر کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ ہمارے نزدیک مذہب راجح یہی ہے کہ مرسل مطلقاً ضعیف ہے تو گو بروئے انصاف ہمارے صحۃ استدلال میں اس سے کوئی سقم نہیں آسکتا مگر تبرعاً اس کے دفعیہ میں ہم عبارت ابن حجر پیش کرتے ہیں **وھذا**[1] **وان کان مرسلاً فله شاهد باسناد حسن اخرجه احمد وابو داؤد وابن ماجة وصححه ابن خزیمة وغیر واحد من حدیث کعب ابن مالك قال کان اول من صلی بنا الجمعة قبل مقدم رسول الله صلی الله علیه وسلم المدینة اسعد بن زرارة الحدیث** الحمدللہ کہ اس روایت منقولہ اوثق العریٰ کی صحۃ بھی علامہ ابن حجر اور قاضی صاحب کی تصریحات کی بموجب خوب ثابت ہوگئی، اب لیجئے عبارت اتقان وہ یہ ہے **النوع**[2] **الثانی عشر ما تاخر حکمه عن نزوله وما تاخر نزوله عن حکمه الی ان قال ومن امثلته ایضاً آیة الجمعة فانها مدنیة والجمعة فرضت بمکة الی آخر ما قال** سو یہ امر تو ظاہر ہے کہ علامہ سیوطی نے کوئی روایۃ بیان نہیں کی جو اس کی صحۃ بیان کرنے کی حاجۃ ہو البتہ یہ بات بدیہی ہے کہ علامہ موصوف کے نزدیک یہ امر محقق و مسلم ہے کہ فرضیت جمعہ قبل ہجرت مکہ معظّمہ میں نازل ہوچکی تھی اور سورۃ جمعہ اس کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جس سے یہ واضح ہوگیا کہ علامہ سیوطی کے نزدیک نزول فرضیت جمعہ مکہ مکرمہ میں صحیح اور ثابت ہے، اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ علامہ سیوطی کا کسی امر کو صحیح فرمانا ایسا نہیں کہ بلاوجہ اور بے دلیل اور اس کا انکار مسموع ہونے کے قابل سمجھا جائے، اور جب یہ دیکھا جائے کہ جمہور علماء مفسرین معتبرین ان کی موافقت فرمارہے ہیں یعنی حکم اقامت جمعہ کو ہجرت اور نزول سورۃ جمعہ سے مقدم بتلاتے ہیں تو پھر تو اس کے تسلیم میں کوئی وہمی بھی متامل نہیں ہوگا، تفسیر بیضاوی، تفسیر خازن، معالم التنزیل، قنوی اور خفاجی اور شیخ زادہ حواشی بیضاوی وغیرہ وغیرہ کتب کو ملاحظہ فرمالیجئے کہ کسی نے بھی امر مذکور کا خلاف نہیں کیا بلکہ سب حضرات ایک زبان ہورہے ہیں بلکہ ابن شہاب نے تو اس قصہ کو نقل فرما کر یہ بھی بیان کیا ہے **وبه**[3] **یلغز ای صلوٰة مفروضة صلاها الناس قبل النبی صلی الله علیه وسلم** اب نہایت تعجب خیز امر ہے کہ امام محی السنۃ اور سیوطی وغیرہ جیسے اکابر کی تصحیح و تسلیم بھی قابل قبول نہ ہو اور بلا دلیل اس کے انکار پر جرأت کی جائے اور اس کے ساتھ ان روایات معتبرہ احادیث

۱؎ فتح الباری ج ۲ ص ۲۴۱ (المطبعۃ الخیریہ مصر)

۲؎ النوع الثانی عشر ما تاخر حکمہ عن نزولہ عن حکمہ، الاتقان ج ۱ ص ۳۶ (المطبعۃ الازہریہ مصر)

۳؎ نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۰۷ (المطبعۃ الخیریہ مصر)

۴؎ شہاب حاشیہ بیضاوی المجلد الثامن ص ۱۹۶ مطبوعہ ۱۳۸۳ھ مصر

کو دیکھا جائے جو اس بارے میں منقول ہیں تو پھر تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی لب کشائی کرنا سچ عرض کرتا ہوں بالکل منہ چڑانا ہے جو اہل علم سے کسی طرح متوقع نہیں، اب باقی رہی روایت ابن عباس جس کو بحوالہ دار قطنی وغیرہ علامہ ابن حجر اور قسطلانی اور قاضی شوکانی اور نواب صدیق الحسن خان نے اپنی اپنی تالیفات میں نقل فرمایا ہے اور جس کی نسبت مولانا ابوالمکارم صاف لفظوں میں تحریر فرماتے ہیں کہ نہ اس روایت کے الفاظ مذکور ہیں نہ اس کی رجال نہ کسی محدث سے اس کی تصحیح منقول ہے نہ ان شارحین نے اس کی صحت کو ظاہر فرمایا ہے، سو اس کی نسبت اول تو یہ عرض ہے کہ کتب معتبرہ میں مصرح موجود ہے کہ نقل روایۃ کے بعد سکوت کرنا یعنی روایۃ پر کسی قسم کا طعن و جرح نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ناقل کے نزدیک وہ روایۃ مقبول ہے۔ وانّ[1] سکتوا عن الرد بعد ما بلغهم رواية الحديث فهو مقبول ايضاً لان السكوت فی موضع الحاجة لا يحل الاعلی وجه الرضا بالمسموع والمرئ فكان سكوتهم عن الرد دليل التقرير اذ لو لم يكن كذٰلك لتطرقت نسبة التقصير اليهم وانهم لم يتهموا بذٰلك انتهی اس سے معلوم ہو گیا کہ ایسے موقع پر سکوت بھی دلیل قبول اور قرینۂ تسلیم ہے ورنہ ساکت متهم به تقصیر ہوگا جو اکابر کی نسبت خیال باطل ہے، صاحب مشکوٰۃ دیباچہ مشکوٰۃ میں امام محی السنۃ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں وانّ[2] كان نقله وانه من الثقات كالاسناد اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ثقہ کا بدون اسناد نقل کرنا مقبول و معتبر ہے، چنانچہ صاحب مرقات اس کی شرح میں بیان فرماتے ہیں لانّ[3] هٰذا شان من اشتهرت امانته وعلمت عدالته وصيانته فيعول علٰى نقله وان تجرد عن اسناد الشیٔ لمحله انتہی علاوہ ازیں فتح الباری قسطلانی نیل الاوطار عون الباری میں روایۃ مذکورہ کو اپنے استدلال اور احتجاج کے موقع میں پیش کیا ہے نیل الاوطار کو ملاحظہ فرمائیے کہ دربارۂ اشتراط عدد اربعین قاضی صاحب شوافع کے جواب کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں وذٰلك[4] ان الجمعة فرضت علی النبی صلی الله عليه وسلم وهو بمكة قبل الهجرة كما اخرجه الطبرانی عن ابن عباس الخ اور علامہ ابن حجر نے یہ فرمایا ہے کہ روایت ابن سیرین سے گو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے جمعہ کو اختیار فرمایا مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی قبل الہجرت مکہ میں حکم جمعہ معلوم نہیں ہوا تھا اب اس کے ثبوت کے لئے علامہ موصوف فرماتے

---

۱ کشف الاسرار فخر الاسلام بزدوی جلد ثانی ص ۳۸۵۔ مطبع الشرکیۃ الصحافیۃ العثمانیہ استنبول ۱۳۰۸ھ شرح عبدالعزیز بخاری۔

۲ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱، اصح المطابع ممبئی

۳ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱، اصح المطابع ممبئی

۴ نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۰۷، المطبعۃ الخیریہ مصر

ہیں **فقد[1] ورد فیه حدیث عن ابن عباس** الخ علی ھذا القیاس قسطلانی اورعون الباری کو ملاحظہ فرمالیجئے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نقل محض سے بڑھ کر ان صاحبوں نے موقع احتجاج واستدلال میں روایۃ مذکورہ کو بیان کیا ہے، سوان صاحبوں کی طرف یہ خیال کرنا کہ اپنے استدلال کے موقع میں ایسی روایت بیان فرمائی کہ جو روایۃ خود انہیں کے نزدیک لائق اعتبار اور احتجاج نہ ہو نہایت غلطی وگستاخی ہے ہم سے پوچھئے تو ان صاحبوں کا حدیث مذکور کو موقع احتجاج میں پیش فرمانا باعلی ندا یہ کہہ رہا ہے کہ حدیث موصوف ان کے نزدیک مقبول ومعتبر ہے مگر اس کا کیا علاج کہ آپ اس پر بھی یہی فرما رہے ہیں کہ ان شارحین میں سے کسی سے اس کی تصحیح منقول نہیں اس لئے یہ روایۃ مجہول ہے، مع ھذا علامہ ابن حجر اور قاضی شوکانی تو در بارہ نقل روایات نہایت محتاط بلکہ متشدد ہیں، دیکھئے علامہ ابن حجر نے اس موقع پر عبدالرزاق کے حوالہ سے روایت ابن سیرین کو نقل فرما کر **وھٰذا[2] وان کان مرسلاً فله شاهد باسناد حسن** الخ تحریر فرمایا ہے اور قاضی صاحب نے اس بحث میں بحوالہ طبرانی حدیث ابی مسعود نقل کرکر **وفی[3] اسناده صالح ابن ابی الاخضر وھو ضعیف** فرمادیا ہے، حالانکہ یہ تضعیف بھی متکلم فیہ ہے پھر ایسے حضرات کی نقل کی نسبت ایسے بے سروپا خیالات پیش کر کے ان کے منقولات کو ساقط الاعتبار قرار دینا کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے علاوہ ازیں حافظ ابن حجر تلخیص میں فرماتے ہیں **وروی[4] الدار قطنی من طریق مغیرة بن عبد الرحمٰن عن مالك عن الزهری عن عبید الله عن ابن عباس قال اذن النبی صلی الله علیه وسلم الجمعة قبل ان یهاجر ولم یستطع ان یجمع بمكة فكتب الی مصعب بن عمیر اما بعد** الخ اور کسی قسم کی تضعیف نہیں فرماتے، الحاصل جملہ روایات منقولہ اوثق العریٰ کا مقبول ومعتبر ہونا محقق ہوگیا تو اب اپنے اغراض کی وجہ سے بلا وجہ وجیہہ ان کو مجہول فرمانا سخت ناانصافی وبے باکی ہے کتب معتبرہ کو ملاحظہ فرمالیجئے سب اکابر کا یہی ارشاد ہے کہ روایات غیر معتبرہ کا معتبر بنانا جیسا قبیح ہے ایسا ہی روایۃ معتبرہ کو غیر معتبر قرار دینا مذموم ہے، **من[5] كذب علیَّ متعمّدًا** جس قدر خوفناک امر ہے **من كذب متعمدًا** بھی اس سے کسی طرح کم نہیں جب ان روایات معتبرہ اور اقوال صادقہ مسلمہ سے اہل انصاف پر خوب واضح ہوگیا کہ قبل الہجرۃ اہل مدینہ کو اقامت جمعہ کی

---

[1] فتح الباری الجزء الثانی ص ۲۴۱، المطبعۃ الخیریہ مصر

[2] حوالہ گذر چکا ہے۔

[3] تقریب التہذیب، حرف صاد

[4] التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ص ۱۳۳، مکتبۃ القاری دہلی

[5] بخاری ج ۱/ ۲۱، عن ابی ہریرۃ

نوبت آچکی تھی تو ہم کو اس بارے میں زیادہ خامہ فرسائی کی اصلا حاجت نہیں، مگر محدثین زمانہ حال کی فہم وانصاف ظاہر کرنے کی غرض سے تبرعاً اتنا اور عرض کئے دیتے ہیں کہ قاضی شوکانی بحوالہ طبرانی تحریر فرماتے ہیں عن[1] ابی مسعود الانصاری قال اول من قدم المدینة من المهاجرین مصعب بن عمیر وهو اول من جمع بها یوم الجمعة قبل ان یقدم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وهم اثنا عشر رجلاً وفی اسناده صالح بن ابی الاخضر وهو ضعیف مگر ان کی تضعیف میں اختلاف ہے بعض اکابر ان کی توثیق فرماتے ہیں، صاحب تقریب نے ان کے بارے میں قول فیصل ضعیف ویعتبر به فرمایا ہے، یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ قاضی صاحب باوجود بیان تضعیف دربارہ عدم اشتراط عدد اربعین شوافع کے مقابلہ میں اس روایت سے استدلال لائے ہیں، علاوہ ازیں مراسیل ابی داؤد میں اس کا شاہد موجود ہے عن[2] الزهری ان مصعب بن عمیر حین بعثه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الی المدینة جمع بهم اثنا عشر رجلاً اور لیجئے علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں دربارۂ ابتداء جمعہ ایک فصل مستقل تحریر فرمائی ہے، علامہ موصوف بلانکیر اس امر کے قائل ہیں کہ قبل ہجرت مدینہ منورہ میں اقامت جمعہ ہوئی ان سب کے بعد یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اہل مغازی وسیر بالاتفاق اس امر کو نقل فرمارہے ہیں کہ جمعہ قبل الہجرۃ مقرر ہوا، اور حضرات مفسرین بھی برابر اسی امر کو نقل فرماتے ہیں اگر ہم ان عبارات کو نقل کریں تو یقیناً ایک مستقل رسالہ ہوجائے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ اتفاق اہل سیر اور بالخصوص امور تاریخی میں کس قدر واجب التسلیم اور قابل اعتبار ہے حتی کہ آپ حضرات تو بخاری شریف اصح الکتب کی روایۃ کو بھی اس کے مقابلہ میں ترک کرنا جائز سمجھتے ہیں، کما سیجئ، آپ کی سمع خراشی تو بہت ہوئی مگر اسی کے ساتھ اتنا اور بھی سن لیجئے کہ ہمارے پاس فتویٰ مطبوع موجود ہے جس پر آپ کے حجۃ السلف والخلف مولانا سید نذیر حسین اور مجتہد مطلق مولانا ابوالطیب شمس الحق اور مولانا عبد العزیز صاحب وغیرہ کی مواہیر ثبت ہیں، جس میں سب صاحبوں نے اس امر کو تسلیم فرمایا ہے کہ قبل ہجرت مدینہ طیبہ میں اسعد بن زرارہ نے اقامت جمعہ کی اور بمقابلہ حنفیہ بزعم خود ان سب صاحبوں نے روایت مذکورہ سے یہ امر ثابت کیا ہے کہ اداء جمعہ کے لئے سلطان وقاضی واجراء حدود وقصاص ہرگز شرط نہیں مگر یہ کیا خبر تھی کہ خوبیٔ قسمت سے یہی روایات مسلمہ حنفیہ کے مدعا پر حجۃ قوی اور استدلال لاجواب ہوجائیں گے بمقتضائے انصاف یہ امر کس قدر شرمناک ہے کہ روایات صحیحہ جو بلانکیر اپنے اور اپنے معتقد علیہم کے

[1] نیل الاوطار الجزء الثالث ص ۱۰۷، المطبعۃ الخیریہ مصر
[2] مراسیل ابی داؤد ص ۷ (اصح المطابع دہلی)

نزدیک مسلم ہوں بلا دلیل محض اپنے مشرب کی مخالفت کی وجہ سے ان کی تغلیط اور تضعیف کی جائے جن کو متعصب اور تارک حدیث منہ بھر بھر کر کہا جاتا ہے، حاشا وکلا جو وہ بھی ایسی خرافات کو پسند کرتے ہوں مگر غضب یہ ہے کہ اتنا موقعہ بھی نظر نہیں آتا کہ کوئی مایوس ومجبور قاضی شوکاں مددے کہہ کر ہی کسی قسم کی تسلی کر سکے، پھر ایسی مجبوری میں اگر انکار ولانسلم سے بھی کام نہ لیا جائے تو کیا حنفی بنجانا قبول کیا جائے، شعر

افلاس عنان از کف تقوی بستاند   با گرسنگی قوت پرہیز نماند

اس کے بعد قابل گذارش یہ امر ہے کہ گو یہ صاحب صاف نہیں فرماتے مگر بعض فقروں سے یوں مفہوم ہوتا ہے کہ شاید ان کا یہ مطلب ہو کہ نماز جمعہ کا قبل ہجرت مدینہ طیبہ میں قائم ہونا تو مسلم مگر یہ اقامت محض باجتہاد صحابہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی نوبت نہ آئی تھی بلکہ آپ نے اسی وقت امر فرمایا ہو جب آیت جمعہ نازل ہو چکی چنانچہ روایت مذکورہ اوثق العریٰ بھی اس پر دال ہے کہ اقامت جمعہ باجتہاد صحابہ ہوئی وھو ھذا ، جمع[1] اھل المدینۃ قبل ان یقدمھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقبل ان تنزل الجمعۃ فقالت الانصار ان للیھود یوماً یجتمعون فیہ کل سبعۃ ایام وللنصاریٰ کذٰلک فھلم فلنجعل یوماً نجتمع فیہ فنذکر اللہ تعالیٰ ونصلی ونشکرہ فجعلوہ یوم العروبۃ واجتمعوا علیٰ اسعد بن زرارۃ فصلی بھم یومئذ وانزل اللہ بعد ذٰلک اذا نودی لصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الآیۃ انتہٰی تو اس صورت میں روایۃ اسعد بن زرارہ جس کو ابوداؤد وابن ماجہ وغیرہ نے بروایت کعب بن مالک روایۃ کیا ہے کیسی ہی صحیح وقوی سہی مگر ان حضرات کو مضر نہ ہوگی کیونکہ اس روایت سے اسعد بن زرارہ کا فقط جمعہ قائم کرنا قبل الہجرت ثابت ہوتا ہے، آپ کے ارشاد سے اقامت جمعہ ہونے کا پتہ بھی نہیں جو ان کے مخالف سمجھا جائے اور فرضیت جمعہ قبل ہجرت ثابت ہو، سو اس کا ایک جواب تو یہی ہے کہ روایت اقامت جمعہ فی جواثا میں جو بعض نے یہ احتمال نکالا کہ اس میں اقامت جمعہ فی جواثا بامر رسول اللہ علیہ السلام مصرح مذکور نہیں تو اس کا جواب آپ کے حجۃ السلف والخلف اسی استفتاء میں یہ دیتے ہیں کہ (اور امور معلومہ ظاہرہ سے ہے، کہ عبدالقیس نے بغیر امر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقامت جمعہ نہیں کیا از انکہ عادت صحابہ کرام سے یہ ہے کہ کوئی فعل بغیر امر شارع کے نہیں کیا کرتے خصوصاً زمانہ نزول وحی میں اور خصوصاً ابتداء اسلام میں) اور علامہ ابن حجر اور قاضی شوکانی تحریر فرماتے ہیں ان[2] الظاھر ان عبد القیس لم یجمعوا الا بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما عرف من عادۃ الصحابۃ من عدم الاستبداد بالامور الشرعیۃ فی زمن نزول الوحی

---

[1] نیل الاوطار ج ۳، ص ۱۰۹، فتح الباری ج ۲، ص ۲۴۱، مطبع خیریہ مصر

[2] فتح الباری ج ۲، ص ۲۵۹ تحت قولہ جواثی، مطبع خیریہ مصر

اور جن کو فہم سلیم سے حصہ ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ قبل صدور حکم شارع ابتداءً صلوٰۃ جمعہ کو قائم کرنا زیادہ تر قابل استبعاد ہے اور بعد ترویج و مشاہدہ اقامت جمعہ عبدالقیس کا جواثا میں جا کر بلا امر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ قائم کرنا کچھ بھی مستبعد نہیں معلوم ہوتا پھر تماشا ہے کہ جواثا میں تو بلا امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقامت جمعہ مستبعد سمجھی جائے اور مدینہ طیبہ میں ابتداءً محض اپنی رائے سے اقامت جمعہ پر اتنا اصرار کیا جاتا ہے، علاوہ ازیں آپ کے حجۃ السلف والخلف و دیگر فضلاء نے جو اپنے فتویٰ میں جس کا حال پہلے عرض کر چکا ہوں قصہ اسعد بن زرارہ سے اپنے استدلالات بیان فرمائے ہیں اور شروط جمعہ مثل قاضی وسلطان واجراء حدود وقصاص کا اس روایۃ سے ابطال فرمایا ہے ان تمام استدلالات کی نسبت آپ کو لغویت اور بطلان کا اقرار کرنا پڑے گا کیونکہ قبل ہجرت و قبل نزول سورۃ جمعہ جو جمعہ مدینہ طیبہ میں قائم ہوا تھا جب آپ اس کو محض اجتہاد صحابہ قرار دیکر ثبوت فرضیت جمعہ قبل ہجرت سے پیچھا چھڑاتے ہیں تو اب اس فعل اجتہادی سے آپ اپنے دعاوی پر کیونکر استدلال قائم کر سکتے ہیں، تعجب ہے کہ آپ کو ہماری جوابدہی کی پریشانی میں اپنے گھر کی بھی خبر نہ رہی، شعر ؎

اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو دے ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

خیر یہ قصہ تو ہولیا اب آپ کو اختیار ہے اپنے گھر کو بنائیں یا گرائیں مگر احق بالقبول یہ امر ہے کہ جب بعض روایات میں اسعد بن زرارہ کی نسبت یہ منقول ہے کہ بعد مشورہ حضرات صحابہ انہوں نے اول اقامت جمعہ مدینہ میں فرمائی، کمامر۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو مدینہ میں لکھ کر بھیجا کہ اقامت جمعہ کرو اور انہوں نے آپ کے حسب ارشاد جمعہ قائم کیا چنانچہ علامہ سیوطی اپنی تفسیر اور اہل سیر اپنے مولفات میں نقل کرتے ہیں، واخرج[1] الدار قطنی عن ابن عباس قال اذن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الجمعۃ قبل ان یہاجر ولم یستطع ان یجمع بمکۃ فکتب الی مصعب بن عمیرا ما بعد فانظر الیوم الذی تجھر فیہ الیھود بالزبور فاجمعوا نسائکم وابنائکم فاذا مال النھار عن شطرہ عند الزوال من یوم الجمعۃ فتقربوا الی اللّٰہ برکعتین قال فھو اول من جمع حتی قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ فجمع بعد الزوال من الظھر واظھر ذٰلک انتھٰی اور طبرانی نے ابومسعود انصاری سے اس قصہ کو نقل فرمایا ہے اور مراسیل ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ روایات موجود ہیں اور قاضی شوکانی وغیرہ بھی ان روایات کو تسلیم فرماتے ہیں اور ہمارے مجیب سلمہ بھی ان روایات کو تسلیم فرماتے ہیں تو اب حضرت

[1] الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۶ ص ۲۱۸، سورۃ الجمعۃ مطبوعہ مصر

اسعد بن زرارہ اور حضرت مصعب بن عمیر کے قصہ میں بظاہر دو اختلاف معلوم ہوتے ہیں، اول یہ کہ قصہ اسعد بن زرارہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقامت جمعہ اول انہوں نے کی اور قصہ مصعب بن عمیر سے حضرت مصعب کا اول اقامت جمعہ فرمانا معلوم ہوتا ہے، دوسرے اول قصہ سے یہ معلوم ہوا تھا کہ اول اقامت بمشورہ واجتہاد حضرات صحابہ ہوئی اور دوسرے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بامر فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کی نوبت آئی سو عند العلماء اختلاف اول کی مطابقت کی تو یہ صورت ہے کہ اسعد بن زرارہ آمر تھے اور مصعب بن عمیر امام چنانچہ ہمارے مجیب بھی صفحہ آٹھ پر علامہ ابن حجر سے نقل فرماتے ہیں، **ویجمع[1] بینه وبین الاول بان اسعد کان آمرًا و کان مصعب اماماً** اور دیگر محشی حدیث واہل مغازی وسیر بھی برابر یہی تطبیق تفصیل ووضاحت کے ساتھ تحریر فرمارہے ہیں، باقی رہا اختلاف ثانی سو اس کے تطبیق کی صورت ہے کہ اول حضرات صحابہ کے قلوب میں یہ مضمون القاء ہوا اور اقامت جمعہ بعد مشورہ قرار پائی اس کے بعد آپ سے اس کی تصویب کے خواستگار ہوئے آپ نے اجازت فرمادی اور وحی انہیں حضرات کے مطابق نازل ہوگئی اور یہ تطبیق حضرات صحابہ کے شان کی اوفق ہے اور نہ کسی روایت کے مخالف نہ کسی تکلف کی ضرورت، اور اہل انصاف کو اس کے تسلیم کے لئے نہ نقل اقوال کی حاجتہ، ہاں اس قدر عرض کئے دیتا ہوں، کہ خود ہمارے مجیب بھی قصہ اسعد بن زرارہ اور روایت مصعب بن عمیر کی نسبت صاف تحریر فرماتے ہیں، جناب من یہ واقعات دونوں ایک ہیں، دو چار سطر کے بعد فرماتے ہیں، اس میں بھی مطابقت بہت اچھی طرح ہے پہلے اسعد نے اپنے اجتہاد سے جمعہ قائم کیا تھا اور وہ آپ کے امر کے مطابق ہوگیا) اور اہل سیر بھی اس ہی تعارض کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں، **لا[2] مخالفة بینهما لانه یجوز ان یکون هٰذا العزم علٰی ذٰلك حصل منهم اولاً ثم ارسلوا له صلی اللّٰه علیه وسلم یستاذنوه فی ذٰلك فاذن لهم فیه فقد جاء الوحی موافقاًلما اختاروه** علامہ ابن حجر شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں **فمرسل[3] ابن سیرین یدل علٰی ان اولٰئك الصحابة اختاروا یوم الجمعة بالاجتهاد ولا یمنع ذٰلك ان یکون النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علمه بالوحی وهو بمکة فلم یتمکن من اقامتها ثم فقد ورد فیه حدیث عن ابن عباس عند الدار قطنی ولذٰلك جمع بهم اول ما قدم المدنیة کما حکاه ابن اسحق وغیره وعلٰی هٰذا فقد حصلت الهدایة للجمعة بجهتی البیان والتوفیق ، علٰی هٰذا القیاس** اور شراح بھی

---

[1] التلخیص الحبیر ج ۱، ص ۱۳۳، مکتبۃ القاری دہلی
[2] سیرۃ حلبیہ ج ۲، ص ۱۳، (مطبع محمد آفندی مصطفیٰ مصر)
[3] فتح الباری ج ۲، ص ۲۴۱ (مطبع خیریہ مصر)

اجتہاد اصحاب کرام اور ارشاد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں کو تسلیم کر رہے ہیں اور ان میں کسی قسم کا تعارض نہیں مانتے اور حدیث ابن عباس وہی ہے جس میں آپ نے مدینہ میں مصعب بن عمیر کو امر اقامۃ جمعہ تحریر فرمایا کما مر، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ میں تحریر فرماتے ہیں وخص[1] اللہ تعالیٰ ھذہ الامۃ بعلم عظیم نفسہ اولا فی صدور اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اقام الجمعۃ فی المدینۃ قبل مقدمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکشفہ علیہ ثانیا بان اتاہ جبرئیل بمراۃ فیھا نقطۃ سوداء فعرفہ ما ارید بھٰذا المثال فعرف ، انتھٰی فہم سلیم اور یہ عبارات بالتصریح اس امر پر دال ہیں کہ قصہ اسعد بن زرارہ اور قصہ مصعب بن عمیر میں تعارض نہیں جو ایک کو تسلیم کر کے بوجہ تعارض دوسرے کی تغلیط کرنے کی کسی کو گنجائش ملے آپ بہت کریں گے تو یہ کریں گے کہ یہ فرمائیں کہ اول حضرات صحابہ نے باجتہاد خود اقامۃ جمعہ کر لی ہو اور بعد اقامۃ جمعہ مکہ مکرمہ سے حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر اقامۃ تحریر فرما کر ان کو بھیجا ہو، سو قطع نظر اس امر سے کہ یہ بات آپ کے ان مسلمات کے خلاف ہے جس کو آپ اقامۃ جمعہ فی جواثا میں ہمارے مقابلہ میں پیش فرماتے ہیں کما مر قریبا، ہم کو انشاء اللہ کچھ بھی مضر نہیں کیونکہ ہمارا مدعی تو فقط یہ ہے کہ آپ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر قبا میں رونق افروز ہوئے اس سے پہلے بارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ فرض ہو چکا تھا خواہ حضرات صحابہ کرام نے اول اقامۃ جمعہ بعد استصواب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائی ہو خواہ اقامۃ جمعہ کرنے کے بعد آپ سے اجازۃ حاصل کرنے کی نوبت آئی ہو جونسی صورۃ آپ کے نزدیک اوفق شان الصحابہ ہو اس کو آپ بخوشی اختیار فرمالیویں، ہماری طرف سے اجازت ہے، ہمارا مطلب ہر طرح ثابت ہے اس لئے کہ جب تشریف آوری قبا سے پہلی جمعہ بامر واجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقرر ہو چکا تھا پھر اس کے بعد آپ نے قبا میں پیر کو تشریف لاکر چودہ روز قیام فرمایا اور دو جمعہ آپ کو قبا میں پیش آئے پھر کیا وجہ کہ آپ نے وہاں جمعہ ادا نہ فرمایا تو اب بشرط فہم وانصاف یہی کہنا پڑے گا کہ قبا محل اقامۃ جمعہ نہ تھا جس سے جمعہ کی صحت کے لئے مصر کا ہونا ضروری معلوم ہوا **وھو المراد** البتہ جو کوئی فہم وانصاف سے کچھ بھی کام لے گا وہ اس امر کو کسی طرح گوارہ نہ کرے گا کہ حضرات صحابہ نے محض باجتہاد خود جمعہ قائم فرما کر فرض ظہر کو بلا ارشاد رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی رائے سے ترک کر دیا تھا جیسا کہ اوثق العریٰ میں مذکور ہے مگر ہمارے مجیب لبیب اور تو کیا کہوں عقل وانصاف کو بغل میں مار کر فرماتے ہیں اور یہ جو آپ نے ظہر کے پڑھنے نہ پڑھنے کا ذکر لکھا ہے نفس حدیث میں اس کا اتہ پتہ نہیں محض آپ کا خیالی پلاؤ

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، ص ۲۸ (الجمعۃ) (مکتبہ اشرفی دیوبند)

ہے، صاحبو! ہمارے محدثین کے اقوال شنیدنی اور ان کی حالت دیدنی ہے کہ اقامۃ جمعہ فی جواثا کے ذیل میں تو ہم کو دھمکا کر یہ ارشاد ہوتا تھا) اور امور معلومہ ظاہرہ سے ہے کہ عبد القیس نے بغیر امر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقامۃ جمعہ نہیں کیا از انکہ عادت صحابہ کرام سے یہ ہے کہ کوئی فعل بغیر امر شارع کے نہیں کیا کرتے) جس کا ماحصل سلب کلی تھے اور اب اپنے متخیلات بے اصل کی وجہ سے حضرات صحابہ کو فقط ایک صلوٰۃ جدید و مستقل ہی کے قائم کرنے کا اختیار نہیں دیا جاتا بلکہ اگر کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ حضرات اصحاب سے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اپنی رائے سے ایک امر ایجاد کر کے فریضہ حق سبحانہ تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے تو اس بدیہی قول کو محض خیالی پلاؤ بتلایا جاتا ہے، جس کا ماحصل ایجاب جزئی ہے اور امر اول کے صریح مناقض ہے ''قربان آنخدائے یکبام دو ہوائے'' اس میں کچھ شک نہیں کہ حدیث جواثا میں آپ کی اجازت یا اطلاع کا ہرگز ذکر نہیں تو اب ہم بھی یہی کہیں کہ یہ جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع اور امر کا ذکر لکھا ہے نفس حدیث میں اس کا اتہ پتہ نہیں محض آپ کا خیالی پلاؤ ہے تو معلوم نہیں اس کا کیا جواب ہے، بینوا وتوجروا یہ امر ظاہر ہے کہ عقل وفہم میں افراد بنی آدم از حد مختلف ہیں اس لئے اگر کسی سے ان امور کے خلاف کوئی قول وفعل صادر ہو جائے تو زیادہ خلجان نہیں ہوتا، البتہ لائق استعجاب یہ امر ہے کہ بروئے حدیث جو امر حق مان لیا جائے بلکہ اپنا مستدل بنا لیا جائے پھر ایک دو صفحہ کے بعد اس سے کوئی دوسرا منتفع ہونے لگے تو اس حق کو چھوڑ کر اس کی صریح خلاف پر کمر بستہ ہو جائے اور اس کے خلاف سے خوف خدا اور شرم خلائق کوئی امر مانع نہ ہو، امور ایمانیہ میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے وان[۱] **تحب للناس ما تحب لنفسك وتكره لهم ما تكره لنفسك** اس نص صریح کی جگہ ہم اپنے ابناء زمانہ کو دیکھتے ہیں کہ **ان تكره للناس ماتحب لنفسك وتحب لهم ما تكره لنفسك** زبان حال سے کہہ رہے ہیں اور باوجود اس کے اتباع رسول اور حب حدیث کی وہ دعویٰ کہ العظمۃ للہ مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہونہ ہو جملہ حدیث[۲] **فاضع ما شئت** میں ان حضرات نے امر کو وجوب کے لئے نہیں تو استحباب کے لئے ضرور تسلیم کر رکھا ہے ورنہ کیونکر ہوسکتا کہ حدیث صریح کو محض اپنے خیال سے متروک کر کے اس کی مخالفت کی اصلا پرواہ نہ کریں **نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا**.

الحاصل جب اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر کے قصہ میں عقلاً ونقلاً اور نیز خود مجیب کے تسلیم سے تطبیق ظاہر ہوگئی تو یہ امر بخوبی ظاہر ہوگیا کہ جناب سرور کائنات کی تشریف آوری سے پہلے اسعد بن

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، ص ۱۶، رواہ احمد عن معاذ بن جبلؓ (رشیدیہ دہلی)

۲ مشکوٰۃ المصابیح، باب الرفق والحیاء وحسن الخلق ص ۴۳۱ (بخاری) (رشیدیہ دہلی)

زرارہ کا جمعہ قائم فرمانا اور حضرت فخر عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصعب بن عمیر کو اذن اقامۃ جمعہ تحریر فرمانا ہر دو امر خواہ ساتھ کے ساتھ خواہ یکے بعد دیگرے محقق ہو چکے تھے پھر اس کے بعد جب آپ کو سفر ہجرت پیش آیا اور اہل قبا میں رونق افروز ہو کر وہاں چند روز قیام فرمایا اور صلوٰۃ جمعہ قبا میں قائم نہ فرمائی نہ خود پڑھی نہ اہل قبا کو امر فرمایا تو اس سے قریٰ میں حکم عدم اقامۃ جمعہ ایسا ظاہر ہو گیا کہ اہل انصاف کو تو بجز تسلیم و تحسین کوئی مضر نہیں معلوم ہوتا وہو المطلوب، مگر آفریں ہے، حضرت مجیب کی انصاف پرستی پر کہ سب کچھ تسلیم کر کرا کر آخر میں اتنا پھر بھی کہہ گئے۔ قولہ:

"یہ تطبیق[1] بصورت تسلیم روایۃ دارقطنی کے ہے ورنہ وہ روایۃ ضعیف ہے اور عبدالرحمٰن بن کعب کی روایۃ قوی ہے"۔ انتہیٰ

جواب مجیب بناری

اقول: ہمارے مجیب لبیب عجیب چکر میں آرہے ہیں اور اپنے ساتھ اوروں کو بھی چکر دینا چاہتے ہیں اول تو سب امور سے آنکھیں بند فرما کر یہ کہہ دیا تھا کہ روایۃ ایک بھی نہ لکھی فقط شوکانی کے قول پر اکتفا کیا، اس کے بعد کچھ خیال پیدا ہوا تو رفتہ رفتہ روایات منقولہ اوثق العریٰ کی تصدیق فرمائی حتی کہ اس ہی روایۃ دارقطنی اور قصہ اسعد بن زرارہ میں خود بخود باہم تطبیق بحوالہ علماء نقل فرمانے بیٹھ گئے، اب سب کچھ لکھ لکھا کر جو کچھ خیال آیا تو یہ فرمانے لگے کہ یہ تطبیق روایۃ دارقطنی کے تسلیم کی صورت میں ہے کوئی پوچھے کہ جناب یہ تو فرمایئے ضعف کی کیا وجہ ہے بلا دلیل روایۃ مسلمہ اکابر کو ضعیف فرما دینا سخت بے باکی اور جسارت بیجا ہے یا نہیں؟ قاضی شوکانی اور علامہ ابن حجر وغیرہ وغیرہ حضرات تو اس روایۃ کو اپنے اپنے ثبوت مدعی کے لئے دلیل لائیں اور مخالف کو اس سے الزام اور جواب دیں کما مر، اور آپ بلا تحقیق محض اپنے عدم علم پر بھروسہ فرما کر اس پر ضعف کا حکم لگا دیں پھر اس پر بھی آپ نہ شرمائیں تو اس کا کوئی علاج ہی نہیں علاوہ ازیں دیگر روایات مذکورہ بالا بھی اس کی موید، قاضی شوکانی علامہ سیوطی وغیرہ بلا تردد صراحتاً اس فرضیت کے قائل کما مر، اور اس کے خلاف ایک روایۃ بھی آپ بیان نہیں کر سکے باوجود ان سب باتوں کے وہی مرغی کی ایک ٹانگ چلی جاتی ہے جناب من امور بدیہیہ حقہ کو خیالی پلاؤ کہنا یہ تو آپ کا محض خیالی پلاؤ تھا واقع میں اگر خیالی پلاؤ ہی ہے تو یہ ہے کہ خلاف روایات واقوال اکابر محض اپنی خواہش و خیال سے امور مثبتہ مسلمہ کی تضعیف فرمائی جاتی ہے اور دلیل ندارد شعر

---

[1] کسر العریٰ ص ۸

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دوسری بات قابل گذارش یہ ہے کہ حدیث کعب بن مالک کا خلاصہ تو فقط یہ ہے کہ اسعد بن زرارہ نے اول جمعہ ہزم بنیت میں قائم کیا اس میں نہ اس کی تصریح ہے کہ انصار نے اپنے اجتہاد سے قائم کیا نہ یہ منقول ہے کہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر وارشاد سے قائم ہوا، اس لئے روایۃ کعب درحقیقۃ نہ حدیث ابن سیرین کی مخالف جس سے بعد اجتہاد اصحاب کا جمعہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے نہ حدیث مصعب بن عمیر کی مضاد جس سے اقامۃ جمعہ بعد اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہوتی ہے، چنانچہ یہ سب روایات بالتفصیل عنقریب گذر چکی ہیں سو اب آپ کا روایۃ دارقطنی کی نسبت یہ فرمانا ورنہ وہ روایۃ ضعیف ہے اور عبدالرحمٰن بن کعب کی روایۃ قوی ہے بالکل بے محل ہے یہ ہر دو روایات اس بارہ میں معارض ہی کب ہیں جو ایک کو متروک اور دوسرے کو معمول بہا بنانے کا حکم فرماتے ہیں ہاں اگر آپ یہ تحریر فرماتے کہ روایۃ دارقطنی ضعیف ہے اور روایۃ ابن سیرین جس کو عبدالرزاق نے نقل فرمایا ہے قوی ہے تو گو یہ فرمانا غلط ہوتا مگر اتنا بے محل نہ ہوتا کیونکہ ان میں بنظر ظاہر تو تعارض ہے گو ہم اس تعارض کا جواب بحوالہ علماء بیان کر کے تطبیق عرض کر چکے ہیں کما مر، اہل فہم کو مری طول تقریر سے کسی قسم کا ملال ہو مگر الحمدللہ کہ یہ امر خوب واضح ہوگیا کہ فرضیت جمعہ قبل ہجرت کسی روایۃ کی مخالف نہیں بلکہ تمام روایات اس صورت میں بے تکلف منطبق اور متفق ہو جاتے ہیں اور اقوال علماء بھی صریح اس کی مؤید، اب جس نے اس کا خلاف کیا ہو یا اب کرے اس کے ذمہ لازم ہے کہ ایسے ہی دلائل سے اپنا مدعا ثابت کر کے دکھلائے اور جملہ امور مذکورہ سابقہ کا جواب شافی دے اور ہمارے مجیب تو ایسے ادھورے، مجمل مہمل بے اصل باتیں بیان فرماتی ہیں کہ ان کے ساتھ اوروں کی فہم وانصاف سے بھی اعتماد اٹھا جاتا ہے، ایک روایۃ دارقطنی کی تضعیف اور وہ بھی محض خیالی اس سے ہرگز کام نہ چلے گا، اگر حضرت مجیب ہم سے مشورہ کریں تو بمقتضائے المستشار[1] موتمن ہم یہ رائے دیں کہ ان باتوں سے تو کار براری معلوم اگر آپ کو یہی منظور ہے کہ کسی طرح ہو مگر فرضیت جمعہ قبل ہجرت سے جان بچے تو یہ کیجئے کہ ان روایات حدیث اور اقوال اکابر اور اتفاق اہل سیر اور اہل تفسیر کو تو بنام خدا ہمت کر کے تسلیم فرما لیجئے اور اقرار کر لیجئے کہ قصہ اسعد بن زرارہ اور قصہ مصعب بن عمیر یعنی دربارۂ اقامۃ جمعہ انصار کا باہم مشورہ کرنا اور حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اذن اور حکم فرما کر بھیجنا، سب مسلم کہ یہ تمام امور قبل ہجرت طے ہو چکے تھے مگر ان سے فرضیت جمعہ کی نوبت نہ آئی تھی بلکہ اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر کی اقامۃ جمعہ فرمانے سے لیکر نزول سورہ جمعہ تک گو جمعہ تو ہوتا رہا مگر بطور تنفل حتی

---

[1] ابن ماجہ ص ۲۶۶، باب المستشار موتمن۔ (رشیدیہ دہلی)

کہ آپ کا مصعب بن عمیر کو ارشاد فرمانا اور قبا سے روانہ ہوکر بنی سالم میں آپ کا خود جمعہ پڑھنا جو آپ کے مسلمات سے ہے سب بطور تنفل تھا اور قاضی شوکانی اور علامہ سیوطی نے جو فرضیت کی تصریح فرمادی ہے اور حجۃ السلف والخلف اور مجتہد مطلق وغیرہ نے جو فتوے مذکورہ بالا میں فرضیت کو تسلیم کرلیا ہے ان سب کو وہی جملہ سابقہ سنادیجئے یعنی نفس حدیث میں اس کا کچھا تہ پتہ نہیں محض آپ کا خیالی پلاؤ ہے اگرچہ اس صورت میں بھی اہل فہم آپ کی بات کو تسلیم تو نہ کریں گے مگر بمقتضائے **الانسان اذ ابتلٰی ببلیتین اختار اھونھما** آپ کی اختیار فرمودہ مسلک کی نسبت اس میں چونکہ کسی قدر سہولت اور گنجائش معلوم ہوتی ہے اس لئے غنیمت ہے بحمد اللہ یہ بات تو خوب ظاہر ہوگئی کہ صلوٰۃ جمعہ قبل ہجرت فرض ہوچکی تھی جو ہمارا اس بحث سے مقصود تھا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہمارے ہر دو مجیب کوئی بات محقق وقابل قبول نہیں کہہ سکے کما مر تفصیلہ مگر علامہ بنارسی نے دلائل مذکورہ اوثق العریٰ کی جوابدہی میں بہت کچھ عرق ریزی فرمائی ہے، اور اصل مقصود کو چھوڑ کر اکثر امور ضمنیہ زائدہ پر جگہ جگہ مواخذات فرما کر اپنا کمال علمی اور تبحر ظاہر کیا ہے، دلیل اول یعنی شوکانی کی عبارت میں جو یہ جملہ تھا **کما اخرجه الطبرانی عن ابن عباس الخ** اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ نیل کی عبارت میں جو طبرانی کا حوالہ ہے یہ کاتب نیل کی غلطی ہے کیونکہ علامہ ابن حجر فتح الباری اور تلخیص الحبیر میں اور علامہ قسطلانی اپنی شرح میں اسی روایۃ ابن عباس کو بحوالہ دارقطنی نقل فرماتے ہیں اس لئے معلوم ہوگیا کہ نیل الاوطار کی عبارۃ میں غلطی سے بجائے دارقطنی طبرانی کا حوالہ لکھا گیا مگر ہم جہاں تک غور کرتے ہیں اس امر میں نہ ہم پر کچھ الزام نہ ہمارے مدعی کو مضرت، بروئے انصاف اگر کوئی الزام ہے تو یا قاضی صاحب کے سر ہے یا ہمارے مجیب لبیب کے ذمہ عائد ہوتا ہے اور ہمارا مدعی ہر حال میں بحمد اللہ ثابت اور محقق چہ خوش بود کہ برآمد بیک کرشمہ دو کار، امر اول یعنی ہمارے مدعی کو اس اعتراض سے مضرت نہ ہوتی تو ایسا بدیہی امر ہے کہ کوئی متعصب بھی انکار نہیں کرسکتا ظاہر ہے کہ روایۃ مذکورہ طبرانی کی ہو یا دارقطنی کی اس کے معتبر ہونے میں کوئی فرق نہیں ہوسکتا اور اس بات سے ہمارے استدلال میں سر مو تفاوت نہیں آسکتا بلکہ بنظر فہم دیکھا جائے تو مجیب کا یہ مواخذہ ہم کو بجائے مضر ہونے کے الٹا مفید ہے، دیکھئے مولوی محمد سعید صاحب نے ایک حوالہ کی تغلیط فرما کر بجائے اس کے تین حوالہ صحیح بیان کردیئے بقول شخصے ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

ہمارے نزدیک نادان دوست جس قدر ضرر رساں ہے دانا دشمن غالباً اسی قدر مفید ہے، باقی رہا امر ثانی یعنی مجیب کے اس مواخذہ سے ہم پر کسی قسم کا الزام عائد نہ ہونا سو یہ امر سب کے نزدیک ظاہر اور معمول بہ اور مسلم ہے کہ علمائے معتبرین تصنیفات معتبرہ کے حوالہ سے برابر ان امور کو نقل فرماتے ہیں اور

بوجہ اعتماد ناقلین ان نقول پر ایسا اعتماد کیا جاتا ہے کہ گویا اس عبارت کو اصل میں ہی دیکھ لیا اور بلانکیر وہ حوالے معتبر سمجھے جاتے ہیں، مؤلفات علماء کو ملاحظہ فرمالیجئے کہ یہ امر کس قدر شائع ذائع ہے، سواول تو آپ کا یقینی طور سے اس حوالہ کی تغلیط فرمانا ہی درست نہیں تھا کیونکہ آپ کی تغلیط کا منشاء فقط یہ ہے کہ فتح الباری قسطلانی تلخیص الحبیر میں اس حوالہ کی جگہ دوسری کتاب کا حوالہ مذکور ہے جس سے یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حوالہ غلط ہے ممکن ہے کہ دونوں حوالہ صحیح ہوں، آپ کی تحریر سے خود مترشح ہے کہ آپ نے معجمات طبرانی کو بدون ملاحظہ فرمائے ایک قیاسی امر سے اس تغلیط کا یقین جمالیا جو احتیاط وانصاف کے خلاف ہے آپ ہرسہ معجمات طبرانی کو بغور ملاحظہ فرمالیں اس وقت ٹھیک آپ حوالہ مذکور کی یقین ووثوق کے ساتھ تغلیط فرمادیں تو بے جانہیں اور اگر آپ کی تغلیط قرائن محررہ جناب کے موافق تسلیم کرلی جائے تو بھی ہم پر کوئی جرم عائد نہیں ہوسکتا، کیونکہ بروئے انصاف دربارۂ نقل فقط اس قدر ضروری ہے کہ منقول عنہ کے خلاف نہ ہو یہ امر ہرگز ضروری نہیں کہ تاوقتیکہ اصل حوالہ کے مطابق نہ کرلے اس وقت تلک نقل کرنا قابل اعتبار نہ ہوگا، دیکھئے اس ہی چھوٹے سے فتوے میں آپ کے حجۃ السلف والخلف نے صحیح ابن خزیمہ اور بیہقی کا حوالہ دیا ہے ان سے دریافت کیجئے کہ آپ نے اصل صحیح بن خزیمہ اور بیہقی سے اس کی مطابقت فرمالی ہے یا فقط ناقلین کی بات پر اعتماد کرلیا اور سنئے خود آپ نے مصنف عبدالرزاق بیہقی صحیح ابن خزیمہ وغیرہ کا حوالہ اپنے رسالہ میں نقل فرمایا ہے اب آپ ہی ایمان سے فرمادیں کہ آپ نے بلاواسطہ مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے یہ روایات نقل فرمائی ہیں یا فقط فتح الباری قسطلانی وغیرہ پر اعتماد فرما کر بلاتامل اس کو نقل فرمادیا اور ان جوابوں میں اگر کسی حوالہ میں کوئی غلطی بالفرض معلوم ہو تو آپ اپنے منقول عنہ کی موافقت دکھلا کر بری الذمہ ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ ہاں اگر آپ یہ فرمادیں کہ قاضی شوکانی کا حوالہ ہے تا وقتیکہ اصل سے اس کی موافقت نہ کرلی جائے قابل اعتبار نہیں ہوسکتا تو مسلم، اس کے جواب میں ہم بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ خطا ہوئی معاف فرمایئے مگر یہ خطا بے وجہ نہیں ہوئی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم قاضی صاحب کو اپنے خیال میں اس بارے میں قابل اعتماد سمجھے ہوئے تھے بالخصوص آپ کے مقابلہ میں ہم کو کیا خبر تھی کہ دم کے دم میں انقلاب آسماں ہوجائے گا، اس کے بعد مجیب منصف تحریر فرماتے ہیں[1] اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو طبرانی میں اس روایت کو دکھلایئے یا طبرانی سے مع سند نقل فرمایئے یا اپنی تقلید نیل کا اقرار فرمایئے، اب اس دارقطنی کی روایۃ ہی کی تصحیح کر دکھلایئے یا اور کسی روایۃ کو بتلایئے انتھی۔

جناب من دارقطنی کی روایت کی تصحیح اور دوسری روایتوں کی تصریح تو ہم پہلے عرض کرچکے ہیں تھوڑی

---

[1] کسر العریٰ ص ۳

دیر کے لئے تعصب سے یکسو ہو کر ملاحظہ فرمالیجئے، اور باقی امور کے جواب میں ہم کو اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ اور آپ کے ہم مشربوں نے جو امور ابن خزیمہ اور بیہقی اور مصنف عبدالرزاق وغیرہ کے حوالہ سے بواسطہ فتح الباری قسطلانی عینی نیل الاوطار نقل فرمائے ہیں اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ان کتب میں ان روایات کو دکھلائیے یا معہ سند نقل فرمائیے یا ان شراح کی تقلید کا اقرار فرمائیے اور مقلد بنئے اور ہم کو تو ان شقوق میں سے شق اخیر کو اختیار کر لینے میں کوئی حرج نہیں یعنی حسب قاعدہ مقبولہ علماء قاضی صاحب کی نقل پر اعتماد کر کے ہم نے حوالہ مذکور کو نقل کیا، جس میں ہم پر کسی قسم کا الزام نہیں اور جس کی تصحیح وتغلیط ہر دو حالت میں ہمارے مدعی میں اصلا خلل نہیں آسکتا کما مر، ہاں اگر ہمارا حوالہ منقول عنہ یعنی کلام قاضی شوکانی کے مطابق نہ ہوتا یا نقل روایات میں ان پر اعتماد درست نہ ہوتا تو ہم پر الزام ممکن تھا اور جب تلک آپ ان دونوں باتوں میں سے ایک کو بھی ثابت نہ کریں گے اس وقت تلک ہم پر اعتراض کرنا آپ کی خوش فہمی اور بے انصافی ہے اس حالت میں اگر آپ کا اعتراض تسلیم بھی کرلیا جائے تو قاضی صاحب یا ان کے کاتب اور مصحح پر ہوگا ہم بری الذمہ ہیں اور نہ ہمارے مقصود میں کسی قسم کا نقصان پیدا ہوسکتا ہے باقی یہ امر ہم ابتداء سے دیکھ رہے ہیں کہ قاضی صاحب کی طرف سے آپ صاحبوں کی نظر بدلی ہوئی ہے ہم تو یہ خیال کرتے تھے کہ قاضی صاحب کی بدولت ہم کو بھی کسی قسم کی سبکدوشی ہو جائے گی ہم کو کیا خبر تھی کہ ہماری موافقت کے جرم میں قاضی صاحب بھی معتوب ہو جائیں گے جن کے اقوال سے آپ کے دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا تھا اور جن کی مدائح اور مناقب میں غلو اور اغراق تلک نوبت پہنچائی جاتی تھی یہ وہی قاضی شوکانی ہیں کہ آج ان کا ارشاد کانٹے کی طرح آپ کی نظروں میں کھٹکتا ہے اور دل میں خلش پیدا کرتا ہے۔ شعر

یہ وہی دل ہے جو رہتا تھا سدا آنکھوں میں ... اب سبب کیا ہے جو کانٹا سا کھٹکتا ہے زکی

پھر اس خوبی پر ہمارے مجیب فرماتے ہیں حاصل کلام کا یہ ہے کہ حضرت نے جو روایات صحیحہ کا ادعا کیا تھا وہ غلط ہے، کوئی روایت صحیح اس بارے میں نہیں، ہر چند یہ مثل مشہور ومسلم ہے کہ ”کہتے کی زبان نہیں پکڑی جاتی“ مگر حیا وانصاف بھی آخر کوئی چیز ہے اتنا خیال تو کر لینا ضرور ہے کہ آخر اور دیکھے گا تو کیا کہے گا، ہم تفصیل کے ساتھ ان روایات کی صحۃ اور اعتبار بحوالہ علماء وکتب معتبرہ پہلے عرض کر چکے ہیں۔ ع

جو اس پر بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

اور طرہ یہ کہ ہر دو مجیب اپنی ایک روایت کا بھی اب تلک نشان نہیں بتلاتے جس سے معلوم ہو کہ فرضیت جمعہ بعد ہجرت ہوئی صحیح تو درکنار کوئی ضعیف روایت بھی نہیں ملی پھر تماشا ہے اس بے سروسامانی پر اوروں کو

دھمکاتے ہیں اور روایات صحیحہ معتبرہ کی بھی پرواہ نہیں کرتے، کمال علمی اور قوت اجتہادی کا واقعی یہی ثمرہ ہے، خیر قاضی صاحب کی نسبت جو کچھ مجیب صاحب کو بحث کرنی تھی وہ ہو چکی جس کی نسبت ہر دو مجیب سوا اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکے کہ تاوقتیکہ روایت منقولہ قاضی صاحب کی رجال اور ان کا حال بالتفصیل معلوم نہ ہو ہم اس کا اعتبار نہیں کر سکتے اور واقعی قاضی صاحب نے ایسی تصریح سے ہمارے مدعی کو معہ حوالہ روایت ابن عباسؓ بیان فرمایا تھا کہ ہمارے مجیب صاحبوں کو کوئی مفر اس کے سوا ممکن ہی نہ تھا ورنہ اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ اگر اور کوئی مفر ممکن ہوتا تو قاضی صاحب کے مقابلہ میں ایسی جرأت یہ حضرات ہرگز نہ فرماتے کہ اس طرح ان کے امر مسلم اور ان کی روایت مسلمہ دونوں کا صاف انکار فرما دیتے مگر اس مرحلہ کے بعد حوالہ ثانی منقول اوثق العریٰ کے مجیب بنارسی نے ایسی جدوجہد کے ساتھ عبارت کی تردید فرمائی ہے جس کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اور باتوں کے سوا تلافی مافات اور رفع ندامت سابقہ بھی ضرور پیش نظر ہے، اب اس کی کیفیت مفصلاً معروض ہے۔

تقریر اوثق العریٰ

اوثق العریٰ میں دوسرا حوالہ جس کو پہلے عرض کر چکا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نواب صاحب قنوجی اور علامہ قسطلانی اور علامہ ابن حجر شروح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں **فهدانا[1] الله له بان نص لنا عليه ولم يكلنا الى اجتهادنا لاحتمال ان يكون صلى الله عليه وسلم علمه بالوحى وهو بمكة فلم يتمكن من اقامتها بها وفيه حديث عن ابن عباسؓ عند الدار قطنى ولذٰلك جمع لهم اول ما قدم المدينة كما ذكره ابن اسحٰق انتهٰى۔**

جواب از مجیب بنارسی

اس کے جواب میں علامہ بنارسی نے قریب ایک ورق کو سیاہ کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ[2] افسوس اوثق العریٰ میں فقط ایک احتمال مرجوح پر اپنا استدلال قائم کیا گیا اور احتمال قوی کو ترک کر دیا گیا جیسا کہ شارحین موصوفین کی پوری عبارت کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے اگر پوری عبارت نقل کی جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ دوسرا احتمال قوی بھی موجود ہے وہ عبارت یہ ہے **هدانا[3] الله له بالاجتهاد كما يدل عليه**

---

[1] عون الباری ۳۶۶ کتاب الجمعہ، قسطلانی ج ۲، ص ۱۲۹، باب وجوب فرض الجمعۃ، فتح الباری ج ۲، ص ۴۵۲، باب فرض الجمعۃ (مطبع مصر)

[2] کسر العریٰ ص ۴

[3] حوالہ گذر چکا ہے

مرسل ابن سیرین عند عبد الرزاق باسناد صحیح قال جمع اھل المدینة قبل ان یقدمھا النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وقبل ان تنزل الجمعة قالت الانصار ان للیھود یوما یجتمعون فیه کل سبعة ایام الخ جس کو اوثق العریٰ میں بھی آگے چل کر نقل فرمایا ہے اور ہم بھی ذکر استدلالات میں پہلے عرض کر چکے ہیں اور ہر سہ شارحین موصوفین نے اس عبارت کو بہت تھوڑے تغیر الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے ان عبارات کی نقل کے بعد ہمارے مجیب تحریر فرماتے ہیں، ان مولفین محققین کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اس میں دونوں احتمال ہیں کہ آیا اللہ نے نصاً ہدایت فرمائی ہو یا اجتہاداً اگر دونوں احتمال برابر ہوتے تو بھی حسب قاعدہ مولانا **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** یہ عبارتیں قابل استدلال مولانا کے نہ ہوتیں، چہ جائیکہ ان مولفین نے احتمال ثانی کو ترجیح دی ہے ہمارے حضرت کو مناسب نہ تھا کہ عوام کے دھوکہ دہی کے لئے ٹکڑے عبارت کو نقل فرماتے، انتہی ۔

جواب

اقول **وبه نستعین** اولاً بنظر اظہار فہم وانصاف مجیب یہ عرض ہے کہ احتمال ثانی کو راجح سمجھنا دعویٰ بلا دلیل ہی نہیں بلکہ بالکل مخالف دلیل ہے، ہم عبارت علامہ ابن حجر کی توضیح وتفصیل کئے دیتے ہیں اس سے اہل فہم خود سمجھ لیں کہ مجیب اپنے دعویٰ میں کہاں تک سچے ہیں اور فہم مطلب سے کس قدر دور ہیں، باقی ہر دو شارح کے کلام کا بھی وہی مطلب سمجھ لینا چاہئے، دیکھئے علامہ ممدوح **فھدانا اللّٰہ له** کی شرح میں فرماتے ہیں **یحتمل[1] ان یراد بان نص لنا علیه وان یراد الھدایة الیه بالاجتھاد** یعنی اس ہدایت فرمانے میں دونوں احتمال ہیں کہ حق تعالیٰ نے بذریعہ نزول وحی جمعہ کی ہدایت اس امت کو فرمائی اور یا بتوفیق الٰہی بذریعہ اجتہاد خود حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس ہدایت کی نوبت آئی اور یہ وہی دونوں احتمال ہیں جن کو ہم بالتفصیل معہ بیان تطبیق عرض کر چکے ہیں، اس کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں، **ویشھد للثانی ماروٰہ[2] عبد الرزاق باسناد صحیح عن محمد بن سیرین قال جمع اھل المدینة قبل ان یقدمھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وقبل ان تنزل الجمعة فقالت الانصار ان للیھود یوما یجتمعون فیه کل سبعة ایام الیٰ آخر کلامه** یعنی ہر دو احتمال مذکورہ سابقہ میں احتمال ثانی کی تائید روایت عبد الرزاق سے بھی معلوم ہوتی ہے اور احتمال ثانی

---

[1] فتح الباری ج ۲ ص ۲۴۱، مطبع خیریہ مصر

[2] عبد الرزاق حدیث ۵۱۴۴، باب اول من جمع، الجزء الثالث، فتح الباری ج ۲ ص ۲۴۱ مطبع خیریہ مصر

سے مراد اقامت جمعہ بحسب الاجتہاد ہے تو اب ہر دو احتمال بظاہر متعارض معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ارشاد **فهدانا الله له** سے تو بظاہر احتمال اول یعنی اقامت جمعہ بذریعہ نص و وحی مفہوم ہوتا ہے کما لا یخفی علی الفہیم اور **فهدانا الله** کی تفسیر میں احتمال اول کو مقدم بیان فرمانے کی بھی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے اور مصنف عبد الرزاق کی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ باجتہاد صحابہ کرام اقامت جمعہ کی نوبت آئی جو مضمون اول کے خلاف ہے تو ہمارے مجیب اور ان کی امثال کے طرز کی موافق تو اس تعارض کے رفع کرنے کی سہل صورت یہ تھی کہ جملہ **فهدانا الله له** جو نہایت اصح روایت منقولہ بخاری وغیرہ میں واقع ہے اس کو روایت مرسل منقولہ مصنف عبد الرزاق پر بے کھٹکے ترجیح دیجائے اگرچہ روایت ابن اسحٰق اس کی موید ہو مگر اس روایت کے مساوی ہونا معلوم، اور اس صورت میں بلا تامل احتمال اول راجح بلکہ ضروری التسلیم ہوگا جو مجیب کی رائے کے بالکل خلاف ہے مگر یہ طرز انہیں حضرات کا ہے کہ ذرا ذرا سے تفاوت پر حدیثوں کو لڑا بھڑا کر اپنا پیچھا چھڑا لیا اور اکابر پر سب وشتم شروع کر دیا بلکہ اس بحث میں تو یہ کمال کیا کہ حدیث ضعیف بھی ندارد اور باوجود اس کے فرضیت جمعہ قبل ہجرت کے انکار اور ابطال پر ایسے کمر بستہ ہیں کہ روایات صحیحہ معتبرہ کی بھی اصلا پرواہ نہیں کی جاتی مگر یہ مسلک چونکہ اکابر علماء کے نزدیک مذموم ہے اس لئے علامہ موصوف نے تعارض مذکور کے رفع فرمانے کی یہ صورت بیان فرمائی **فمرسل[1] ابن سيرين يدل على ان اولئك الصحابة اختاره يوم الجمعة بالاجتهاد ولا يمنع ذٰلك ان يكون النبى صلى الله عليه وسلم علمهٗ بالوحى وهو بمكة فلم يتمكن من اقامتها ثم فقد ورد فيه حديث عن ابن عباسؓ عند الدارقطنى ولذٰلك جمع بهم اول ما قدم المدينة كما حكاه ابن اسحٰق وغيره وعلٰى هٰذا فقد حصلت الهداية للجمعة بجهتى البيان والتوفيق** انتہٰی یعنی روایت ابن سیرین جو مرسل ہے اس امر پر دال ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے یوم جمعہ کو اپنے اجتہاد سے معین فرمایا سو یہ امر چونکہ احتمال اول کے خلاف ہے، چونکہ علامہ موصوف کے نزدیک راجح ہے تو اس لئے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مرسل ابن سیرین اس بات کو مانع نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اقامت جمعہ کا علم قبل ہجرت مکہ مکرمہ میں ہو چکا ہو اور آپ بوجہ ممانعت کفار اقامت جمعہ سے مکہ میں معذور رہے ہوں چنانچہ اسی بارے میں دارقطنی میں روایت ابن عباس منقول ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکم اقامت بذریعہ وحی آپ کو مکہ مکرمہ میں معلوم ہو چکا تھا اور آپ نے مصعب بن عمیر کو مدینہ منورہ میں اس کی نسبت تحریر فرمایا تھا اور یہ وہی احتمال اول ہے جس سے مجیب سخت گھبراتے ہیں اس کے بعد

---

[1] فتح الباری ج ۲ ص ۴۵۲، باب فرض الجمعۃ (مطبع مصر)

فرماتے ہیں کہ یہی وجہ تھی کہ آپ نے مدینہ منورہ میں جاتے ہی جمعہ ادا فرمایا یعنی جب وہ عذر جو کہ مکہ مکرمہ میں تھا جاتا رہا تو آپ نے جاتے ہی جو اول جمعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا اس میں نماز جمعہ ادا فرمائی یہ نہیں ہوا کہ نزول سورہ جمعہ تلک آپ نے جمعہ ادا نہ فرمایا ہو اور اس کے نزول کے بعد اقامت کی نوبت آئی ہو جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حکم اقامت جمعہ نزول سورۂ جمعہ سے پہلے نازل ہو چکا تھا اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس تطبیق وتوجیہ کے مطابق اس امت کو ہدایت جمعہ بیان اور توفیق دونوں جہتوں سے حاصل ہوگئی، بیان سے مراد نزول وحی اور توفیق سے مراد توفیق اجتہادی ہے **و الحمدللہ علیٰ ذٰلک** اب ہم مجیب لبیب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ آپ کی بدولت ہم کو تمام عبارت کی ہندی ہی نہیں بلکہ چندی بھی کرنی پڑی جس سے بحمد اللہ فراغت ہو چکے اب آپ خود انصاف وحیا کو بغل سے نکال کر ایمان سے فرمادیں کہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا اس میں سے کوئی جزو بھی حق ہے دیکھ لیجئے ان دونوں جہتوں، بیان اور توفیق سے آپ نے اپنے خیال میں احتمال اول کو ہمارے موافق اور احتمال ثانی کو اپنے مفید خیال فرمایا تھا اور اس پر یہ دعویٰ کیا تھا کہ اوثق العریٰ میں ان شارحین کی عبارت میں سے فقط احتمال اول کو جو ہمارے مدعی کے موافق تھا نقل فرمایا اور احتمال ثانی کو جو آپ کے مدعی کے مطابق تھا ترک فرمادیا حالانکہ وہی احتمال ثانی ان شارحین کے نزدیک راجح ہے اور اس پر آپ نے دھوکا دہی کا الزام قائم کیا تھا، سبحان اللہ ع

مگر موشی بخواب اندر شتر شد

خیر احتمال ثانی کا آپ کے مفید یا مضر ہونا انشاء اللہ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا اس وقت تو ہم کو فقط یہ دکھلانا ہے کہ ہمارے مجیب ایسی عبارات واضحہ کے سمجھنے سے بھی اس تبحر اور مہارت علمی پر قاصر ہیں اور پھر اس خوبی پر اکابر کی شان میں کلمات گستاخانہ فخر ومباہات کے ساتھ لکھنے کو موجود، اہل فہم تو علامہ ابن حجر کی عبارت جس کو ابھی عرض کر چکا ہوں دیکھ کر خود سمجھ گئے ہوں گے مگر ہم بعض حضرات کی خوش فہمی کے اندیشہ سے علامہ ابن حجر کے کلام کا خلاصہ عرض کئے دیتے ہیں، حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے یوم جمعہ کی ہدایت خاص ہم کو فرمائی اس کی شرح میں علامہ ابن حجر وغیرہ شراح تحریر فرماتے ہیں کہ اس میں دو احتمال ہیں اول تو یہ کہ ہدایت بذریعہ نزول وحی لیجائے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرات صحابہ نے اپنے مشورہ سے اور اجتہاد سے اس کو معین فرمایا اور اس احتمال ثانی کے لئے روایت عبدالرزاق بھی شاہد ہے مگر اس روایت سے فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ نے اپنے اجتہاد سے یوم جمعہ کو اختیار فرمایا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ پر اس بارے میں وحی نہیں آئی تھی بلکہ ہوسکتا ہے کہ

صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے بھی اسی دن کو معین فرمایا ہو اور نزول وحی سے بھی اس کی تعیین آپ کو معلوم ہو چکی ہو لیکن مکہ میں بوجہ موانع آپ اقامت جمعہ سے معذور رہے ہوں تو اب دونوں احتمالوں میں اصلاً تعارض نہ رہا، پھر اس کی تائید میں دو امر ارشاد فرماتے ہیں ایک یہ کہ روایت ابن عباسؓ جس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے یعنی مکہ مکرمہ سے آپ نے مصعب بن عمیر کو مدینہ منورہ میں دربارۂ اقامت جمعہ تحریر فرما کر بھیجا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکم اقامت جمعہ قبل از ہجرت بذریعہ وحی آپ کو ہو چکا تھا دوسری یہ کہ آپ نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی پہلا جمعہ ادا فرمایا جیسا کہ ابن اسحٰق وغیرہ نے روایت کیا ہے جس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کو حکم جمعہ پہلے معلوم ہو چکا تھا جب ان دونوں روایتوں سے جمعہ کا قبل ہجرت معین ہو جانا معلوم ہو گیا تو اس کے تسلیم میں اب کیا تامل ہو سکتا ہے، باقی رہی روایت ابن سیرین جس کو مصنف عبدالرزاق میں نقل کیا ہے اس میں اور روایت دار قطنی وغیرہ میں کچھ تعارض ہی نہیں کما مر، تو اب بلا تامل یہ امر محقق ہو گیا کہ یوم جمعہ کی ہدایت اس امت کو بذریعہ نزول وحی اور نیز بطریق اجتہاد نصیب ہوئی **و الحمد للہ ثم الحمد للہ** اول حمد ہدایت جمعہ پر اور دوسرے حمد عبارات شراح مثل آپ کے غلط نہ سمجھنے پر ہے، اب ہم مجیب صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ تو عبارت شراح کا یہ مطلب فرماتے تھے کہ احتمال ثانی یعنی اقامت جمعہ بالاجتہاد ان کے نزدیک راجح ہے حالانکہ وہ حضرات ان دونوں احتمالوں میں سرے سے تعارض ہی نہیں مانتے صاف تطبیق بیان فرماتے ہیں اور طرح طرح سے احتمال اول یعنی اقامت بذریعہ نزول وحی کو تقویت پہنچا رہے ہیں بوقت ذکر اول اس کا ذکر کیا پھر تطبیق بیان فرمائی بعدہ روایت دار قطنی اور روایت ابن اسحٰق وغیرہ سے اس کی تائید کی، آخر میں ہر دو جہت، بیان و توفیق کی تصریح فرما دی اور آپ بھی اس تطبیق کو تسلیم فرما چکے ہیں کما مر، ہم کیا جو دیکھے گا مجیب کے اس عکس فہمی پر بیشک متحیر و متعجب ہوگا، بقول شخصے عین فاء زبر عف غین فا زبر غف میرا نام محمد یوسف، مجیب فہیم نے اول تو خود بخود یہ خیال جما لیا کہ احتمال ثانی ان کو مفید اور ہم کو مضر ہے **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** اس کے بعد شارحین موصوفین کے کلام میں جملہ **ویشھد للثانی ما رواہ عبد الرزاق** تقدیر سے نظر پڑ گیا پھر کیا تھا فرطِ خوشی سے جامہ سے باہر ہو گئے عبارت جو پیش نظر تھی اس کے سمجھنے کی بھی مہلت نہ ملی استغفر اللہ، واقعی آدمی نہایت کم حوصلہ ہے یاس کے بعد جو کامیابی کی صورت نظر پڑتی ہے تو کچھ نہ پوچھئے عجب حالت ہو جاتی ہے **انا ربك و انت عبدی**[1] کہنے کو موجود ہو جاتا ہے، البتہ اس امر میں اتنی زیادتی اور ہو گئی کہ ہمارے مجیب کو اس یاس وضیق کے بعد جو

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح عن انس رواہ مسلم۔ باب الاستغفار والتوبۃ ص ۲۰۳ (رشیدیہ دہلی)

مضمون سابق میں پیش آئے تھے جوکوئی لفظ موافق نظر آیا تو نا کامی اور کامیابی میں بھی فرق نہیں کر سکے اگر وہ عبارت مذکورہ کو بادنی تامل بھی ملاحظہ فرماتے تو معلوم کر لیتے کہ اس میں کوئی امر بھی ان کے اشک شوئی کا موجب نہیں ہوسکتا، اگر مجیب سلّمہٗ انصاف فرمائیں تو بے شک ہمارے ممنون ہوں، ہم نے تفصیل کے ساتھ تمام عبارت شراح کا مضمون ایسی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا کہ ہر ایک استاد شفیق[۲] بھی ذرا سی بات کے لئے اتنی دردسری گوارا نہیں کرتا ہم کو اس طول کی ان کے جواب دہی کے لئے ہرگز ضرورت نہ تھی، ہم کو بار بار ہنسی آتی ہے کہ پھر اس خوبی پر مجیب **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** کو پیش فرماتے ہیں، جی صاحب جو احمق سے احمق بھی اس جملہ کو سنے ہوئے ہوگا وہ ضرور سمجھتا ہوگا کہ اس جملہ میں احتمال سے مراد وہ احتمال ہے جو مستدل کی مدعی کے مخالف ہو مطلق احتمال مجنوں بھی مراد نہ لے گا، سو عبارت شراح میں اگر احتمال ثانی ہمارے مدعی کو مضر ہوتا تو اس کے پیش فرمانے کا مضائقہ نہ تھا وہ تو دونوں احتمال مطابق یک دگر ہیں جن کی مطابقت کو خود شراح بالتصریح بیان فرما رہے ہیں ہو نہ ہو ہمارے مجیب نے بمقتضائے ظاہر پرستی جملہ مذکور میں لفظ احتمال کو مطلق دیکھ کر یہ سمجھ لیا ہے کہ جس عبارت میں چند احتمال ہوں خواہ موافق خواہ مخالف، اس سے استدلال کرنا باطل ہے سبحان اللہ کیا اجتہاد ہے: ؎ شعر

دعوئے اجتہاد اور یہ فہم مجتہد صاحبوں کے کیا کہنے

[۲] یہ اشارہ ہے کہ حضرت مولانا محمد حسن صاحب ماشاء اللہ مجیب صاحب کے استاد بھی ہیں۔

ہم سخت متحیر ہیں کہ اس فہم وانصاف پر یہ اولوا العزمی کہ علماء راسخین کی تحقیقات کو دھوکہ دہی کہنے کو موجود اور ان کے کلام کی تردید کو تیار، یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ دیکھئے بحث سابق میں جیسی خلاف فہم وانصاف باتیں بیان کی گئی تھیں اس سے بڑھ کر اس بحث میں موجود ہیں بقول شخصے ع

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

غالباً فرق ہوگا تو یہ ہوگا کہ اس میں بے انصافی غالب تھی اس میں کم فہمی غالب ہے، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اقوال علماء اور روایات معتبرہ کا بے وجہ انکار کیا جاتا تھا اور اس کا منشاء یہ ہے کہ عبارات صریحہ کا مطلب الٹا سمجھا جا رہا ہے، ہم بہت غور کرتے ہیں مگر عبارت مذکورہ اور ہمارے مجیب سلّمہٗ کے مطلب میں سوائے تناسب تضاد اور کوئی علاقہ سمجھ میں نہیں آتا اگر ہمارے مجیب کو اب بھی کسی قسم کا تامل باقی ہو اور ہمارے معروضات کو تسلیم کرنا دشوار ہو تو جناب حجۃ السلف والخلف اور مجتہد مطلق ہر دو حضرات کو ہم اپنا حکم مقرر کرنے پر راضی ہیں، دیکھو عبارات مذکورہ شراح کا یہ حضرات کیا مطلب ارشاد فرماتے ہیں ؎ شعر

اس حال کو پہنچے ہیں ترے جور سے اب ہم راضی ہیں جو اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

الحمد للہ حضرت مجیب کی خوش فہمی جس کو عرض کرنا منظور تھا خوب ظاہر ہوگئی بلکہ تبرعاً ہم نے مطلب صحیح جو عبارات کا تھا وہ بھی عرض کر دیا اب امر واقعی اور مقصد اصلی سنئے، عبارت کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مجیب لبیب کے دل میں یہ خیال پختہ ہو رہا ہے کہ امر اول یعنی اقامت جمعہ بذریعہ نزول وحی تو ہم کو مفید ہے اور امر ثانی یعنی اقامت جمعہ بذریعہ اجتہاد مجیب کے مفید مطلب ہے اور یہی خیال ہمارے مجیب کو عبارات مذکورہ کی مٹی خراب کرنے کا باعث ہوا ہے، حالانکہ یہ ان کا خیال بالکل لغو اور بے اصل ہے وہ اگر اس مضمون کے سمجھنے سے قاصر تھے تو عبارت اوثق العریٰ کو ذرا تامل سے ملاحظہ فرمالیتے، اس میں کچھ گناہ نہ تھا اوثق العریٰ میں دونوں احتمالوں کو تسلیم فرمالیا گیا ہے کسی احتمال کی تغلیط نہیں کی گئی اور ہم بھی شروع میں اس امر کو مصرح عرض کر چکے ہیں کہ ان دونوں احتمالوں میں جونسا احتمال آپ کا دل چاہے اختیار فرمالیجئے گا، ہمارا مدعا بحمد اللہ ہر طرح سے حاصل ہے۔

دیکھئے روایات معتبرہ سے جیسا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کو اس بارے میں مشورہ اور اجتہاد کی نوبت آئی ایسا ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے امر اقامت جمعہ تحریر فرما کر بھیجا جس کی وجہ سے دونوں امر ضروری التسلیم والتطبیق ہیں، ہاں! اب اس میں دو احتمال نکل سکتے ہیں ایک یہ کہ حضرات صحابہ نے اپنے اجتہاد اور مشورہ کے بعد آپ سے استجازہ اور استفسار کیا ہو اور آپ نے حسب ارشاد وحی ان کے اجتہاد کو تسلیم فرما کر اجازت اور امر اقامت جمعہ لکھ بھیجا ہو اور اس اجتہاد واستفسار واجازت وارشاد سب کے بعد نماز جمعہ قائم کی گئی ہو کسی نے کسی امر کو اور کسی نے کسی بات کو روایت کر دیا چنانچہ اس کے نظائر حدیث میں بکثرت ملیں گے، اور اس صورت میں کسی قسم کا اشکال یا استبعاد لازم نہیں آتا اور بحوالہ عبارت علماء اس تطبیق کو ہم مفصلاً سابق میں عرض کر چکے ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرات صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نے بعد مشورہ واجتہاد جمعہ قائم فرمالیا ہو اور اس کے بعد حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں تحریر فرمانے کی نوبت آئی ہو مگر ظاہر ہے یہ تمام امور قبل نزول سورہ جمعہ بلکہ قبل ہجرت وتشریف آوری قبا طے ہو چکے تھے، اس لئے ہم بہت مسرت کے ساتھ ہر ایک احتمال کے تسلیم کرنے کو موجود اور **لك الخيار** عرض کرنے کو آمادہ ہیں البتہ فقط اتنی بات پختگی اور زور سے عرض کرتے ہیں کہ اجتہاد صحابہ اور ارشاد نبوی دونوں ہجرت سے پہلے اس بارے میں محقق ہو چکے تھے یعنی ارشاد نبوی بنام مصعب ابن عمیر میں اتنی گنجائش ہے کہ اس کو اقامت جمعہ سے مقدم مانو یا موخر مگر یہ گنجائش ہرگز نہیں کہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عقل کا پورا ہجرت سے موخر کہنے کو تیار ہو جائے اور ہمارا مدعا فقط یہی تھا کہ جمعہ قبل ہجرت اور نزول قبا فرض ہو چکا تھا جو دونوں صورتوں میں

بحمد اللہ حاصل ہے تو اب مجیب کا یہ خیال کہ احتمال ثانی ہم کو مضر ہے بالکل غلط ہے، اگر اوثق العریٰ کی عبارت کو ملاحظہ فرما لیتے تو نہ خود اس طول میں پڑ کر اپنی خوش فہمی ظاہر کرتے اور نہ ہم کو اس طول میں مبتلا ہونا پڑتا، اس کے بعد بمقتضائے خیر اندیشی مجیب کی خدمت میں اتنا امر قابل عرض اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو معلوم ہو گیا کہ احتمال ثانی یعنی اقامت جمعہ بالاجتہاد ہمارے مدعی میں کسی طرح خلل انداز نہیں بلکہ مثل احتمال اول بالکل مطابق اور موافق ہے مگر دو وجہ سے خود ہمارے مجیب کی مسلک کے مخالف ہے اول تو دیکھئے وہ اجتہاد و قیاس کہ جس کی ابطال و تضعیف میں کیا کیا کچھ عرق ریزی فرمائی جاتی تھی اس کی شان کہاں سے کہاں پہنچ گئی کہ ایک نماز مستقل اس کی وجہ سے مقرر فرما کر حضرات اصحاب نے عمل در آمد بلا استفسار نبی علیہ السلام بے کھٹکے شروع فرما دیا اور حضرت سید المرسلین نے اس کے بارے میں **فهدانا الله له** ارشاد فرما کر کسی درجہ اس قیاس و اجتہاد کی تحسین و توثیق ظاہر فرما دی، دوسرے حجۃ السلف والخلف اور قاضی صاحب اور نواب صاحب وغیرہ زمانہ نزول وحی میں بلا استفسار رسول علیہ السلام کسی امر کو اپنی رائے سے کرنے کو خلاف عادت اصحاب بالتصریح تحریر فرما رہے ہیں کما مر مفصلاً، اب آپ اپنے گھر کی فکر کر لیں، اور ہماری طرف سے مطمئن رہیں ہم کو بحمد اللہ کسی احتمال کے تسلیم سے انکار نہیں، ہاں خوب یاد آیا احتمال ثانی جو دو وجہ سے آپ کے مسلک کے خلاف ہوتا ہے، اس میں اتنی بات اور بھی تسلیم کرنی ضروری ہے کہ جب صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد اور رائے سے جمعہ ادا فرما لیا تو یہ ضروری ہے کہ ظہر بھی انہوں نے بے شک ادا کیا ہوگا، اور بعد ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بنام مصعب بن عمیر صادر ہوا تھا صلوٰۃ جمعہ کو مسقط ظہر ٹھہرایا گیا کیونکہ ادنیٰ عاقل بھی تجویز نہیں کر سکتا کہ فرضیت اربع رکعات ظہر جو قطعی اور منصوص تھی اس کو صحابہ کرام نے اپنی رائے سے منسوخ فرما دیا ہو تمام موافقین و مخالفین کے اقوال ملاحظہ فرما لیجئے قیاس و اجتہاد کو کوئی بھی اہل حق میں سے رافع للحکم القطعی نہیں کہہ سکتا جو حضرات قیاس فقہی کو حجۃ شرعیہ فرماتے ہیں وہ بھی قیاس کو مقابلہ نصوص میں قابل عمل نہیں سمجھتے اور جو حضرات کہ قیاس مذکور کو دلیل شرعی نہیں سمجھتے وہ تو کیونکر ایسی بات کے قائل ہو سکتے ہیں اور امور قطعیہ کا تو ذکر کیا ہے خبر واحد کے مقابلہ میں بھی قیاس کالعدم سمجھا جاتا ہے بلکہ کتب میں یہ امر مشہور ہے کہ نص کے خلاف و وفاق دونوں صورتوں میں قیاس و اجتہاد غیر مقبول و غیر معتبر ہے ان صاحبوں کے مقابلہ میں ہم کو قیاس کے بارے میں اس قدر عرض کرنے کی اصلا حاجت نہیں فقط اس خیال سے ہم بار بار عرض کرتے ہیں کہ ہم ان حضرات کی تالیفات میں عجیب خربطہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک امر کو بہت شد و مد سے باطل فرماتے ہیں اور جب اپنی کوئی مصلحت داعی ہوتی ہے تو اسی کو بلا تامل بہت مستعدی سے تسلیم فرمانے میں کچھ بھی تامل نہیں ہوتا تو

ان حضرات سے کچھ مستبعد نہیں کہ کسی بے اصل خیال کی وجہ سے یہی فرمانے لگیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد اور قیاس سے اربعہ رکعات ظہر کو جن کا ثبوت نصوص قطعیہ سے ہو چکا تھا ترک فرما کر جمعہ کو اس کے قائم مقام کر دیا ہوگا مگر یہ امر ایسا بدیہی البطلان ہے کہ اول سے لیکر اخر تک کوئی بھی اہل حق میں سے اس کو تسلیم نہیں کر سکتا بلکہ بعض حضرات نے جو اول من قاس ابلیس تحریر فرمایا ہے، وہ یہی قیاس ہے کہ بمقابلہ نصوص معتبر مانا جائے، اور اس کی وجہ سے حکم شرعی کو ساقط اور زائل کر دیا جائے دیکھئے امام فخر الاسلام اصول میں تحریر فرماتے ہیں وقال[1] **اصحاب الظواهر من اهل الحديث وغيرهم ان القياس ليس بحجة والعمل به باطل وهو قول داؤد الاصبهاني وغيره** ادھر اس امر کو سب تسلیم فرماتے ہیں کہ اخبار احاد بھی امور قطعیہ کے لئے ناسخ نہیں ہوسکتیں چہ جائیکہ قیاس، علاوہ ازیں جن صاحبوں نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رائے اور اجتہاد کو تسلیم فرمایا ہے اور یہی مذہب راجح ہے تو وہ خود اس امر کی تصریح فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا اجتہاد واجب الاطاعت ہے مگر فی نفسہٖ امر قطعی نہیں اور درصورت خطا بذریعہ نزول وحی اس کی اصلاح ضرور ہو جاتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اور مجتہدین خطا پر قائم رہ سکتے ہیں مگر اجتہاد نبی علیہ السلام میں اگر کسی قسم کا تفاوت ہوتا ہے تو اس پر تنبیہ ضرور ہو جاتی ہے اور اجتہاد نبی کے بعد تنبیہ نہ ہونے سے اس کی قطعیۃ ثابت ہو جاتی ہے گو فی حد ذاتہٖ قطعی نہ تھا امام فخر الاسلام وغیرہ کی عبارتوں میں یہ مضمون صاف موجود ہے **فاذا[2] اقرّه الله تعالىٰ علىٰ ذلك دل علىٰ انه مصيب بتيقن** تو بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیے کہ اہل ظاہر تو قیاس و اجتہاد کو سرے سے باطل اور غیر قابل للعمل فرما رہے ہیں، اب اگر یہ مذہب لیا بھی جائے تو بیوقوف سے بیوقوف بھی اجتہاد و قیاس کو کسی امر کے لئے ناسخ اور رافع نہیں کہہ سکتا بالخصوص امور قطعیہ کے لئے جیسے صلوٰۃ ظہر کہ نص قرآنی سے ثابت ہے اور ظہر کی چار رکعتیں جو سماع اور تواتر سے ثابت ہو چکی تھیں اور جو حضرات قیاس و اجتہاد کو دلیل شرعی فرماتے ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اخبار احاد امور قطعیہ کے لئے رافع اور ناسخ نہیں ہوتیں تو ان سے یہ امر کیونکر متصور ہو سکتا ہے کہ قیاس و اجتہاد کو جو کہ ان کے نزدیک خبر واحد کے لئے بھی ناسخ نہیں ہو سکتا امور قطعیہ کے لئے رافع اور مزیل تسلیم کر لیں ان سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ جب اجتہاد حضرت رسالت پناہ درصورت معارضہ نص ساقط اور غیر معمول ہو جاتا ہے (کیونکہ اجتہاد نبوی میں

---

[1] کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام الجزء الثالث دار الکتب العربی بیروت ص ۴۹۴

[2] کشف الاسرار میں عبارت کے الفاظ یہ ہیں: **ان الله تعالىٰ كلفنا العمل بالقياس بطريق وضعه على مثال العمل بالبينات فجعل الاصول شهودًا فهي شهود الله ، كشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی** الجزء الثالث ص ۴۹۲، باب القیاس (دار الکتب العربی بیروت)

فی نفسہ دوسری جانب کا بھی احتمال ہے اور وحی میں یہ احتمال اصلاً نہیں ہوسکتا) تو اب کسی صحابی یا مجتہد وغیرہ کی رائے واجتہاد سے حکم قطعی کو ساقط اور غیر معمول بنا دینا کون عاقل یا بیوقوف تجویز کرسکتا ہے یہ امر نمونہ قدرت الٰہی ہے کہ جن صاحبوں کے منہ میں اول من قاس ابلیس سن کر پانی بھر آتا تھا اب قیاس واجتہاد کو امور قطعیہ کے لئے ناسخ ورافع فرمانے پر غش ہونے کو آمادہ معلوم ہوتے ہیں، سچ ہے: ؎

آنچہ شیران راکند روبہ مزاج   احتیاج است احتیاج است احتیاج

اب ہمارے مجیب سلّمہٗ کو اگر اس بارے میں کچھ فرمانا منظور ہو تو ذرا سوچ سمجھ کر فرمائیں گستاخانہ بلا وجہ بدفہمی پر کمر باندھ کر اکابر کی شان میں الفاظ نالائم تحریر کرنا علم وحیا دونوں سے بعید ہے مگر آپ کو اس قسم کے الفاظ کے کہنے اور سننے کی عادت ہے اس لئے آپ تو شاید یہی کہیں کہ ہم نے کونسا کلمہ ایسا لکھا ہے جنابِ من واقعی بات یہ ہے کہ آپ کو آپ کے فہم وعقل نے سخت دھوکا دے رکھا ہے اور اس پر معروضات سابقہ شہود عدل موجود ہیں اور کسی نے خدانخواستہ آپ کو دھوکا نہیں دیا بلکہ آپ کو سچا مضمون سمجھایا ہے مگر کجی کا کیا علاج؟ خیر آپ کا جو جی چاہے سو کریں ہمارا کوئی نقصان نہیں، آپ بے انصافی اور کج فہمی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرمائیں، مگر خدا کے لئے اپنے نفس پر رحم فرما کر یا ہم پر عنایت فرما کر اکابر کی شان میں کلمات گستاخانہ سے اجتناب فرمائیں آپ نے غالباً سنا ہوگا ؎ شعر

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

اور اگر بمقتضائے عادت اس سے احتراز دشوار ہو تو ہم حاضر ہیں مگر غالباً آپ اس پر قناعت نہ فرمائیں گے سو یہ یاد رہے کہ اس کا علاج یہی ہے کہ کوئی بے باک حجۃ السلف وغیرہ آپ کے جملہ اکابر کو جو چاہے گا کہہ سکتا ہے مگر معلوم نہیں کہ آپ کو ان کا سب وشتم بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟ کچھ عجب نہیں جو لطائف الحیل سے ان کو بھی برا کہلانا کسی وجہ سے منظور ہو استغفر اللہ، ہر سہ شراح مذکورین کی عبارت کے نسبت علامہ بنارسی تو اپنی سعی ختم فرما چکے جس کا جواب بالتفصیل معروض ہو چکا اب مولانا ابوالمکارم کی سنئے کہ انہوں نے تمام عبارت کو چھوڑ کر فقط جملہ اخیرہ یعنی **ولذٰلك جمع لهم اول ما قدم المدينة كما ذكره ابن اسحق وغيره** کے جواب میں اتنا فرمایا کہ یہ قول[1] آپ کے مخالف ہے اس واسطے کہ اس قول میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے جس کو آپ نے صفحہ ۱۴ میں نقل فرما کر جواب دیا ہے انتہی، اس چیستان کا مطلب یہ ہے کہ ابن اسحٰق وغیرہ اہل مغازی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ قبا میں پیر کے روز رونق افروز ہوئے اور پانچویں روز جمعہ کو قبا سے مدینہ منورہ کو تشریف لے گئے اور بیچ میں محلّہ بنی

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۲

سالم میں نماز جمعہ ادا فرمائی اور بخاری شریف کی روایت میں صاف موجود ہے کہ آپ نے قبا میں چودہ روز قیام فرمایا تو اب بنی سالم میں جمعہ کے ادا کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے اوثق العریٰ میں روایت بخاری یعنی چودہ روز کے قیام کو مسلم اور راجح فرمایا ہے تو اب مولوی ابوالمکارم صاحب فرماتے ہیں کہ[1] جملہ مذکورہ میں جو اول قدوم مدینہ میں جمعہ کا ذکر ہے اس سے وہی بنی سالم میں جمعہ ادا فرمانا مراد ہے جو روایت بخاری کی مخالف ہے اوثق العریٰ میں چونکہ روایت بخاری یعنی قیام چودہ یوم کو راجح فرمایا ہے تو اب سرے سے بنی سالم میں جمعہ پڑھنا ہی آپ کا صحیح اور مسلم نہ رہا پھر بنی سالم میں اول قدوم میں جمعہ ادا فرمانے سے ہم پر کیوں کر حجت قائم ہوسکتی ہے۔

جواب

سو اس کے جواب میں اول تو ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ کیا عجب بات ہے کہ مولانا موصوف ان شراح کی تمام عبارت کو پس پشت ڈال کر فقط ایک جملہ میں ادھوری بات فرما کر بالکل سبکدوش ہوگئے، دیکھئے عبارت شراح جو اوثق العریٰ میں منقول ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو بذریعہ نص حکم جمعہ کی ہدایت فرمائی اور اس بارے میں ہم کو مثل امم سابقہ کے ہمارے اجتہاد پر نہ چھوڑ دیا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ آپ کو اسی حکم کی مکہ مکرمہ میں بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی ہو لیکن آپ خود وہاں اقامت نہ کرسکے اور اس احتمال کی دلیل روایت دارقطنی ہے اور دوسرا قرینہ اس احتمال کی مؤید یہ امر ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی جمعہ قائم فرمایا جیسا کہ ابن اسحٰق وغیرہ کی روایت سے ثابت ہے، اس عبارت سے خوب ظاہر ہوگیا کہ ان شراح کے نزدیک یہی امر مسلم ہے کہ حکم جمعہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوچکا تھا، مجیب نے اصل امر کو چھوڑ کر فقط یہ مواخذہ کیا کہ جملہ اخیرہ آپ کے مخالف ہے جیسا کہ ابھی معروض ہوا نہ اس امر کا جواب دیا کہ یہ شراح ہمارے موافق فرمارہے ہیں نہ روایت دارقطنی کا لحاظ فرمایا اصل امر سے اس قدر اعراض فرمانا اور غیر ضروری امر میں ایک خلاف جزئی کو پیش فرما کر جواب کافی سمجھ کر دل خوش کرلینا کون سے انصاف کی بات ہے شاید اسی وجہ سے ہمارے مجیب کا لقب معترض قرار پایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ملا معترض ایسے ہی ادھورے ناقص اعتراض کیا کرتے ہیں اور ہمارے فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ معترض میں سے ''ت'' نکال دی جائے تو انشاء اللہ ہمارے مجیب پورے اسم بامسمّٰی ہوجائیں، ہر فہیم بالبداہۃ جانتا ہے کہ جو عبارت مقصود مدعی پر دال ہو گو کسی دوسرے امر میں مخالف بھی ہو مگر اس سے مقصود مدعی پر استدلال لانا صحیح ہوتا ہے، احناف و شوافع حدیث ابومحذورہ کو اپنے استدلال میں پیش فرماتے ہیں شوافع اذان میں اور

[1] ہمارے پیش نظر نسخہ میں یہ عبارت نہیں ہے۔

احناف اقامت میں، ہمارے مجیب کے قاعدہ کے موافق دونوں استدلال غلط ہوں گے حدیث[1] **اذا رکع فارکعوا و اذا سجد فاسجدوا** سے تمام مؤلفین ارکان صلوٰۃ میں اتباع امام مقتدی پر ثابت فرماتے ہیں حالانکہ جملہ[2] **واذا صلی جالسًا فصلوا جلوساً اجمعین** جو اسی روایت کے اخیر میں موجود ہے سب کے مخالف ہے اور اس کی نظیریں بہت کثرت سے موجود ہیں ہمارے مجیب کے قاعدہ کے موافق یہ سب استدلالات ہباءً منثوراً ہوگئے، دیکھئے اگر عبارت مذکورہ میں سے جملہ اخیرہ نکال دیا جائے تو ہمارے مدعی میں کسی قسم کا سقم لازم نہیں آتا کما ہو ظاہر، جب اس فقرہ پر ہمارا ثبوت مدعی موقوف نہیں بلکہ کلام سابق بالاستقلال کافی ہے تو فقرہ مذکورہ کے کسی دوسرے امر میں مخالف ہونے سے ہمارے استدلال کو غلط سمجھنا کیسی صریح غلطی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس دلیل سے خصم پر الزام قائم کیا جاتا ہے اس کی صحت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مستدل کے مذہب کے موافق ہی ہو بلکہ اس کا عندالخصم مسلم ہونا کافی سمجھا جاتا ہے اور یہ امر ایسا بدیہی ہے کہ بے انصاف بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا اس لئے اس عبارت سے مجیب پر الزام قائم ہونے میں تو کوئی تامل ہو ہی نہیں سکتا تو اب ان کو اس کا جواب دینا ضروری ہے ہمارے کسی امر میں مخالف ہونے سے ان کے الزام میں تخفیف بھی نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ مجیب موصوف ہمارے استدلال سے بالکل بری الذمہ ہوبیٹھیں، تیسری بات یہ ہے کہ اوثق العریٰ میں بوجہ تعارض روایت بخاری قبا میں چار روز کے قیام کی روایت کو مرجوح ٹھہرا ہے، لیکن اگر کوئی صاحب اسی روایت کو خلاف قاعدہ روایت بخاری پر ترجیح دینا چاہیں تو ہمارا اصل مدعی یعنی عدم اقامت جمعہ فی القریٰ پھر بھی ثابت ہے، اس کا ثبوت اس پر موقوف نہیں کہ قبا میں چودہ روز کا قیام تسلیم کیا جائے چنانچہ اوثق العریٰ کی عبارت سے یہ مضمون خود ظاہر ہے اور ہم بھی انشاء اللہ آگے چل کر اس کو مفصلاً عرض کردیں گے جب روایت اہل مغازی یعنی قیام چار روز کی روایت ہم کو مضر نہیں بلکہ اس کے تسلیم کی صورت میں بھی ہمارا مدعی بعینہٖ محقق ہے تو اب اگر ہم اس جملہ اخیرہ کو کہ جس کو ہمارے مجیب ہمارے مخالف بیان فرما کر اپنا پیچھا

---

[1] عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکب فرسًا فصرع عنه فجحش شقة الايمن فصلى صلاة من الصلوات وهو قاعد فصلينا ورائه قعودًا فلما انصرف قال انما جعل الامام ليؤتم به فاذا صلّى قائمًا فصلوا قيامًا واذا ركع فاركعوا وارا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد واذا صلى جالسا فصلوا جلوسًا اجمعون ، قال الحميدى قوله اذا صلى جالسا فصلوا جلوسا وهو فى مرضه القديم ، ثم صلّى بعد ذلك النبى صلى اللہ علیہ وسلم جالساً والناس خلفه قيام لم يأمرهم بالقعود وانما يوخذ بالأخر فالأخر من فعل النبى صلى اللہ علیہ وسلم هذا لفظ البخارى واتفق مسلم الٰى اجمعون ، وزاد فى رواية فلا تختلفوا عليه واذا سجد فاسجدوا . مرقاۃ المفاتیح ج۳،ص۹۴-۹۵ (المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)

[2] مرقاۃ المفاتیح ج۳،ص۹۵ (المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)

چھڑانا چاہتے ہیں تسلیم بھی کرلیں تو ہم کو کوئی مضرت نہیں ہوسکتی اور اب مجیب کے خیال بے اصل کے موافق بھی یہ جملہ بیان کردہ شراح موصوفین ان پر حجۃ ہوگا بالجملہ استدلال مذکورہ ہر طرح سے ہم کو مفید اور مجیب اور ان کے امثال کے ذمہ اس کی جواب دہی لازم ہے مگر مجیب اول نے تو اس جملہ کی نسبت اشارۃً یا صراحۃً کچھ فرمایا ہی نہ تھا، مجیب ثانی نے تمام عبارت کو نظر انداز فرما کر جو صرف اسی ایک جملہ کی جوابدہی کی طرف توجہ فرمائی تھی تو ایسی بے اصل ادھورے خلاف قاعدہ اہل عقل ونقل بات بیان فرمائی کہ ہر فہیم متعجب ہوگا۔

اعتراض مجیب بنارسی

اس مبحث سے فراغت پا کر علامہ بنارسی تحریر فرماتے ہیں اور اس[1] کے بعد جو آپ نے ابوداؤد کی روایت نقل کی ہے وہ ہمارے مدعی کی تائید کرتی ہے یعنی احتمال ثانی کی جیسا کہ عبارت قسطلانی سے معلوم ہوا اور اس سے جمعہ کا گاؤں میں پڑھنا ثابت ہوا، انشاء اللہ اس کی تحقیق آئندہ آئے گی۔ انتہی

جواب

اقول: اس روایت ابوداؤد سے وہی کعب ابن مالک کی روایت مراد ہے جس میں اسعد بن زرارہ کا قصہ منقول ہے اور اوپر چند بار اس کا ذکر آچکا ہے اور اس کو اوثق العریٰ میں اپنا مستدل بنایا ہے کما مر، اس کے جواب میں ہمارے مجیب دو امر بیان فرماتے ہیں اول یہ کہ وہ ہمارے یعنی مجیب کے لئے موید ہے کیونکہ اس سے احتمال ثانی یعنی اقامت جمعہ بحسب اجتہاد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مفہوم ہوتا ہے جیسا کہ عبارت قسطلانی یعنی ان کے **وله شاهد باسناد حسن عند ابی داؤد** فرمانے سے معلوم ہوا مگر اس امر کا سیدھا جواب تو وہی ہے کہ ہماری تقریر بالا میں مذکور ہو چکا ہم بوضاحت اس امر کو عرض کر چکے ہیں کہ احتمال اول وثانی میں خود شراح توفیق وتطبیق کے قائل ہیں اور اس توفیق کو مکرر ہم مفصلاً بحوالہ اکابر نقل کر چکے ہیں اور ہر منصف فہیم اس تطبیق کو بلا تامل تسلیم کرے گا اور نیز یہ امر بھی ہم نے مدلل ومفصل ثابت کر دیا ہے کہ دونوں احتمالوں میں سے جونسا احتمال پسند خاطر ہو بلا تردد اس کو معین فرمالیجئے ہمارے ثبوت مدعی کیلئے کوئی مضر نہیں کما مر، پھر ہم کو تعجب آتا ہے کہ روایت ابوداؤد بقول آپ کے موید احتمال ثانی ہی سہی لیکن جب احتمال ثانی ہی ہمارے مدعی کو مضر نہیں بلکہ مثل احتمال اول موافق مدعی ہے تو پھر روایت مذکورہ جو بقول آپ کے موید احتمال ثانی کے ہی کونسی صورت سے ہمارے مدعی میں خلل انداز

---

[1] کسر العریٰ ص ۵

ہوسکتی ہے اور کس وجہ سے؟ روایت مذکورہ کا ہمارا مستدل بننا غلط ہوگیا؟ فی الحقیقت یہ وہی دھوکا ہے جو مجیب کے دل میں ایک وجہ بے اصل سے جم رہا ہے اور ہم پورے طور سے ان کو تشریح عبارت شراح بخاری میں متنبہ کر چکے ہیں اور پھر بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ تعارض احتمالین کو بالکل دل سے نکال ڈالئے اور عبارت شراح اور عبارت اوثق العریٰ کو اور جو کچھ اس کی تشریح ہم نے عرض کی ہے بانصاف ملاحظہ فرمایئے انشاء اللہ یہ خیال خود آپ کو خام معلوم ہوگا یہ جواب اس حالت میں ہے کہ ہم آپ کے فرمانے کو بجنسہٖ منظور کرلیں ورنہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ روایت کعب بن مالک میں کونسا لفظ ہے جس سے احتمال ثانی یعنی اقامت جمعہ بالا جتہاد سمجھ میں آتا ہے، روایت مذکورہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اسعد بن زرارہ نے اول جمعہ قبل ہجرت ہم کو پڑھایا اس میں اجتہاد کی تصریح کا اشارہ بھی موجود نہیں اور علامہ ابن حجر اور علامہ قسطلانی جو اس روایت کو مرسل ابن سیرین کے لئے شاہد فرماتے ہیں اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ دونوں روایتوں میں قصہ واحد یعنی اسعد بن زرارہ کا قبل ہجرت جمعہ کی اقامت فرمانا مذکور ہے جو سب کو مسلم ہے باقی رہا اجتہاد کا قصہ وہ فقط مرسل ابن سیرین میں مذکور ہے روایت کعب بن مالک میں اس کا پتہ بھی نہیں یہ جدا قصہ ہے کہ بوجہ وحدت قصہ روایت کعب بن مالک کو مجمل کہہ کر روایت مفصلہ ابن سیرین پر حمل کرلیا جائے ہم کو اس کے تسلیم میں کوئی تامل نہیں مگر یہ سب امور اہل انصاف کے مناسب حال ہیں آپ تو اپنے جوش میں روایات حدیث اور تصریحات علمائے معتبرین کی بھی نہیں سنتے کما مرو سیجیٔ۔ پھر آپ کا ایسے احتمالات خفیہ سے ہم پر استدلال قائم فرمانا آپ ہی فرمائیں کہ کیسی بے انصافی ہے، یہ تو جگر گوشہ خاتم النبیین علیہما الصلوٰۃ والتسلیم کو بلا محابا قتل کرنا اور مچھر کو مار کر مسئلہ پوچھتے پھرنا ہے جو جواب دینے کے کسی طرح بھی لائق نہیں جیسا کہ اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی ہے **انظروا الیٰ ھٰذا یسأل عن دم البعوض وقد قتلوا ابن[1] رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** ایسا ہی آپ کے جواب میں اتنا ہی کہہ دینا کافی تھا کہ ہمارے مجیب کو دیکھئے کہ تمام روایات اور تصریحات علماء کو بلاء دلیل ترک فرماتے ہیں اور جملہ **ولہ شاھد** جو بعض شراح نے فرمایا ہے اس پر اس قدر خواہ مخواہ زور دے رہے ہیں مگر ہم نے مجیب کی بے انصافی سے قطع نظر کر کے جواب واقعی و تحقیقی تبرعاً عرض کر دیا ہے، معہذا یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ جن شراح نے مرسل ابن سیرین کے لئے روایت کعب بن مالک کو شاہد فرمایا ہے وہی حضرات جملہ **فھدانا اللّٰہ لہٗ** میں احتمال اول کو راجح فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ روایت ابن عباس جس کو دارقطنی نے اور روایت ابی مسعود جس کو طبرانی نے اور مرسل زہری جس کو ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں

---

[1] کسر العریٰ ص ۵

بیان کیا ہے ان سب کے لئے ارشاد **فهدانا الله له** شاہد ہوگا چنانچہ یہ سب امور مفصلاً ہم عرض کر چکے ہیں تو اب آپ ہی انصاف فرمالیجئے کہ احتمال اول کو کس قدر تقویت ورجحان ہونا چاہئے مگر مشکل تو یہ ہے کہ آپ حضرات نے **لا تقربوا الصلوٰة** کا قصہ کر رکھا ہے جہاں ایک لفظ اپنے مدعی کے موافق نظر پڑ گیا، سباق وسیاق وغرض متکلم سب سے قطع نظر فرما کر فوراً اپنا استدلال قائم کر دیا پھر اس پر یہ سینہ زوری کہ کہ اوروں کو آنکھیں بند کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ عوام کی دھوکا دہی کے لئے ایک ٹکڑے عبارت کو نقل کیا جاتا ہے واللہ المستعان، اب لیجئے امر ثانی یعنی روایت مذکورہ کعب بن مالک سے جمعہ کا قریٰ میں ثابت ہونا سو اس کا جواب اسی قدر کافی ہے کہ جب مجیب حسب وعدہ روایت مذکورہ سے جمعہ کا قریٰ میں ہونا ثابت فرمائیں گے اس وقت ہم بھی انشاء اللہ خود عبارت اوثق العریٰ سے اس کا جواب ظاہر کر دیں گے اب تو محض وعدہ ہی وعدہ ہے جس کے ایفا کی امید ہی ضعیف ہے: ؎ شعر

ہم کو معلوم ہے وعدہ کی حقیقت ان کی ۔۔۔ دل کے خوش رکھنے کو لیکن یہ خیال اچھا ہے

جواب از مجیب بنارسی

اس کے بعد مجیب بنارسی فرماتے ہیں، اور[1] اگر ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں کہ جمعہ مکہ ہی میں فرض ہوا تھا جیسا کہ رائے مولانا کی ہے تو بھی ہم کو مضر نہیں بلکہ ہمارے موافق ہے، انتھی۔

جواب

جناب من فرمایئے تو سہی مضر نہ ہونے کی کیا وجہ اور موافق ہونے کی کیا دلیل یہ تو بہت واضح اور صحیح بات ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں نزول حکم جمعہ ہو چکا تھا حتی کہ مدینہ منورہ میں اس کی وجہ سے اقامت برابر ہوتی تھی تو پھر وقت ہجرت جب سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں چودہ روز رونق افروز رہے تو عدم اقامت جمعہ کی کیا وجہ افسوس آپ نے محض دعویٰ بلا دلیل پر قناعت فرمائی کوئی وجہ اس موافقت اور عدم مضرت کی تحریر نہ کی، سو خیر آپ نے تو کچھ نہ فرمایا ہم سے سنئے ہم جہاں تلک آپ کی کتاب سے سمجھے ہوئے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ چودہ روز کے قیام کو قبا میں جو روایت صحیح بخاری وغیرہ میں وارد ہے غلط فرمائیں گے یہاں جو کچھ ارشاد ہو رہا ہے اگر اس کا مبنی فقط یہی ہے کہ تضعیف وتغلیط روایت کے بھروسہ پر یہ لن ترانیاں ہیں تو انشاء اللہ عنقریب اس کی حقیقت منکشف ہوئی جاتی ہے اور اگر کوئی امر مخفی باریک آپ کے خیال میں ہے تو اس کو خدا کے لئے ظاہر فرمایئے جب ایسی ضرورت وحاجت کے وقت

[1] اس کو دیکھا کہ مچھر کے مارنے کا مسئلہ پوچھتا ہے اور ان لوگوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کو قتل کر دیا۔

ہی کام نہ آیا تو پھر کب کام آئے گا؟

جواب از مجیب بنارسی

اس کے بعد مجیب سلّمہٗ تحریر فرماتے ہیں، اور[1] واضح ہو کہ جمعہ کا مکہ میں فرض ہونا محققین کے نزدیک یہ قول غریب ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں: وقال[2] الشیخ ابو حامد فرضت بمکۃ وھو غریب انتھٰی۔

جواب

مجیب نے علامہ ابن حجر کے غریب فرمانے کو تو دیکھا مگر اس کا خیال نہ کیا کہ قاضی شوکانی ان الجمعۃ[3] **فرضت علَی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو بمکۃ قبل الھجرۃ** اور علامہ سیوطی والجمعۃ[4] **فرضت بمکۃ** فرما رہے ہیں اور روایات کثیرہ معتبرہ حدیث سب علماء اپنی تالیفات میں بلا نکیر مع التسلیم اس بارے میں نقل کر رہے ہیں ابوداؤد وابن ماجہ وبیہقی ودارقطنی ومعجم طبرانی ومصنف عبدالرزاق ومسند امام احمد وزاد المعاد وصحیح ابن خزیمہ وغیرہ وغیرہ کو ملاحظہ فرمالیجئے ادھر جمہور اہل سیر واہل تفسیر کی کتب میں برابر یہ امر موجود ہے، اسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ کتب اسماء الرجال میں اسی امر کو نقل فرمارہے ہیں، آپ کے مجتہد عصر جناب مولانا سید نذیر حسین وغیرہ بھی یہی لکھ رہے ہیں چنانچہ ہم بحوالہ کتب قصہ اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر کو بروایات متعددہ معہ بیان تطبیق وتوضیح مطلب پہلے عرض کر چکے ہیں اور تماشا یہ ہے کہ ان روایات کے مقابلہ میں آپ نے اس وقت تلک ایک روایت کا پتہ تک نہیں دیا، خود حافظ ابن حجر وغیرہ بھی اسی جانب مائل ہیں **کما بینا سابقا**۔ تو اب آپ ہی انصاف فرمالیں کہ ان دلائل کے مقابلہ میں فقط حافظ ابن حجر کے غریب نقل فرمانے سے آپ کو کیا نفع ہوسکتا ہے سچ ہے **الغریق یتشبت بکل حشیش** علاوہ ازیں ابن حجر کی پوری عبارت یہ ہے **واختلف[5] فی وقت فرضیتھا فالاکثر علی انھا فرضت بالمدینۃ وھو مقتضی ما تقدم ان فرضیتھا بالآیۃ المذکورۃ وھی مدنیۃ وقال الشیخ ابو حامد فرضت بمکۃ وھو غریب**

---

[1] کسر العریٰ ص ۵
[2] فتح الباری ج ۲، ص ۲۳۹ کتاب الجمعۃ (مطبع خیریہ مصر)
[3] نیل الاوطار الجزء الثالث ص ۱۰۷ (مطبع خیریہ مصر)
[4] الاتقان فی علوم القرآن ج ۱، ص ۳۶ المطبعۃ الازہریہ ۱۳۱۸ھ
[5] فتح الباری ج ۲، ص ۲۳۹ کتاب الجمعہ (المطبعۃ الخیریہ مصر)

جس سے اسی قدر مفہوم ہوتا ہے کہ اکثر علماء فرضیت فی المدینۃ کے قائل ہیں اور بعض فرضیت فی المکۃ کو تسلیم فرماتے ہیں مگر یہ قاعدہ کسی کے یہاں مسلم نہیں کہ درصورت اختلاف جس جانب اکثر ہوں اس کو ہمیشہ دوسری جانب سے قوی اور راجح مانا جائے گا، آپ تھوڑا سا تامل کریں گے تو بہت سی نظائر ہر ایک مذہب میں آپ کو ایسے ملیں گے کہ علماء قول اکثر کو مرجوح اور دوسری جانب کو راجح فرما رہے ہیں، دور نہ جائیے اسی فتویٰ میں دیکھ لیجئے کہ آپ کے حجۃ السلف والخلف وغیرہ صحت جمعہ کے لئے سوا اس کے کہ امام کے ساتھ ایک دوسرا اور بھی ہو کسی شرط کو تسلیم نہیں فرماتے حتی کہ خطبہ بھی ضروری نہیں اب آپ ہی فرمائیں کہ مذہب غریب (اور قول جمہور کے مخالف) ہے یا نہیں، ایسے ہی نظائر کثیرہ آپ کو اپنے گھر میں ملیں گے دوسری طرف فکر کرنے کی حاجت نہ ہوگی تو کیا آپ بوجہ غرابت اور مخالفت جمہور اس قسم کے مسائل کی تغلیط اور تضعیف فرمائیں گے یا بوجہ قوت دلیل اور صحۃ ماخذ ایک جانب کو دوسری جانب پر ترجیح دینا حق فرمائیں گے خواہ قول جمہور ہو یا قول غریب **فما هو جوابکم فهو جوابنا** اس بات کو خوب ملحوظ رکھئے کہ اگر ہم امور متذکرہ بالا سے قطع نظر کر کے اس غرابت کو تسلیم بھی کر لیں تو یہ غرابت منافی صحت وقوت نہیں اور اگر آپ خواہ مخواہ اس غرابت کو موجب تغلیط وتضعیف فرمائیں تو یہ قول جو خود غریب بلکہ سارے جہاں کے مخالف ہے آپ ہی کے قاعدہ کی موافق غلط ہوگا دوسرے آپ کے تمام مسائل غریبہ بلا بیان دلیل تغلیط وتضعیف خواہ مخواہ غلط اور ضعیف ہو جائیں گے خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے مجیب لبیب اور ان کے ہم مشرب جو ظاہر حدیث کی بناء پر تمام اکابر وائمہ کی دل کھول کر تغلیط وتردید کرنا فرض خیال فرماتے تھے اور قول جمہور اور اجماع تلک اس تغلیط وتردید کی نوبت پہنچاتے تھے اور تاویلات کو بمقابلہ ظاہر لغو اور باطل سمجھتے تھے آج نصوص متعددہ معتبرہ کے متروک فرمانے پر اس وجہ سے کمر بستہ ہیں کہ حافظ ابن حجر نے اس قول کو غریب فرما دیا ہے، ہماری نظر قاصر میں کتب کے دیکھنے سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جو حضرات فرضیت جمعہ فی المدینۃ کے قائل ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہی ہے کہ آیت جمعہ چونکہ مدنی ہے اور قاعدہ اکثر یہ یہی ہے کہ جو احکام آیات قرآنی میں موجود ہیں ان کی دلیل ثبوت وہی آیات ہیں اور انہیں آیات کے نزول کے بعد سے وہ احکام بذمہ امت ثابت ہوئے تو اس قاعدہ اکثر یہ کے مطابق بظاہر یہی امر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعد نزول آیت جمعہ جو بالاتفاق مدنی ہے جمعہ فرض ہوا ہو، اس کے سوا کوئی نص ان حضرات کے پاس غالبًا ایسے نہیں کہ جس سے صراحۃً فرضیت جمعہ فی المدینۃ ثابت ہوتی ہو اور جن حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ یہ قاعدہ اکثر یہ سہی مگر اس کے خلاف کی امتناع پر نہ کوئی دلیل نہ اس امتناع کا کوئی قائل، چنانچہ اس کے خلاف کی متعدد نظائر موجود ہیں، ادھر نصوص معتبرہ حدیث

سے بالتصریح یہ امر ثابت ہے کہ حکم جمعہ مکہ میں قبل ہجرت محقق و نازل ہو چکا تھا تو انہوں نے بے کھٹکے فرضیت جمعہ قبل ہجرت کو تسلیم فرمایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اول حضرات جو کچھ فرماتے ہیں تو قاعدہ اکثریہ کے مطابق بہت ٹھیک فرماتے ہیں مگر امر زائد کی طرف ان کو کسی وجہ سے نظر نہیں ہوئی اور دوسرے حضرات جو کچھ فرماتے ہیں تو ان کے پیش نظر وہ روایات مذکورہ حدیث بھی ہیں جن سے فرضیت جمعہ قبل ہجرت ثابت ہوتی ہے یعنی اول حضرات نافی اور یہ مثبت ہیں، اور حسب قاعدہ مسلمہ علماء مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے، اس کے بعد قابل گذارش یہ امر ہے کہ مجیب بنارسی کے جواب میں یہاں تلک جو کچھ ہم نے عرض کیا یہ تو درصورت تسلیم تھا یعنی مجیب موصوف نے عبارت مذکور فتح الباری کا جو مطلب بحسب الظاہر سمجھ کر اپنا استدلال پیش فرمایا تھا ہم نے اس کو بجنسہٖ تسلیم کر لینے کے بعد جواب تام عرض کر دیا، جس کے بعد ہم کو کسی اور امر کے بیان کرنے کی ہرگز حاجت نہیں مگر بنظر اظہار حق و مزید تحقیق یہ بات بھی قابل اظہار ہے کہ ہمارے مجیب نے جو کچھ تحریر فرمایا گو بنظر ظاہر صحیح معلوم ہو مگر جب خود حافظ ابن حجر کے دیگر ارشادات اور ان کے سوا اور علما کے اقوال کو ملاحظہ کیا جائے اور ان کے مطابق عبارت موجودہ فتح الباری میں غور و فہم سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائے کہ عبارت مذکورہ کا اصلی مطلب ہمارے مجیب نہیں سمجھے بلکہ ارشاد علامہ ابن حجر ہمارے مدعیٰ کے بالکل موافق ہے اصلا مخالف نہیں جو ہم کو جواب دینے کی ضرورت ہو، دیکھ لیجئے خلاصہ استدلال مجیب بنارسی صرف یہ ہے کہ عبارت مذکورہ میں علامہ موصوف نے جو دو جملہ یعنی **فرضت بالمدینۃ** اور **فرضت بمکۃ** نقل فرمائے ہیں اور اول جملہ کو قول اکثر اور ثانی کو غریب فرمایا ہے تو فرضت کا مطلب ہمارے مجیب نے نزول **فرضیتھا** معین فرما کر یہ سمجھ لیا کہ مدینہ طیبہ میں حکم فرضیت جمعہ اول نازل ہوا اور یہی مذہب جمہور ہے اور مکہ مکرمہ میں نزول حکم مذکور قول غریب ہی بالجملہ مدار استدلال مجیب لفظ **فرضت** ہے، سو اس کا جواب بے تکلف اسی قدر کافی ہے کہ **فرضت** کے معنی جیسے یہ ہو سکتے ہیں کہ حکم فرضیت جمعہ اول مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ایسے ہی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر اقامۃ جمعہ اول اہل مدینہ کو فرمایا یعنی **فرضت اداءھا و اقامتھا بالمدینۃ** اور اس صورت میں جملہ اول یعنی **فرضت بالمدینۃ** جو قول جمہور ہے سراسر ہمارے موافق اور ہمارے مدعیٰ کے مطابق ہے اور اب قول شیخ ابو حامد یعنی **فرضت بمکۃ** کے معنی بھی **فرضت اداءھا و اقامتھا بمکۃ** لینے پڑیں گے جس کے شاذ اور غریب کہنے میں ہم بھی مجیب کے ہم داستان ہیں، اب اہل فہم و انصاف ملاحظہ فرمالیں کہ کلمہ **فرضت** کے معنی جو ہم نے عرض کئے ہیں بالکل بے تکلف اور قابل تسلیم ہیں یا نہیں، پھر معلوم نہیں کہ مجیب نے

صرف اپنا استدلال قائم کرنے کی غرض سے ایک معنی جو ان کے مفید مدعی تھے بلا وجہ وجیہہ کیونکر معین کر لئے اور اسی کے ساتھ جب علامہ ابن حجر اور دیگر علماء کے ان ارشادات اور روایات کو بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جن کو بحوالہ اوثق العریٰ وغیرہ ہم بھی عرض کر چکے ہیں جن سے اقامۃ جمعہ فی المدینۃ قبل الہجرۃ بالتنصیص ثابت ہوتی ہے تو پھر تو عبارت فتح الباری کا وہ مطلب سمجھنا جو ہمارے مجیب سمجھ رہے ہیں کسی طرح قابل قبول اہل فہم نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ کا ارشاد فقط خلاف واقع ہی نہ ہوگا بلکہ خود ان کے دیگر ارشادات کے بھی مناقض ہوگا، پھر علامہ ابن حجر کے ارشاد کے ایسے معنی معین کرنے کہ خلاف واقعہ اور خلاف روایات حدیث وخلاف اقوال علما ہونے کے سوا خود انہیں کے قول کی معارض ہوں اور اس احتمال صحیح کو ترک کرنا جس میں کسی قسم کی خرابی نہ ہو اور جملہ روایات واقوال کے موافق ہو نہایۃ کم فہم انصاف دشمن کا کام ہے، بالجملۃ جملہ **فرضت بالمدینۃ** اور **فرضت بمکۃ** کے بھروسے پر یہ اصرار کرنا اور تمام قرائن وامارات سے آنکھیں بند کر لینا جمود علی الظاہر بلکہ جمود علی التعصب کی کامل دلیل ہے، زیادہ تفصیل مطلوب ہے تو سنئے لفظ فرضیۃ اور اقامۃ ایک دوسرے کے موافق میں بلا نکیر استعمال کئے جاتے ہیں یعنی فرضیت کو جیسے نفس ایجاب اور نزول حکم فرضیۃ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ایسے ہی فرضیۃ ادا اور اقامۃ کے معنی میں بھی اس کا استعمال صحیح سمجھا جاتا ہے اور لفظ اقامۃ جیسے بمعنی ادائے فعل بولا جاتا ہے ایسا ہی بعض مواقع میں اس سے نفس فرضیت ووجوب مراد لیا جاتا ہے کیونکہ نفس وجوب اور وجوب ادا اور اسی طرح پر فرضیت فعل اور اداء واقامۃ فعل باہم مربوط اور لازم وملزوم ہیں مثال مطلوب ہو تو ایک مثال بھی سن لیجئے اسی مبحث میں علامہ سیوطی تفسیر اتقان میں تحریر فرماتے ہیں، **وقول**[۱] **ابن الفرس ان اقامۃ الجمعۃ لم تکن بمکۃ قط یردہ ما اخرجہ ابن ماجۃ عن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک قال کنت قائد ابی حین ذھب بصرہ** الی آخر الحدیث، ملاحظہ فرمایئے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اقامۃ الجمعۃ کے معنی فرضیۃ الجمعۃ کے لیکر ابن الفرس کے قول کو رد فرما دیا اور ثبوت تردید میں حدیث کعب کو جس میں اسعد بن زرارہ کا قبل الہجرۃ اہل مدینۃ کو جمعہ پڑھانا مذکور ہے پیش فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ سیوطی رحمہ اللہ نے کلام ابن الفرس میں اقامۃ کو بمعنی فرضیۃ لیا ہے ورنہ اقامۃ جمعہ کے معنی اگر اداء جمعہ کے لئے جائیں جو ابن الفرس کا مقصود معلوم ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ قصہ اسعد بن زرارہ نہ اس کے معارض اور نہ علامہ سیوطی اس کے منکر بلکہ علامہ موصوف خود اس امر کے مدعی ہیں کہ قبل الہجرۃ مکہ مکرمہ میں جمعہ فرض ہو چکا تھا گو بوجہ عدم تمکن اہل مکہ کو اس کے اقامۃ کی نوبت نہ آئی تو اب

---

[۱] الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۳۶، النوع الثانی عشر (المطبعۃ الازہریہ مصر)

انصاف سے دیکھ لیجئے کہ علامہ سیوطی اور ابن الفرس کا مطلب حقیقۃ میں ایک ہے مگر الفاظ کے تبدل اور معنی کے تغیر وتبدل سے خود علامہ سیوطی کو خلاف کا خیال جم گیا اور تردید فرمانے کی نوبت آ گئی ابن الفرس کا مدعی اور معنی تھے اور سیوطی کے خیال میں دوسرے معنی آئے جس سے ظاہر ہوگیا کہ لفظ اقامۃ فی نفسہٖ دونوں معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک بشرط انصاف فرضیۃ کو بمعنی فرضیۃ اداء واقامۃ لینا ایسا بعید نہیں جیسا لفظ اقامۃ کو بمعنی نفس فرضیۃ استعمال کرنے میں ایک طرح کا بعد بظاہر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے سمجھا پھر جب ارشاد علامہ سیوطی کے موافق اقامۃ کے معنی فرضیۃ کے لینے قابل تسلیم ہوگئے، تو کلام ابن حجر مستدلہ مجیب میں بوجہ قرائن قویہ اگر فرضیۃ کو اقامۃ کے معنی میں مستعمل کیا جائے تو فرمایئے کہ اس میں وجہ انکار کیا ہے ہمارے نزدیک تو بشرط انصاف ہر طرح سے قابل قبول اور احق بالتسلیم ہے اس لئے اب اس کی حاجۃ معلوم نہیں ہوتی کہ کوئی مثال ایسی بھی بتلائی جائے کہ جس میں علماء نے فرضیۃ سے اقامۃ مراد لی ہو مگر بغرض قطع شغب اس کے بھی ایک مثال عرض کئے دیتے ہیں تفسیر اتقان وغیرہ کو ملاحظہ فرما لیجئے کہ[1] **لم توخذ الزکوٰۃ الا بالمدینۃ بلا خلاف** مذکور ہے، جس سے معلوم ہوگیا کہ بعد ہجرۃ اموال مسلمین سے اخذ زکوٰۃ کی نوبت آئی اور یہ امر بھی بدیہی ہے کہ بہت سی آیات جن سے فرضیۃ زکوٰۃ بالتنصیص معلوم ہوتی ہے مکی ہیں نہ مدنی، چنانچہ سورۂ مزمل میں بھی **واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ** ارشاد فرمایا گیا ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو اب یہ فرمایئے کہ جو علماء اپنی توالیف میں تحریر فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ بعد ہجرۃ فرض ہوئی چنانچہ درمختار میں بھی **وفرضت**[1] **فی السنۃ الثانیۃ قبل فرض رمضان** موجود ہے ان کی غرض لفظ فرضت سے کیا ہے؟ اگر نزول فرضیۃ مقصود ہے جس پر ہمارے مجیب کے خیالات کا دارومدار ہے تو صریح غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ حکم فرضیت آیات متعددہ کے ذریعہ سے مکہ میں نازل ہو چکا تھا اور اگر فرضت الزکوٰۃ سے مقصود اقامۃ زکوٰۃ اور اخذ زکوٰۃ ہے تو مرحبا بالوفاق مگر ظاہر ہے کہ جس امر کو ہمارے مجیب اپنی سرسری نظر سے تکیہ گاہ بے حجۃ سمجھ بیٹھے تھے اور اسی خیال کے اعتماد پر کلام ابن حجر کو اپنا استدلال قوی خیال فرمایا تھا وہ خیال اس صورت میں وسوسۂ نفسانی ہوگیا۔

الحاصل ہماری معروضات اور عبارات علماء سے یہ امر خوب واضح ہوگیا کہ فرضیت کا بمعنی اقامۃ استعمال کرنا صحیح اور عبارات اکابر میں موجود ہے تو اب ہمارے مجیب کا علامہ ابن حجر کے کلام میں لفظ فرضت دیکھ کر بلا دلیل بلکہ خلاف قرائن ودلائل اس کے معنی نزول فرضیۃ کے معین فرما کر ہم پر الزام کی توقع رکھنا ہرگز خیال خام سے زائد وقعت نہیں رکھتا والحمد للہ، البتہ خدشہ جو بظاہر قوی معلوم ہوتا ہے تو

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۳۶، النوع الثانی عشر (المطبعۃ الازہریہ مصر)

صرف یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کی عبارت میں جملہ **فالاکثر علی انها فرضت بالمدینة** کے بعد **وهو مقتضی ما تقدم ان فرضیتها بالآیة المذکورة وهی مدنیة** بھی موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قول جمہور یعنی فرضیۃ فی المدینۃ کی تائید کلام سابق سے بھی ہوتی ہے جس کا مضمون یہ تھا کہ فرضیۃ جمعہ کی دلیل آیت[1] **فاسعَوا الیٰ ذکر اللّٰه** ہے جو مدنی ہے تو اب اس عبارت سے بظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ **فرضت بالمدینة** سے علامہ ابن حجر کی مراد نزول وثبوت فرضیۃ ہے جو مجیب کا مدعی ہے اقامۃ اور ادا ہرگز مراد نہیں، کیونکہ اقامۃ اور ادا مراد لینے کی صورت میں تائید مذکور لغو ہوئی جاتی ہے سب جانتے ہیں کہ آیت مذکورہ جو بالاتفاق مدنی ہے ثبوت ونزول فرضیۃ جمعہ فی المدینۃ کے لئے مؤید اور اس کے موافق ہے، آیت مذکورہ کو اقامت جمعہ فی المدینۃ کی مؤید کہنا بالکل خلاف ظاہر اور بے ربط معلوم ہوتا ہے اور جب جملہ **فرضت بالمدینة** کے معنی نزول حکم فرضیت فی المدینۃ کے معین ہو گئے تو جملہ **فرضت بمکة** کے معنی بھی لامحالہ اس کے موافق لینے پڑیں گے جو ہمارے معروضات سابقہ کے خلاف نظر آتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقریر سابق کے موافق جب قول ابوحامد یعنی **فرضت بمکة** کے معنی اقامت جمعہ فی مکہ کے لئے گئے، تو اب علامہ ابن حجر **وهو مقتضیٰ ما تقدم ان فرضیتها بالآیة المذکورة وهی مدنیة** فرما کر قول ابوحامد کی غرابت کو خوب واضح کرنا چاہتے ہیں، جس کا مطلب بشرط امعان نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرضیت جمعہ میں کل دو احتمال تھے اول یہ کہ مکہ مکرمہ میں قبل ہجرۃ بذریعہ نزول وحی فرض ہو چکا ہو چنانچہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اسی باب میں ورق آئندہ پر اس احتمال کی تائید وتقویۃ فرمارہے ہیں **کما مر تحقیقه** دوسرے یہ کہ بعد ہجرت نزول آیت جمعہ کے بعد جمعہ فرض ہوا ہو جس کو ہمارے مجیب دانتوں سے پکڑنا چاہتے ہیں تو اب حافظ ابن حجر کا مدعی یہ ہے کہ قول شیخ ابوحامد یعنی اقامۃ جمعہ فی مکہ بالکل غریب اور خلاف جمہور ہے، ہر دو احتمال سابقہ مذکورہ علما میں سے ایک کے بھی موافق نہیں کیونکہ ہر دو احتمال مذکورہ سابقہ میں سے جو حضرات احتمال اول کو منظور فرماتے ہیں اور بالتصریح اس امر کے قائل ہیں کہ بوجہ عدم تمکن مکہ مکرمہ میں اقامت جمعہ سے آپ معذور رہے اور اہل مدینہ کو لکھ بھیجا کہ تم اقامت جمعہ کرو تو ان کے قول سے تو صاف معلوم ہو گیا کہ اقامت جمعہ کی قبل ہجرت مکہ مکرمہ میں ہرگز نوبت نہیں آئی جو قول ابوحامد کے صریح مخالف ہے، باقی رہا احتمال ثانی یعنی فرضیۃ جمعہ بعد نزول آیت سو اس کی نسبت حافظ ابن حجر تصریح کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ اقامت جمعہ مدینہ

[1] درمختار ج ۲، کتاب الزکوٰۃ ص ۲، مکتبہ ماجدیہ پاکستان

[2] سورۂ جمعہ آیت ۹

طیبہ میں تسلیم کی جائے کیونکہ آیت جمعہ مدنی ہے نہ مکی اور اقامۃ وادا نزول حکم اور تحقق فرضیۃ کے بعد ہونی چاہئے تو اب بخوبی ظاہر ہوگیا کہ قول ابو حامد یعنی اقامۃ جمعہ فی مکہ علماء کے دونوں قولوں کے مخالف ہے ایک کے بھی موافق نہیں جس سے قول مذکور کی غرابت بما لا مزید علیہ بالبداہۃ محقق اور ظاہر ہوگئے والحمدللہ۔

اب اس تقریر کے موافق علامہ ابن حجر کی عبارت بلاغبار نظر آتی ہے اور علامہ کا قول شیخ ابو حامد کو غریب فرمانا نہ کسی روایۃ کے مخالف نہ علامہ کے دیگر ارشادات کی معارض ہوتا ہے ورنہ ابن حجر کے ارشاد کا مطلب اگر سرسری ظاہری وہ لیا جاتا ہے جو ہمارے مجیب خیال فرمارہے ہیں تو اول تو قول ابو حامد کو غریب کہنا بے دلیل دوسری روایات حدیث واقوال اکابر محدثین ومفسرین واہل سیر اس کثرت سے قول ابو حامد کے موید وموافق ہیں کہ قول مذکور کا غریب کہنا بالیقین غلط محض سمجھا جائے گا حتی کہ قول مذکور کے مخالف کسی روایت یا کسی قول معتبر صریح کا ہمارے ہردو مجیب اس وقت تلک پتہ بھی نہیں دے سکے پھر ایسی حالت میں فقط لفظ غریب میں ایک احتمال ظاہری بے دلیل لیکر ثبوت مدعی کی امید رکھنا اور تمام دلائل قویہ کو نظر انداز فرمادینا کسی ادنیٰ عاقل سے بھی متوقع نہیں ہوسکتا اور اگر ہمارے مجیب اس مضمون تحقیقی کی تصدیق فرمانے میں متامل ہوں تو ہم بھی ان کو معذور سمجھتے ہیں خواہ مخواہ اس مضمون کی تصدیق کی تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ جواب اول جو ان کے مذاق وفہم کے موافق معروض ہو چکا ہے ان کی زبان بندی کے لئے پورا کافی ہے البتہ بطور تنبیہ اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ حضرت مجیب اور ان کے ہم مشرب اگر کسی عبارت سے اپنا مدعی ثابت کرنا چاہیں تو دو باتوں کا ضرور خیال رکھیں، اول یہ کہ کسی عبارت میں جملہ فرضت بالمدینۃ ملاحظہ فرما کر خوش نہ ہوں تاوقتیکہ حسب معروضات سابقہ اس کے معنی معین نہ فرمالیں کہ فرضیۃ سے مراد نفس نزول فرضیت ونفس وجوب فرضیت ہے یا فرضیۃ اقامۃ ہمارے مقابلہ میں اس عبارت کو حجۃ نہ لائیں دوسرے ثبوت فرضیۃ جمعہ کی دلیل جو آیت فاسعوا الی ذکر اللہ بتلائی جاتی ہے اور کلام علماء میں یہ مضمون بکثرت موجود ہے چنانچہ حضرت امام شافعی اور امام بخاری اور دیگر اکابر رحمہم اللہ کے ارشادات میں مصرح یہ امر موجود ہے اور ابن حجر کی مراد بھی ارشاد ماتقدم الخ سے یہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عندالجمہور ابتداء فرضیۃ جمعہ آیت مذکورہ سے ہوئی حاشا وکلا بلکہ اکابر جمہور کی غرض صرف یہ ہے کہ جمعہ کی فرضیۃ جیسے احادیث واجماع سے ثابت ہے ایسے ہی اس نص قطعی سے بھی ثابت ہے چنانچہ اوثق العریٰ میں بالتصریح یہ مضمون موجود ہے تو اب جمہور کا صرف یہ ارشاد دیکھ کر ثبوت فرضیۃ جمعہ آیت مذکورہ سے ہے یا دلیل ثبوت یہ آیت ہے کسی کا بنظر سرسری یہ خیال کر لینا کہ عندالجمہور ابتداء

فرضیۃ جمعہ کی نوبت بعد نزول آیت آئی ہرگز ہرگز قابل تسلیم نہ ہوگا اور اقوال علماء اور عبارات کتب کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا امر اول یعنی فرضت بالمدینۃ کے ہر دو معنی مذکورہ سابقہ کے اختلاف کی وجہ سے بعض علماء کو ایک دوسرے کے تخطیہ کی نوبت آئی اسی طرح پر امر ثانی یعنی جمہور کی آیت مذکورہ کو دلیل فرضیۃ جمعہ فرمانے سے بعض علماء کو دھوکا لگا ہے جس سے وہ یہ سمجھ گئے کہ جمہور کے نزدیک فرضیۃ جمعہ بعد نزول آیت ہوئی ہے مگر طالب حق کو لازم ہے کہ ہر دو امر مذکورہ احقر کو پیش نظر رکھ کر کسی عالم کے قول کو اپنا مستدل بنائیں اگر ایسا کیا جائے گا تو انشاء اللہ تمام اقوال حقیقۃ میں متحد اور متفق نظر آئیں گے، اور یہ اختلاف موجودہ نزاع لفظ سے زائد وقعت نہ رکھے گا اور اس تحقیق و تفصیل کے بموجب جیسا علامہ سیوطی اور ابن الفرس رحمہما اللہ کا خلاف ہباء منثورا ہو چکا ہے ویسا ہی جمہور اور شیخ ابو حامد کا اختلاف پادر ہوا نظر آئے گا، اور تمام اکابر کے ارشادات اور روایات حدیث متحد اور متفق معلوم ہوں گے **فافهم ولا تكن من القاصرين ولا من الاغبياء المتعصبين والله الموفق والمعين** اور اگر اس کے بعد بھی کوئی متعصب قاصر الفہم ہماری معروضات کے تسلیم کرنے میں متامل ہو تو محققین شوافع کی تصانیف کو ملاحظہ کر لے کہ وہ حضرات فرضیت جمعہ فی مکہ کی بالتصریح قائل ہیں اور حافظ ابن حجر کے ارشاد **فرضت بالمدينة** کے وہی معنی بیان کرتے ہیں جو ہم بالتفصیل عرض کر چکے ہیں علامہ ابو الضیاء نہایۃ المحتاج کے حاشیہ میں فرماتے ہیں **قوله**[1] **وفرضت بمكة ونقل عن الحافظ ابن حجر انها فرضت بالمدينة اقول يمكن حمله على انها فرضت عليه صلى الله عليه وسلم وعلىٰ اصحابه بالمدينة بمعنى انه استقر وجوبها عليهم لزوال العذر القوى كان قائما بهم والحاصل انه طلب فعلها بمكة لكن لما لم يتفق لهم فعلها للعذر لم يوجد شرط الوجوب ووجد بالمدينة فكانهم لم يخاطبوا بها الا فيها** شیخ عبد الحمید شروانی تحفۃ المحتاج کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں، **قوله**[2] **بمكة وما نقل عن الحافظ ابن حجر انها فرضت بالمدينة فيمكن حمله علىٰ معنى انها استقر وجوبها فى المدينة والحاصل انه طلب فعلها بمكة لكن لما لم يتفق فعلها للعذر لم يوجد شرط الوجوب ووجد بالمدينة فكانه لم يخاطب بها الا فيها** اب اہل فہم وانصاف ملاحظہ فرمالیں کہ ارشاد حافظ ابن حجر **وقال الشيخ ابو حامد فرضت بمكة وهو غريب** جو بنظر فہم وانصاف سراسر ہمارے موافق ہے اس سے مجیب سلّمہٗ کا استدلال فرمانا

[1] نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج ''ابن شہاب الدین الرملی، حاشیہ ابو الضیاء نور الدین علی بن علی الشبر املسی القاہری الجزء الثانی ص ۲۸۳ (دار الفکر بیروت)

[2] تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج الجزء الثانی ص ۴۰۵ مطبع اصح المطابع ممبئی، ابناء مولوی محمد غلام رسول السورتی۔

ان کے عدم فہم وتدبر پر دلیل کافی اور حجۃ شافی ہے یا نہیں مگر ہم کو اس امر میں بھی تردد ہے، کہ حضرت مجیب ہمارے اس طول بیانی اور اس قدر خامہ فرسائی کے بعد بھی دیکھئے امر حق کو تسلیم فرماتے ہیں، یا نہیں، نعوذ باللہ من الغباوۃ والغوایۃ۔

تقریر اوثق العریٰ

اب اور عجیب بات سنئے اوثق العریٰ میں یہ مضمون تحریر فرمایا ہے کہ روایات حدیث مثل حدیث کعب بن مالک وغیرہ سے یہ امر ہویدا ہے کہ قبل ہجرت مدینہ منورہ میں جمعہ قائم ہوا اور حضرت سرور عالم جب وہاں تشریف لے گئے تو اول جمعہ جو آپ کو وہاں ہوا آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی حالانکہ آیت جمعہ اس وقت تلک ہرگز نازل نہ ہوئی تھی بلکہ ایک مدت کے بعد نازل ہوئی چنانچہ اتقان کی عبارت اس پر صاف دال ہے سورۃ[1] **الجمعة الصحيح انها مدنية لما روى البخارى عن ابى هريرة رضى الله عنه قال كنا جلوساً عند النبى صلى الله عليه وسلم فانزلت عليه سورة الجمعة وآخرين منهم لما يلحقوا بهم قلت من هم يا رسول الله الحديث ومعلوم ان اسلام ابى هريرة بعد الهجرة بمدةٍ وقوله قل يا ايها الذين هادوا خطاب لليهود وكانوا بالمدينة وآخر السورة نزل فى انفضاضهم حال الخطبة لما قدمت العير كما فى الاحاديث الصحيحة فثبت انها مدنية كلها** انتہی (عبارۃ الاتقان) تو اب ان روایات سے محقق ہوگیا کہ آیت جمعہ کا نزول فرضیت جمعہ کے بعد ہے اور نیز ہجرت سے بھی موخر ہے انتہی، اہل انصاف ملاحظہ فرمالیں کہ عبارت مذکور کس وضاحت کے ساتھ مثبت مدعیٰ ہے۔

اعتراض مجیب بنارسی

مگر آفرین ہے ہمارے مجیب محدث بنارسی کو، کہ فرماتے ہیں[2] اس میں کچھ شک نہیں کہ سورۃ جمعہ مدنی ہے مگر یہ جو آپ نے ابوہریرہ کی حدیث سے ثابت فرمایا ہے کہ بعد اسلام ابوہریرۃ یہ سورۃ نازل ہوئی تھی غلط ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ آیت **وآخرین منهم لما يلحقوا بهم** اس وقت یعنی حضرت ابوہریرہ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی، ساری سورۃ کا نزول اس وقت نہیں ہوا کیونکہ امر بالسعی یعنی آیت **فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع** قبل اسلام

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۷، فصل فی تحریر السور المختلف فیہا (اشاعت الاسلام دہلی)

[2] کسر العریٰ ص ۶

ابو ہریرہ نازل ہو چکا تھا، انتہی۔ بمضمونہ

جواب

ہم کو نہایت حیرت ہوتی ہے کہ مجیب سلمہ کس بات کی تردید فرماتے ہیں ہر عاقل قوی ضعیف جو اعتراض کرتا ہے اس کے لئے آخر کوئی منشاء بھی ہونا چاہئے عبارت منقولہ ابن حجر سے فرمایئے تو سہی اوثق العریٰ کے کونسے فقرہ کی تردید ہوئی، ہمارے مجیب نے تردید خصم کا عجیب وجدید طریقہ اختراع فرمایا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کس بات کا جواب عرض کریں اور کیا جواب عرض کریں، بار بار کسی کا شعر یاد آتا ہے، شعر ؎

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے　　　خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

ناظرین انصاف فرمائیں، کہ اوثق العریٰ میں فقط یہ بیان فرمایا ہے کہ اقامت جمعہ مدینہ منورہ میں قبل ہجرت ہوئی جیسا کہ روایات حدیث سے ثابت ہے اور نزول سورہ جمعہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت ہوا، جیسا کہ عبارت اتقان سے ثابت ہے تو اب بالبداہت یہ بات محقق ہوگئی کہ حکم جمعہ بھی ان احکام میں سے ہے کہ اول حکم نازل ہو گیا اور آیت قرآنی بعد میں نازل ہوئی اور ہمارے مجیب بھی صاف مقر ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ سورہ جمعہ مدنی ہے بس ہمارا مدعی تو باحسن وجوہ بحمد اللہ ایسا ثابت ہو گیا کہ مجیب نے بھی صاف اقرار فرمالیا۔ باقی اوثق العریٰ میں یہ مضمون کہاں ہے کہ سورۂ جمعہ بتمامہا بعد اسلام ابو ہریرہؓ نازل ہوئی جو مجیب نے ابن حجر رحمہ اللہ کی عبارت نقل فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ مکرما آپ اتنی بات منظور فرمالیں کہ سورۂ جمعہ بتمامہا بلکہ فقط آیت جمعہ یعنی **فاسعوا الی ذکر اللّٰہ** مدنی ہے، اسلام ابو ہریرہ سے بھی مقدم ہو یا موخر بس ہمارا مدعی ثابت ہے سو اتنی بات معہ شئ زائد آپ تسلیم فرما چکے ہیں ہمارے مدعی کو ہرگز اس کی حاجت نہیں کہ کل سورۂ جمعہ یا بعض کو بھی قبل اسلام ابو ہریرہ نازل کہا جائے ہمارا مدعی تو فقط یہ ہے کہ نزول سورۂ جمعہ بعد اقامت جمعہ اور بعد ہجرت ہوا، سو اس کے آپ بھی قائل ہیں علاوہ ازیں آپ نے یہ تو ملاحظہ فرمایا ہوتا کہ اوثق العریٰ میں عبارت اتقان کے سوا کوئی امر زائد موجود نہیں اگر ہو تو بتلا دیجئے پھر بالفرض آپ کا کوئی اعتراض ہو بھی تو صاحب اتقان پر ہونا چاہئے تھا۔

الحاصل عبارت اتقان بھی صحیح اور ارشاد علامہ بھی بجا اور استدلال اوثق العریٰ بھی ضروری التسلیم اور آپ کا اقرار بھی حق مگر آپ کا اقرار کے بعد یہ فرمانا (مگر یہ جو آپ نے حدیث ابو ہریرہؓ سے ثابت فرمایا ہے کہ بعد[1] اسلام ابو ہریرہؓ یہ سورۃ نازل ہوئی غلط ہے) بالکل افترا ہے عبارت اوثق العریٰ سامنے

---

[1] کسر العریٰ ص ۶

موجود ہے، آپ ہی دکھلا دیں کہ یہ مضمون کہاں ہے، افسوس ہمارے مجیب سلمہ نے بے انصافی اور بے فہمی سے تجاوز فرما کر افترا اور اختراع تلک نوبت پہنچادی مگر اہل انصاف جانتے ہیں کہ ایسے امور سے انہیں کی مضرت ہے ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

تقریر اوثق العریٰ

اس تقریر سے جس کو ہم ابھی عرض کر چکے ہیں فراغت پا کر اوثق العریٰ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ جب روایات وعبارات متذکرہ بالا سے یہ امر محقق ہو گیا کہ فرضیت جمعہ مکہ مکرمہ میں قبل نزول سورۂ جمعہ اور قبل ہجرت ہو چکی تھی تو اب جو علماء اس کے قائل ہیں کہ فرضیت جمعہ بعد ہجرت مدینہ طیبہ میں سورۂ جمعہ کی نزول کے بعد ہوئی، سوا گران کا مطلب یہ ہے کہ آیت سورۂ جمعہ دلیل فرضیت جمعہ ہے اور اس آیت سے فرضیت جمعہ ہم کو معلوم ہوتی ہے، تو یہ ارشاد ان کا درست اور بجا ہے اور ان کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء فرضیت جمعہ اسی آیت سے ہوئی اس سے پہلے نہ تھی تو اہل بصیرت وانصاف کو احادیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ بات روایات مذکورہ کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں، انتہٰی بمضمونہ۔

جواب از مجیب بنارسی

اس پر ہمارے مجیب بنارسی اول تو یہ فرماتے ہیں کہ[1] پہلے آپ نے کسی حدیث صحیح سے فرض ہونا نماز جمعہ کا مکہ میں ثابت کر لیا ہوتا پھر ان علماء سے جو مدینہ منورہ میں جمعہ کے فرض ہونے کے قائل ہیں دریافت کیا ہوتا، انتہٰی۔

جواب

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہمارے مجیب فہیم نے غالباً ارشاد **فاصنع[2] ما شئت** کو بمقتضائے ظاہر پرستی مثبت وجوب یا استحباب خیال کر رکھا ہے، اس لئے جو کچھ فرمائیں تعجب نہیں مگر ہم بھی اس کے علاج سے معذور ہیں، نص صریح کے مقابلہ میں وہ ہماری عرض کب منظور فرما سکتے ہیں ہمارا جو کام تھا اس کو ہم مکرر انجام دے چکے ہیں، اوراق سابقہ کو ملاحظہ فرمائیے لیکن تبرعاً یہاں بھی اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ اس امر کو تو آپ بھی برابر تسلیم فرماتے ہیں کہ اسعد بن زرارہ نے قبل ہجرت مدینہ طیبہ میں جمعہ ادا کیا اور آپ نے بھی بنام مصعب بن عمیر حکم اقامت جمعہ بذریعہ تحریر فرما بھیجا تھا اور اس وقت سے برابر جمعہ ہوتا رہا اور

---

[1] کسر العریٰ ص ۶

[2] مشکوٰۃ المصابیح، باب الرفق والحیاء وحسن الخلق ص ۴۳۱ بحوالہ بخاری (رشیدیہ دہلی)

آپ نے بھی بوقت ہجرت پہنچتے ہی مدینہ میں نماز جمعہ ادا فرمائی حالانکہ اس وقت تک نزول سورہ جمعہ یا بعض سورہ کا نشان بھی نہ تھا تو اب انصاف سے فرمایئے کہ ثبوت فرضیت جمعہ قبل سورہ جمعہ میں کیا کسر رہ گئی وہم کی دارو تو لقمان کے یہاں بھی نہیں۔ باقی امور متذکرہ بالا کے بعد فرضیت جمعہ میں متامل ہونا اور احتمال بلا دلیل سے فرضیت جمعہ کا انکار کرنا بالکل بے انصافی ہے اس لئے علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں **وقول[1] ابن الفرس ان اقامة الجمعة لم تكن بمكة قط يرده ما اخرجه ابن ماجة عن عبد الرحمٰن ابن كعب بن مالك قال كنت قائد ابی حين ذهب بصره فكنت اذا خرجت به الى الجمعة فسمع الاذان يستغفر لابی امامة اسعد بن زراره فقلت يا ابتاه ارايت صلوٰتك علٰى اسعد بن زراره كلما سمعت النداء بالجمعة لم هٰذا قال ای بنی كان اول من صلى بنا الجمعة قبل مقدم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من مكة، انتہٰی۔**

دیکھ لیجئے علامہ موصوف فقط قصہ اسعد بن زرارہ کی وجہ سے قول مذکور کو مردود فرماتے ہیں اور جب اس کے ساتھ قصہ مصعب بن عمیر اور اول ہجرت میں آپ کا ادائے جمعہ فرمانا بھی لحاظ کیا جائے کما مر، تو پھر تو آپ کا احتمال کسی طرح تار عنکبوت سے زیادہ قوی نہیں ہوسکتا، اب اس پر بھی مجیب کا یہی فرمائے جانا (پہلے آپ[2] نے کسی حدیث صحیح سے فرض ہونا نماز جمعہ کا مکہ میں ثابت کرلیا ہوتا الخ) وہی مرغی کی ایک ٹانگ یا وہی مرض وہم ہے جس سے ہم کیا حضرت لقمان بھی عاجز ہیں ایسے حجتی لا امتی سے کچھ تعجب نہیں جو کل کو یہ فرمانے لگیں کہ حکم وضو تو بیشک مکہ مکرمہ میں ہو چکا تھا اور اول سے اس پر عمل درآمد بھی چلا آتا تھا لیکن فرض ہونے کی نوبت نہ آئی تھی فرضیت وضو اس وقت سے ہوئی جب مدینہ طیبہ میں آیت وضو نازل ہوئی اور قبل نزول آیت وضو آپ کا ارشاد اور حضرات صحابہ کا تعامل سب استحباب پر محمول ہے، سبحان اللہ کسی ایسے ہی موجود و مجتہد کا قول ہے ''گندہ بیروزہ با پلاؤ اگرچہ گندہ مگر ایجاد بندہ'' پھر اس خوبی پر امور حقہ کو خیالی پلاؤ اور دھوکہ دہی بتلایا جاتا ہے فالی اللہ المشتکی۔

جواب از مجیب بنارسی

اس کے بعد مجیب موصوف نے دو عبارتیں (کہ بنظر فہم بمقابلہ عبارت اوثق العریٰ ان کو نقل کرنا محض بے سود ہے) نقل فرمائی ہیں اول عبارت فتح الباری[3] **واختلف فی وقت فرضيتها فالاكثر**

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن ج۱ص ۳۶، النوع الثانی عشر (المطبعۃ الازہریہ مصر، اشاعت اسلام دہلی)
[2] کسر العریٰ ص ٦
[3] فتح الباری ج ۲، ص ۲۳۹، کتاب الجمعۃ (المطبعۃ الخیریہ مصر)

علی انها فرضت بالمدینة وهو مقتضٰی ما تقدم ان فرضیتها بالآیة المذکورة وهی مدنیة وقال الشیخ ابو حامد فرضت بمکة وهو غریب انتہی۔

جواب

سواس عبارت کی کیفیت تو معہ جواب اوپر عرض کر چکا ہوں مکرر عرض کرنے کی حاجت نہیں ہاں ناظرین، باانصاف کے ملاحظہ کے لئے اتنا عرض کرتا ہوں کہ جملہ **وهو مقتضٰی ما تقدم ان فرضیتها بالآیة المذکورة** جو عبارت مذکورہ میں موجود ہے اس کا ترجمہ علامہ بنارسی یہ تحریر فرماتے ہیں (اور آیت سابقہ کا بھی یہی مقتضی ہے کہ فرضیت جمعہ کی آیت سے ہے) **یاللعجب یاللعجب** ہم نہیں کہہ سکتے، کہ قصور فہم اس کا باعث ہوا یا اسے ضرورت اور شدت حاجت کی وجہ سے جو مجیب سلمہ کو پیش آرہی ہے جملہ (**ماتقدم ان فرضیتها**) کو دیدۂ ودانستہ ہضم کرنے کی نوبت آئی اور جملہ مذکورہ نے حسب قاعدہ جر جوار باء جارہ کو بھی اپنے ساتھ کھینچ لیا جس وجہ سے صرف (**وهو مقتضٰی الآیة المذکورة**) باقی رہ گیا **وهو مراد المجیب نعوذ بالله من الغباوة والتعصب** دوسری عبارت امام الکلام مولفہ مولانا عبدالحیؒ مرحوم سے نقل فرمائی ہے **وهو هٰذا** . **هٰذا**[1] **خلاف ما علیه الجمهور والاستدلال بهٰذا الحدیث علی ان فرضیة الجمعة بمکة لیس بمنصور لجواز ان تکون امامة اسعد بن زرارة الجمعة بالمدینة باجتهاده فوافق بامره وهو الذی یصرّح به الروایات الآخر عنه** انتہی۔

جواب

مطلب کے متعلق تو بعد میں عرض کروں گا اول تو یہ عرض ہے کہ ترجمہ عبارت میں مجیب سے بلا ایجاد بے بنیاد یہاں بھی نہ رہا گیا، بہذا الحدیث کے ترجمہ میں (اس حدیث دارقطنی سے) ارشاد فرماتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے حدیث دارقطنی کا عبارت امام الکلام میں پتہ بھی نہیں، معلوم نہیں لفظ ھذا کا مشارالیہ مجیب نے روایت دارقطنی کو کہاں سے سمجھا اس سے پہلے روایت کعب بن مالک بروایت ابن ماجہ جس کو احقر عنقریب نقل کر چکا ہے صاف مذکور ہے اور وہی لفظ ھذا کا مشارالیہ ہے علاوہ ازیں خود مولف امام الکلام اسی عبارت کے اخیر میں صاف فرما رہے ہیں **لجواز**[2] **ان تکون امامة اسعد بن زرارة** الیٰ آخرہٖ، جس سے صاف بالبداہۃ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحیؒ مرحوم کو روایت اسعد بن زرارہ کا جواب

---

[1] امام الکلام مولانا عبدالحیؒ لکھنوی ص ۹۹، مطبع علوی لکھنؤ
[2] امام الکلام مولانا عبدالحیؒ لکھنوی ص ۱۰۰، مطبع علوی لکھنؤ

دینا منظور ہے اور یہ وہی روایت ہے جو بحوالہ کعب بن مالک اوپر مذکور ہو چکی ہے، روایت دار قطنی سے اس کو کیا تعلق کیونکہ دار قطنی کی روایت میں مصعب ابن عمیر کا قصہ ہے جو بروایت ابن عباس منقول ہے، ہم سخت متحیر ہیں کہ ایسی صریح پے در پے غلطیوں کو کاہی پر محمول کریں جہل پر یا تجاہل پر تعصب پر یا کم فہمی پر خدا کی شان ہے کہ یہی روایت ابن عباسؓ جس کو ابن حجر اور قسطلانی نے اپنے شروح میں بحوالہ دار قطنی نقل فرمایا ہے، اوثق العریٰ میں بحوالہ شوکانی معجم طبرانی سے نقل کیا تھا تو اس کی ہمارے مجیب نے عتاب کے ساتھ تغلیط فرمائی تھی چنانچہ یہ تمام قصہ معہ جواب تفصیلی مذکور ہو چکا ہے حالانکہ یہ تغلیط احتمالی تھی اور اس تغلیط سے ہمارے مدعی میں سرمو تفاوت نہ آتا تھا اوثق العریٰ میں جو کچھ منقول تھا وہ منقول عنہ یعنی نیل الاوطار کے سراسر مطابق تھا اور یہاں روایت مذکورہ کی نسبت حضرت مجیب جو کچھ فرما رہے ہیں یقیناً غلط اور مدعی سے مباین اور منقول عنہ یعنی عبارت امام الکلام کے سراسر مخالف۔ ع

فیا للرجال لهٰذا العجب

اب مطلب کی بات سنئے اس عبارت مرقومہ مولوی عبدالحیٔ صاحب سے کل دو امر مفہوم ہوتے ہیں، اول یہ کہ فرضیت جمعہ قبل الہجرت جمہور کے خلاف ہے سو اس کا تو وہی مطلب ہوا جو حافظ ابن حجر کے غریبٌ فرمانے سے معلوم ہوا تھا جس کا جواب سابقاً معروض ہو چکا ہے اور قاضی شوکانی جس کے مخالف اور علامہ سیوطی جس کو مردود فرماتے ہیں کما مر۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن حضرات نے اسعد بن زرارہ کی روایت سے فرضیت جمعہ قبل ہجرت ثابت کی تھی ان کے جواب میں مولانا عبدالحیٔ صاحب **لیس بمنصور** فرما کر یہ دلیل پیش کرتے ہیں، **لجوازؔ ان تکون امامة اسعد بن زرارة الجمعة بالمدينة باجتهاده فوافق بامره وهو الذی یصرّح به الروایات** سو اول تو آپ ہی ایمان انصاف سے کہہ دیں کہ اس احتمال محض خلاف ظاہر سے ظاہر و متبادر عن النصوص کو ترک کرنا کیسی بے انصافی ہے، دوسرے آپ کے حجۃ السلف والخلف کے فتویٰ اور مسلک کے خلاف چنانچہ یہ دونوں امر تفصیل کے ساتھ معروض ہو چکے ہیں۔

تیسرے جملہ **فوافق بامره** میں امر سے مراد اگر امر سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم بنام مصعب بن عمیر ہے تو چشم ما روشن دل ماشاد مگر اس صورت میں آپ کی تمام سعی شیخ چلی کے گھر کی طرح خاک میں مل جائے گی **کما لا یخفی** اور اگر امر سے مراد آیت جمعہ ہے تو فرمایئے کہ فہم و انصاف دونوں کا خون ہوا یا نہیں اور جملہ اخیرہ یعنی **وهو الذی یصرح به الروایات** باطل اور خلاف واقع ہو گیا یا نہیں، جائے

ؔ حوالہ گذر چکا ہے، دیکھئے صفحہ ۵۴

غور ہے کہ مجیب لبیب قاضی شوکانی اور علامہ سیوطی وغیرہ کی تصریحات سے منہ موڑیں اور ان کی روایات معتبرہ سے اعراض فرمائیں اور مولانا عبدالحئی مرحوم مغفور کے احتمال خلاف ظاہر کو بے سوچے سمجھے، بمقابلہ نصوص اپنا مستدل ٹھہرائیں، مولانا مجیب اپنی تقریر دلربا سے فارغ ہو کر آخر میں حسب عادت ارشاد فرماتے ہیں (حاصل[1] کلام کا یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک جمعہ مدینہ میں فرض ہوا ہے اور اس آیت **اذا نودی الخ** سے وہ جمعہ کی فرضیت کو ثابت کرتے ہیں اور مولانا نے اس کے خلاف پر کوئی دلیل قوی اب تلک قائم نہیں کی، انتہیٰ) واقعی یہ بات سچ ہے کہ مارتے کا ہاتھ تھک جاتا ہے مگر بولتے کی زبان نہیں تھکتی، اب ہم بجز اس کے کیا عرض کر سکتے ہیں کہ مجیب منصف سے تو قطع نظر ہو چکے، ہاں اہل انصاف معروضات سابقہ مکررہ کو ملاحظہ فرما کر سمجھ لیں کہ مجیب کے قول میں کتنی صداقت ہے اور یا بطریق حسرت کسی مسکین مایوس کا یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہیں

حیا و شرم و ندامت اگر کہیں بکتیں تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہربان کے لئے

تقریر مضمون اوثق العریٰ

اس کے بعد سنئے ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے اوثق العریٰ میں یہ روایت نقل فرمائی تھی **جمع[2] اهل المدينة قبل ان يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقبل ان تنزل الجمعة فقالت الانصار ان لليهود يوما يجتمعون فيه كل سبعة ايام وللنصارىٰ كذٰلك فهلم فلنجعل يوما نجتمع فيه فنذكر الله تعالىٰ ونصلي ونشكره فجعلوه يوم العروبة واجتمعوا على اسعد ابن زرارة فصلى بهم يومئذ وانزل الله تعالىٰ بعد ذٰلك اِذا نودى للصلوٰة من يوم الجمعة الآية، انتهیٰ۔**

چنانچہ اوراق سابقہ میں تفصیل استدلالات کی ذیل میں ہم بھی اوثق العریٰ سے نقل کر چکے ہیں اس کو نقل فرما کر حضرت مولانا نے یہ فرمایا تھا کہ یہ روایت اس روایت کی معارض نہیں کہ جس میں امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در بارہ اقامت جمعہ موجود ہے، یعنی ابوداؤد وغیرہ کی یہ روایت جس سے اقامت جمعہ باجتہاد صحابہ کرام معلوم ہوتی ہے، اس روایت کی معارض نہیں جس سے کہ اقامت جمعہ آپ کے ارشاد سے مفہوم ہوتی ہے یعنی روایت ابن عباسؓ جس کو بروایت دارقطنی اور روایت ابی مسعود جس کو بحوالہ طبرانی

---

[1] کسر العریٰ ص ۷

[2] یہ روایت ابوداؤد میں نہیں ہے، مصنف عبدالرزاق ج ۳، ص ۱۵۹-۱۶۰، کتاب الجمعہ باب اول من جمع، فتح الباری ج ۶، ص ۴۵۲، کتاب الجمعہ، الدر المنثور ۶/ ۲۱۸۔ التلخیص الحبیر ۱/ ۱۳۳، میں یہ حدیث دیکھی جا سکتی ہے۔ (دار الکتب العربی بیروت) (دار الکتب العلمیہ مصر)

وروایت زہری جس کو بحوالہ مراسیل ابوداؤد ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اوراس میں امر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقامت جمعہ صریح مذکور ہے ان روایات میں اوراس روایت مذکورہ میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ انصار کا یہ اجتماع قبل امر شارع علیہ السلام اپنے اجتہاد سے ہوا ہوگا، تو ظاہر ہے تنفلاً ہوگا اور پھر اس صلوٰۃ تنفلاً سے فریضہ قطعیہ ظہر کو ہرگز ترک نہیں کر سکتے تھے تو غایۃ مافی الباب یہ ہوا کہ اصحاب کرام نے باجتہاد خود صلوٰۃ جمعہ متنفلا پڑھی ہو جس کا ذکر ابوداؤد وغیرہ کی اس روایت میں ہے اس کے بعد جب ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنام اصحاب دربارہ اقامت جمعہ پہنچا جس کا ذکر روایت دارقطنی طبرانی وغیرہ میں ہے تو اس وقت سے صلوٰۃ جمعہ فرض اور مسقط ظہر قرار پائی پس ان دونوں واقعوں میں کچھ تعارض نہ رہا، انتھٰی، بمضمونہٖ مگر یہ خیال ضرور رہے کہ یہ دونوں واقعے تشریف آوری قبا سے پہلے ہی ہو چکے تھے چنانچہ ان کی تفصیل اوپر معروض ہو چکی۔

اعتراض از ہر دو مجیب

اب اس پر ہمارے دونوں مجیب اول تو یہ فرماتے ہیں (کہ یہ روایت عبدالرزاق کی ہے ابوداؤد کا حوالہ غلط ہے) چنانچہ ہم بھی اوراق سابقہ میں بحوالہ عبدالرزاق وعبد بن حمید نقل کر چکے ہیں، اور ہمارے مجیب علامہ بنارسی نے فقط تغلیط سرسری ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنی جبلی بے باکی اور گستاخی کے موافق فرماتے ہیں کہ ہمارے[1] مولانا خدا جانے کے مرتبہ ابوداؤد پڑھا چکے ہوں گے مگر اب تک آپ کو یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ روایت ابوداؤد میں ہے یا نہیں، اجی حضرت یہ روایت ابوداؤد میں نہیں ہے بلکہ عبدالرزاق کی ہے ملاحظہ فرمایئے فتح الباری قسطلانی عون الباری تلخیص وغیرہ حضرات ناظرین ہمارے مولانا بغیر تحقیق اٹکل پچو لکھے چلے جاتے ہیں کچھ غور کو کام نہیں فرماتے) انتھٰی بالفاظ القبیحۃ۔

جواب

اقول واعوذ باللہ الخ ہمارے مجیب کو اس تغلیط پر ایک مسرت خاص اور اس قدر ناز معلوم ہوتا ہے کہ کسی حسین خود پسند کو بھی اپنے خدوخال پر شاید اس سے زائد نہ ہو، جس کے نشہ میں ہمارے مجیب آپے سے ایسے باہر ہوئے کہ نہ اکابر کی عظمت پیش نظر رہی اور نہ اپنی حقیقت، اہل عقل وادب تو خطائے بزرگان گرفتن خطا است فرماتے ہیں اب اہل فہم خود سمجھ لیں کہ کوئی بے ادب کم فہم صوابی بزرگان بگوید خطا است کا مصداق ہو تو اس کا کیا حکم ہونا چاہئے کہ اگر ایسے امور لایعنی موجب فخر وترقی ہو سکتے تو حضرت

[1] کسر العریٰ ص ۷

سید الانس والجان احساءفلن تعد وقدرک ہی کیوں فرماتے ہے شعر

از خدا جوئیم توفیق ادب　　　بے ادب محروم ماند از لطف رب

مجیب نے جو اعتراض کیا ہے وہ اس قابل ہرگز نہ تھا کہ اس کی تردید میں صفحہ دو صفحہ سیاہ کیا جائے مگر چونکہ مجیب کو اپنے اس مواخذہ پر وثوق مع الفخر معلوم ہوتا ہے اور ہم بھی اوراق سابقہ میں اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کر کے جواب تفصیلی کا وعدہ کر چکے ہیں، سو اس لئے اول تو یہ عرض ہے کہ جائے تعجب ہے کہ ہمارے مجیب نے عبارت کتب کی فہم اور ان کے ترجمہ میں پے درپے صریح غلطیں کھائیں، چنانچہ انہیں چند اوراق میں متعدد مثالیں موجود ہیں اور کچھ نہ شرمائیں اور دوسروں کی اتنی خیالی بات پر کہ ایک کتاب کی جگہ دوسری کتاب کا حوالہ دیا گیا طعن و تشنیع کرنے کو موجود حالانکہ عبارت اور مطلب میں کسی قسم کا تفاوت نہیں، ہم کو اس پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول یاد آتا ہے[۱] **یبصر احدکم القذاۃ فی عین اخیہ وینسی الجذل فی عین نفسہٖ** علاوہ ازیں اوراقِ سابقہ میں آپ نے روایت ابن عباس کی بابت یہ فرمایا تھا کہ یہ روایت دارقطنی کی ہے، کاتب نیل الاوطار سے بجائے دارقطنی طبرانی لکھا گیا تو اب آپ کو یا تو بروئے انصاف قاضی صاحب کی شان میں بھی یہی تشنیع وتغلیط کرنی چاہئے تھی ورنہ یہاں بھی غلطی کا تب پر محمول فرمالینا تھا اور اس زہر اگلنے کی کوئی حاجت نہ تھی اور اگر اوثق العریٰ کا اصلی اور واقعی مطلب ادنیٰ تامل کے ساتھ سمجھا جائے تو معلوم ہو جائے کہ ہر دو مجیب کا یہ مواخذہ دربارہ تغلیط حوالہ شعر مشہور کا بہت اچھا مصداق ہے ہے شعر

وکم من عائب قولاً صحیحا　　　وآفتہ من الفہم السقیم

دیکھئے شروع رسالہ سے یہاں تک جو اوثق العریٰ میں بیان کیا گیا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ قبل مقدم حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت جمعہ مدینہ طیبہ میں حسب ارشاد نبوی ہو چکی تھی اور اسی کے متعلق چند روایات معتبرہ نقل فرمائی ہیں جس سے ہمارا مدعیٰ تو ثابت ہو چکا مگر دیگر حضرات کی وجہ سے یہ خیال تھا کہ غالباً وہ حضرات روایات مذکور کے مقابلہ میں یہ فرمائیں گے کہ مرسل ابن سیرین جو بحوالہ عبدالرزاق وغیرہ منقول ہے جس سے اقامت جمع باجتہاد صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ثابت ہوتی ہے وہ ان روایات کی معارض ہے اور وہ حضرات اپنی رستگاری کے لئے اس تعارض کو ضرور سپر بنائیں گے اس لئے اوثق العریٰ میں اس روایت کو نقل فرمایا اور وجہ تطبیق باحسن اسلوب تحریر فرمائی کما مر قریباً، اب اسی کے ساتھ یہ بھی احتمال تھا کہ چونکہ شراح بخاری وغیرہ روایت کعب بن مالک کو جو بحوالہ ابوداؤ داو پر گذر

---

[۱] صحیح ابن حبان مرفوعاً ج ۱۳، ص ۷۳، حدیث ۵۷۶۱ (مصر)

چکی ہے روایت ابن سیرین منقولہ عبدالرزاق کے لئے شاہد فرماتے ہیں اور اصطلاح محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ میں شاہد وہی ہے جو معنی میں متحد ہو تو کیا عجب ہے کہ بعض حضرات روایت کعب بن مالک کو بھی مستقل معارض بنانے کو موجود ہو جائیں، اس لئے اس کے جواب اور رفع تعارض کی تصریح بھی مستحسن معلوم ہوئی اور دونوں روایتوں کو جمع کر کے ان میں اور ان روایات مذکورہ میں کہ جن سے اقامت جمعہ بارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہوتی ہے تطبیق بیان فرمادی یہی وجہ ہے کہ ابوداؤد کی تصریح فرمادی اور عبدالرزاق وعبد بن حمید کے نام کی تصریح نہیں فرمائی بلکہ لفظ وغیرہ پر اکتفا فرمایا باوجودیکہ الفاظ حدیث انہیں ہر دو حضرات کے ہیں ابوداؤد کی روایت کے نہیں روایت ابوداؤد میں مطلب بالاجمال مذکور تھا الخ اور اسی وجہ سے شروع روایت میں اصل راوی کے نام کی تصریح نہ فرمائی کیونکہ ابوداؤد کی روایت کعب بن مالک سے اور مصنف عبدالرزاق وعبد بن حمید کی روایت ابن سیرین سے مروی ہے اس اختصار خوش اسلوب میں یہ امر بیشک ملحوظ ہے کہ فہم مطلب میں غلطی واقع ہو جائے اسی لئے چونکہ ابوداؤد کی روایت کی طرف خیال جانے میں خفا تھا نام کی تصریح فرمادی اور الفاظ روایت عبدالرزاق وعبد بن حمید کے چونکہ وقوع تعارض میں صریح معلوم ہوتے ہیں اس لئے ان کے الفاظ نقل کئے ہیں مگر ہر دو مجیب نے پھر بھی اور کچھ نہیں تو یہی کہہ دیا کہ حوالہ غلط ہے حالانکہ شراح کے کلام سے خود ہی نقل کر چکے ہیں **وله شاهدٌ باسناد حسن عند ابی داؤد** کسی کا ارشاد نہایت درست ہے ع

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

اور خیال فرمایئے کہ اوثق العریٰ میں اسی روایت کے متصل یہ ارشاد فرمایا ہے (سو یہ روایت معارض اس پہلی روایت کے کہ جس میں امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باقامت جمعہ ثابت ہوتا ہے ہرگز نہیں ہے) انتہیٰ، اب انصاف سے دیکھ لیجئے کہ اس جملہ میں پہلی روایت سے کون سی روایت مراد ہو سکتی ہے ادنیٰ عاقل بھی بلاتامل کہہ دے گا کہ روایت ابن عباس جس میں مصعب بن عمیر کا قصہ منقول ہے مراد ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مرسل ابن سیرین اور روایت ابن عباس میں تطبیق بیان فرمانی منظور ہے اب آپ ہی ذرا تامل کر کے سمجھ لیں کہ آپ کا مواخذہ بالکل سطحی ہے یا نہیں مگر ہماری بدگمانی یہ ہے کہ ہمارے مجیب اپنی عادت کے موافق پہلی روایت سے روایت کعب بن مالک سمجھ گئے ہیں اور اس بناء پر تغلیط کرنے کو مستعد ہو گئے مگر یہ معنی صریح الفاظ کے مخالف سمجھنا نہایت عجیب امر ہے گو ہمارے مجیب ابوالعجائب سے عجیب نہ ہوں اور پھر اس خوبی پر اکابر کی شان میں گستاخانہ الفاظ فخر ومسرت کے ساتھ لکھنے کو موجود، ما اصدق ما قیل ؎ شعر

وانی رأیت الضر احسن منظراً　　واھون من مرائے صغیر بہ کبیر

ہم کو گوایسی جامع مختصر عبارت کی تحریر پر قدرت نہ ہو مگر الحمد للہ کہ ہم اس کے فہم مطلب میں مجیب صاحبوں کی طرح خبط میں مبتلا نہیں ہوئے، **الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاك** بہ[1] اس شرمناک تغلیط سے فارغ ہو کر ہر دو مجیب نے اسی روایت مذکورہ اوثق العریٰ کی جو کہ ابھی بحوالہ ابوداؤد وغیرہ منقول ہو چکی ہے مطلب کے چند اعتراض پیش کئے ہیں جن کے دیکھنے سے عجب رقص الجمل کا نمونہ نظر آتا ہے ایک مجیب کچھ اور دوسرے صاحب کچھ اور ارشاد فرمارہے ہیں اور مطلب اوثق العریٰ سے کسی کے مطلب کو کچھ تعلق نہیں معلوم ہوتا جس کے ملاحظہ سے فہیم ناظر ضرور متحیر اور متعجب ہوگا، احقر ابھی مفصلاً عرض کر آیا ہے کہ عبارت اوثق العریٰ کا مطلب اصلی یہ ہے کہ روایت ابن عباسؓ مذکورہ سابقہ اور روایت ابن سیرین منقولہ عبدالرزاق وغیرہ میں کچھ مخالفت اور تعارض نہیں ہے چنانچہ تقریر تطبیق اوثق العریٰ میں موجود ہے اور ہم بھی توضیح کے ساتھ عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض مجیب بنارسی

اب اس پر علامہ بنارسی تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان[2] ہر دو روایت کا واقعہ ایک ہے روایت کعب بن مالک بحوالہ ابوداؤد جس سے اول اسعد بن زرارہ کا جمعہ قائم فرمانا معلوم ہوتا ہے اور روایت دارقطنی جس سے اول مصعب بن عمیر کا جمعہ قائم کرنا ظاہر ہوتا ہے ان میں حافظ ابن حجر نے یوں مطابقت دی ہے ان[3] **اسعد کان آمرا وکان مصعب اماماً** اور مولوی عبدالحئی مرحوم نے جوامام الکلام میں ارشاد فرمایا ہے اس میں بھی تطبیق صاف معلوم ہوتی ہے، پہلے اسعد بن زرارہ نے اجتہاد سے جمعہ قائم کیا تھا اور وہ آپ کے امر کے مطابق ہو گیا، انتہی۔

جواب

اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ عبارت اوثق العریٰ سے بجز بیان تطبیق بین الروایتین اور کیا غرض تھی یہی مطابقت اوثق العریٰ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے پھر ہم نہیں جانتے کہ مجیب کس امر کا جواب دینا چاہتے ہیں، یہ تو وہی بات ہے کہ ہم اس کو مکرر عرض کر چکے ہیں، اور ہمارے مجیب اس سے گریز فرماتے

---

۱ ابن ماجہ ص ۲۷۷، باب **مایدعو بہ الرجل اذا نظر الی اھل البلاء** (رشیدیہ دہلی)

۲ کسر العریٰ ص ۷-۸

۳ التلخیص الحبیر ج ۱، ص ۱۳۳ (مکتبۃ القاری دہلی)

تھے، صفحہ چار کی عبارت ملاحظہ فرمالیجئے کہ ہمارے مجیب نے (گو بے سمجھے) فتح الباری قسطلانی عون الباری کی عبارت بقید جلد وصفحہ ترجمہ کے ساتھ بیان فرما کر یہ اعتراض شدومد کے ساتھ کیا تھا کہ ان شراح نے جملہ **ھدانا اللّٰہ** میں دو احتمال بیان فرمائے ہیں اور اوثق العریٰ میں ان میں سے احتمال ضعیف ومرجوح لیکر اپنا استدلال قائم کیا ہے جو حسب قاعدہ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** بالکل غلط ہے، اب مجیب انصاف فرمائیں کہ وہ احتمال یہی تو تھے جن میں بحوالہ ابن حجر اور مولانا عبدالحیٔ صاحب مرحوم اب تطبیق بیان فرما رہے ہیں۔ صفحہ چار پر تو ان دونوں احتمالوں میں ایسا تعارض تھا کہ کسی کی عرض معروض اس میں مسموع نہ تھی اب صفحہ سات پر کیا مصلحت داعی ہوئی جو وہی تطبیق وعدم تعارض معروضہ سابق خود ہم کو سمجھانے بیٹھ گئے اوراق سابقہ میں ملاحظہ فرمالیجئے بالتفصیل یہ تمام قصہ موجود ہے، کسی کا قول ہم کو بالکل اپنے مناسب حال معلوم ہوتا ہے۔ شعر

ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں بھولے سے اس نے سیکڑوں وعدے وفا کئے

ہم کو کمال تعجب ہے کہ مجیب ہمارے مقابلہ میں وہ امر تحریر فرماتے ہیں کہ جو سراسر ہمارے مفید اور ہمارے دعویٰ کے مطابق ہے اور مجیب کے دعویٰ کے خلاف اور ان کے بیان سابق کی صریح معارض ہے، اس لئے ہم مجیب سلّمہ، کے اس اعتراض کو بکمال ممنونی ومشکوری منظور کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ شعر

تیری زدی وزخم دل آسودہ شد ازاں ہاں اے طبیب خستہ دلاں مرہمے دگر

الحاصل مجیب نے ایک امر بھی ایسا بیان نہیں کیا جس سے عبارت اوثق العریٰ پر کوئی خدشہ پیدا ہو بلکہ سراسر ہمارے مدعی کو تسلیم فرما رہے ہیں گو قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصدیق وتسلیم بھی مثل رد وانکار سابق بلا ارادہ اور بلا سمجھے بوجھے غالباً تحریر فرما رہے ہیں، اب بروئے انصاف ہم کو ہر چند کسی طول میں پڑنے کی اصلا حاجت نہیں مگر اظہاراً للصواب اور تنبیہاً علی خطاء المجیب یہ عرض کرتے ہیں کہ اوراق سابقہ میں بالتفصیل ہم عرض کر آئے ہیں کہ ان ہر دو روایت یعنی قصہ اسعد بن زرارہ اور قصہ مصعب بن عمیر میں بظاہر دو اختلاف معلوم ہوتے ہیں، اول یہ کہ اول جمعہ اسعد بن زرارہ نے پڑھایا جیسا کہ روایت ابوداؤد اور مصنف عبدالرزاق سے معلوم ہوتا ہے یا مصعب بن عمیر نے جیسا کہ روایت دارقطنی وغیرہ سے سمجھ میں آتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جمعہ باجتہاد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قائم ہوا جیسا کہ اول روایات سے ظاہر ہے یا بارشاد سید اولین وآخرین صلی اللہ علیہ وسلم اقامت جمعہ کی نوبت آئی جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے اور ان دونوں احتمالوں میں وجہ تطبیق بھی تفصیل کے ساتھ معروض ہو چکی ہے سو

اب قابل لحاظ یہ امر ہے کہ ہمارے مجیب نے جو اس موقع پر ثبوت تطبیق کے لئے حافظ ابن حجر اور مولوی عبدالحیؒ صاحب کی عبارت نقل فرمائی ہے، دونوں صاحبوں کی غرض جُدی جُدی ہے علامہ ابن حجر اختلاف اول کی نسبت تطبیق بیان فرماتے ہیں چنانچہ ان کے ارشاد[1] **ان اسعد کان آمرا و کان مصعب اماما** سے صاف ظاہر ہے اور مولوی عبدالحیؒ صاحب کے کلام سے البتہ اختلاف ثانی کے تطبیق کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کمامر سابقا، اور عبارت اوثق العریٰ میں جو اس موقع پر تطبیق اور رفع اختلاف بیان فرمانا منظور ہے وہ بھی یہی اختلاف ثانی ہے چنانچہ عبارت اوثق العریٰ وضاحت کے ساتھ بمالامزید علیہ اس پر ناطق ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مجیب لبیب بلا تامل وتدبر جسارت محضہ سے کام لے رہے ہیں۔

اس جواب لاجواب کے بعد مجیب بنارسی فرماتے ہیں کہ[2] یہ تطبیق بصورت تسلیم روایت دار قطنی ہے ورنہ وہ روایت ضعیف ہے مگر یہ ارشاد بھی بالکل بے محل ہے اور خلاف واقع اور ان کے کلام سابق کے جس میں دونوں قصوں کی اتحاد کا دعویٰ ابھی فرما چکے ہیں مخالف ہے چنانچہ کسی قدر اس کی تصریح اوراق سابقہ میں بھی گذر چکی ہے اور روایت دار قطنی کی صحۃ وقوت کی کیفیت بھی متصلاً معروض ہو چکی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس تقریر تطبیق میں جو اوثق العریٰ میں فرمایا تھا کہ اجتماع انصار قبل ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باجتہاد خود جو ہوا تھا وہ بطریق تنفل تھا کوئی ادنیٰ عقل والا بھی اس کو تجویز نہیں کرسکتا کہ فرض قطعی کو حضرات صحابہ بمجرد درائے منسوخ ومتروک فرما بیٹھیں، اور اس کو مسقط ظہر قرار دیں، اس لئے امر بدیہی ضروری کو ہمارے مجیب نے خیالی پلاؤ فرمایا ہے سو اس کا جواب بھی دو مرتبہ بسط کے ساتھ پہلے عرض کر چکا ہوں، اس لئے ان زوائد اور فضول امور میں اب کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ ایسی ضروری بدیہی امر کو مجیب کا خیالی پلاؤ فرمانا جب پیش نظر ہوتا ہے نہایت ہی عجیب معلوم ہوتا ہے مولانا ابوالمکارم صفحہ اٹھارہ پر خود اقرار کرتے ہیں (اور کسی امر کا فرض ہونا صحابہ کے قول سے ثابت نہیں ہوتا) یہ حضرات جمود علی الظاہر فرمائیں تو خدا کی پناہ حتی کہ تاویلات صحیحہ محفوفہ بالقرائن کی بھی شنوائی نہ ہو اور اولوالعزمیوں پر آئیں تو احکام قطعیہ اور فرائض شرعیہ کو بمجرد درائے منسوخ فرمانے کو بیٹھ جائیں اور تماشا یہ کہ باوجود اس کے دعویٰ عمل بظاہر الحدیث میں سرمو تفاوت نہ آنے پائے لیکن ایک بات یہ بھی خیال میں آتی ہے کہ مجیب سلّمہٗ نے وسط شوال میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا ہے روزہ رمضان پہلے ضرور رکھے ہی ہوں گے ادھر شوال میں صیام مسنون رکھے ہوں تو عجب نہیں ایسے موقع پر حسب مثل مشہور دو اور دو چار روٹیاں خیالی

---

[1] التلخیص الحبیر ج ۱ ص ۱۳۳ (مکتبۃ القاری دہلی)

[2] کسر العریٰ ص ۸

پلاؤ کا دل سے زبان اور قلم تک آجانا کیا مستبعد ہے۔ ع

می تراود چہ کنم آنچہ درآوند دل است

خیر مجیب بنارسی کی غلطیوں اور ان کے فضول باتوں سے پیچھا چھڑا کر اب ہم علامہ ابوالمکارم کے مواخذات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں واللہ الموفق۔

اعتراض ابوالمکارم

علامہ موصوف نے اول یہ مواخذہ کیا ہے کہ قصہ[1] اسعد بن زرارہ آپ کے دعویٰ کے خلاف ہے کیونکہ شارحین نے اس واقعہ کو اجتہادی قرار دیا ہے۔

جواب

مجیب سے کوئی پوچھے کہ اس قصہ کے اجتہادی ہونے سے ہمارے مدعیٰ میں کیا خلل پیدا ہوتا ہے اور اوثق العریٰ میں اس کا کب انکار کیا ہے جس عبارت پر وہ مواخذہ کرنا چاہتے ہیں خود اسی عبارت اوثق العریٰ کو آنکھیں کھول کر دیکھ لیں کہ اجتہاد مذکور کو اس میں تسلیم فرمایا ہے یا نہیں، مجیب کا یہ ارشاد عبارت اوثق العریٰ پر نہ اعتراض ہے نہ مواخذہ۔

بہتان، تہمت، افترا کہئے تو مضائقہ نہیں ہم مکرر عرض کر چکے ہیں کہ مرسل ابن سیرین اور روایت ابن عباس مذکورہ سابقہ وغیرہ میں بظاہر تخالف معلوم ہوتا ہے اسی کی تطبیق اوثق العریٰ میں اس موقع پر بیان فرمانے منظور ہے اور وہی تطبیق شارحین بخاری فرما رہے ہیں پھر اس کو ہمارے مقابلہ میں پیش فرمانا باعلی ندا، یہی کہہ رہا ہے کہ مولانا مجیب یعنی ملا معترض عبارت اوثق العریٰ کے مطلب سے بالکل غافل یا متغافل ہیں مگر سب پر روشن ہے کہ ایسے اعتراض پیش کرنا کہ جن کی بنا غفلت اور جہالت پر ہو، نادان دشمن کا مصداق بننا ہوتا ہے جس سے بجائے ضرر منفعت کی توقع ہوتی ہے۔

اعتراضِ ثانی

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اوپر[2] کی تقریروں سے آپ کی یہ تقریر محض فضول و بیکار ہے اس واسطے کہ اس کی بحث گذر چکی ہے کہ جمعہ کے فرضیت قبل الہجرۃ بذریعہ وحی بھی نہیں، انتہی۔

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۳

[2] ہدایۃ الوریٰ ص ۳

جواب

بیشک گذر چکی ہے مگر صرف اسی قدر کہ مجیب ممدوح کو فرضیت قبل الہجرۃ سے انکار ہے، اور جو روایات فرضیت قبل الہجرۃ میں وارد ہیں ان کی تضعیف و جہالت پر اصرار مگر نہ انکار کی کوئی وجہ اور نہ دعوی تضعیف کی کوئی دلیل اور ہم شروع رسالہ میں روایات مذکورہ کی بحث میں بحمد اللہ تفصیل کے ساتھ اس مرحلہ کو طے کر چکے ہیں۔

اعتراض

اس کے بعد پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم[1] حضرت شوق کے جواب میں بحوالہ اقوال علماء ثابت کر چکے ہیں کہ ان تمام روایتوں کا واقعہ ایک ہے، یعنی روایات قصہ اسعد بن زرارہ اور قصہ مصعب بن عمیر ایک ہے واقعہ میں وارد ہیں اور جب ان تمام روایات کا واقعہ ایک ہے تو تعارض ظاہر ہے اب دیکھیں دفع تعارض میں آپ کی تقریر کیا ہوتی ہے۔ انتہی بمضمونہ

جواب

ہمارے مجیب معترض نے اب تلک جو فرمایا تھا یا افترائے محض تھا یا ادعائے خلاف واقع جس کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ ہم پر کیا اعتراض ہوا اور کس امر کے جواب دہی ہم پر لازم ہوئی مگر الحمد للہ کہ یہاں تو ایسی بات تحریر فرمائی کہ جس سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ ہم سے وجہ تطبیق بین الروایات کا سوال کیا جاتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گیا کہ جوش اعتراضات واشتیاق تردید نے ایسا بے خود کر رکھا ہے کہ محسوسات سے بھی غفلت ہے، ہم نے اسی لئے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مجیب کے لقب میں سے حرف تاء کم کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے اس تغافل و اعراض کا کیا ٹھکانہ ہے کہ عبارت اوثق العریٰ جس کا رد فرما رہے ہیں اس میں وجہ تطبیق بین الروایات صریح موجود ہے بلکہ عبارت مذکورہ سے خاص بیان تطبیق ہی مقصود ہے اور اس پر ہمارے مجیب دقیق الفہم غائر النظر فرماتے ہیں دیکھیں دفع تعارض میں آپ کی تقریر کیا ہوتی ہے، خوب شعر

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا

ہم متعجب ہیں کہ مجیب اول ابن حجر اور مولانا عبد الحئ کی عبارات سے تطبیق ثابت فرما کر بے وجہ دھمکانے کو

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۳، ہمارے پیش نظر نسخہ میں عبارت قدرے مختلف ہے۔

موجود تھے اب مجیب ثانی ہم سے طالب تطبیق ہو رہے ہیں بروئے انصاف ان کے اس سوال کا یہی پورا جواب ہے کہ بے دیکھے اور بلا سمجھے کسی امر کا رد و انکار کرنا عقل و آدمیت کے خلاف ہے ان کے استفسار کا جواب خود اسی عبارت میں بالتصریح موجود ہے، اس کو دیکھ کر اور سمجھ کر جو فرمانا ہو فرمائیں اور ہم جو اوراق سابقہ میں بسط و وضاحت کے ساتھ مکرر اس تطبیق کو بیان کر چکے ہیں اس کو بھی بنظر فہم ملاحظہ فرمالیں، لیکن حضرت مجیب کی خاطر بھی عزیز ہے اوراق سابقہ پر فقط حوالہ کر دینے اور اس موقع پر ان کے سوال کو بلا جواب خالی چھوڑنے سے ہم کو بھی فی الجملہ حیا آتی ہے اس لئے کہ گو طول ہو مگر سیرۃ حلبیہ کی ایک عبارت مبسوط نقل کئے دیتے ہیں وہو ھٰذا وعن[1] ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما اذن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لھم قبل الھجرۃ ای قبل ان یھاجر صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی اقامۃ الجمعۃ ای فلم یفعلوھا باجتھاد بل باذنہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتب الی مصعب بن عمیر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ اما بعد فانظر الیوم الذی تجھر فیہ الیھود بالزبور بسبتھم ای الیوم الذی یلیہ یوم السبت فاجمعوا نسائکم وابنائکم فاذا مال النھار عن شطرہ فتقربوا الی اللّٰہ برکعتین فجمع مصعب بن عمیر عند الزوال ای صلی الجمعۃ حتی قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای استمر علٰی ذٰلک حتی قدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھٰذا یدل علٰی انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عین لھم ذٰلک الیوم وھو خلاف قولہ السابق فھداکم اللّٰہ لہ الظاھر فی ان ھدایتھم لہ باجتھاد منھم ویدل لہ ماروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما باسناد صحیح ان الانصار قالوا ان للیھود یوما یجتمعون فیہ کل سبعۃ ایام وللنصاریٰ مثل ذٰلک فھلم فلنجعل یوما نجتمع فیہ فنذکر اللّٰہ ونصلی ونشکرہ فجعلوہ یوم العروبۃ ای لانہ الیوم الذی وقع فیہ خلق آدم الذی ھو مبدأ ھٰذا الجنس وجعل فیہ فناء الخلق وانقضاء ھم اذ فیہ تقوم الساعۃ ففیہ المبدأ والمعاد اذ ھو المروی عن ابن عباس یقتضی ان الانصار اختاروہ باجتھاد منھم الا ان یقال لا مخالفۃ لانہ یجوز ان یکون ھٰذا العزم علٰی ذٰلک حصل منھم اولا ثم ارسلوا لہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یستاذنوہ فی ذٰلک فاذن لھم فیہ فقد جاء الوحی موافقۃً لما اختاروہ انتھٰی اور بعض دیگر اہل سیر و مفسرین نے بھی اس تطبیق کو منقول و منظور فرمایا ہے، اس عبارت کو بنظر فہم و انصاف ملاحظہ فرمالیں، مجیب کے سوال کا جواب مع دیگر امور مفیدہ اس میں موجود ہیں حتی کہ جس

[1] سیرۃ حلبیہ ج ۲، ص ۱۳، مطبع محمد آفندی مصطفی مصر

روایۃ ابن عباس کی فقط اتنی بات پر تضعیف کی جاتی تھی کہ شارحین نے اس کی صحۃ کی تصریح نہیں فرمائی اس روایۃ کے صحۃ کی تصریح بھی اس عبارت میں موجود ہے والحمدللہ، اور اگر حسب العادت ہم سے عہدہ برا ہونے کی غرض سے اہل تفسیر واہل سیر ومغازی کو بھی آنکھیں دکھلانے کی ضرورت پیش آئے تو اس کام کو ذرا سوچ سمجھ کر کیا جائے ایسا نہ ہو کہ کنوئیں کی فکر میں کھائی کا خیال نہ رہے، اور **من حفر بئرًا لاخیه فقد وقع فیه** کا بھی ضرور فکر رہے اور یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ مفسرین واہل سیر کے ارشاد کا مبنیٰ کیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ جیسے بے دیکھے بھالے روایت ابن عباس منقولہ قاضی شوکانی وغیرہ کا انکار کر دیا تھا ایسا ہی ان حضرات کے مقابلہ میں بلا وجہ اور بلا تدبر محض لانسلم سے کام لیا جائے اور جو امور اس تطبیق کے متعلق صفحات گذشتہ میں ہم عرض کر چکے ہیں ان کو بھی دیکھ لیا جائے تو انشاءاللہ فائدہ سے خالی نہیں آئندہ آپ کو اختیار ہے — **وما علینا الا البلاغ** —

تقریر اوثق العریٰ

ان جملہ روایات مذکورہ سابقہ اور تطبیق بین الروایات سے فراغت پا کر اوثق العریٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ اب یہ امر تو محقق ہو گیا کہ فرضیت جمعہ مکہ معظّمہ میں ہو چکی تھی لیکن بوجہ مجبوری وہاں اقامۃ جمعہ سے تعذر رہا اور مدینہ طیبہ میں بسبب تحقق مصریۃ وتمکن اہل اسلام حسب الامر حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ برابر جاری رہا اور عوالی مدینہ مثل قبا وغیرہ میں باوجود کثرت وتمکن اہل اسلام اقامت جمعہ کی نوبت نہ آئی نہ ہجرت سے پہلے نہ بعد میں۔ جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ قریٰ محل اقامت جمعہ نہیں کیونکہ مثل مکہ مکرمہ عوالی مدینہ میں عذر عدم تمکن کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا اس لئے بالیقین یہی کہنا پڑے گا کہ بوجہ عدم مصریت قبا ودیگر عوالی میں نہ آپ نے وہاں اقامت جمعہ کا امر فرمایا نہ کبھی وہاں کسی نے جمعہ ادا کیا جس سے کھلم کھلا یہ امر محقق ہو گیا کہ قریٰ محل اقامت جمعہ ہرگز نہیں، انتھی بتفصیل یسیر۔

اب اس کے جواب میں فاضل بنارسی نے تو اس کے جواب کا وعدہ آئندہ پر حوالہ فرمایا ہے اور کہتے ہیں کہ عوالی کی بحث انشاءاللہ آگے آئے گی، لیکن مولوی محمد علی صاحب نے یہاں بھی بزور قوت رادّہ جو غالبًا جملہ قویٰ پر غالب ہے تین اعتراض پیش فرمائے۔

سوال از ابوالمکارم

اول[1] یہ کہ عوالی میں جمعہ کا نہ ہونا عہد نبوی میں مسلم ہے لیکن یہ دعویٰ کہ عوالی محل اقامت جمعہ نہ تھی

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۴

اس پر کیا دلیل ہے؟ انتھی۔

جواب

جناب ہمارا مدعیٰ تو فقط یہی تھا کہ بعد فرضیت جمعہ بھی کبھی عوالی میں اقامت جمعہ کی نوبت نہیں آئی سو بحمد اللہ ہمارے مجیب منصف نے بالتصریح اس کا اقرار فرمالیا آگے رہی یہ بات کہ حسب ارشاد مجیب اسی سے عوالی کا محل اقامت جمعہ نہ ہونا کیونکر ثابت ہوگیا تو اس کو اہل فہم انشاء اللہ خود سمجھ لیں گے، اس بدیہی امر کے لئے ہم کو خامہ فرسائی کرنے کی حاجت نہیں، لیکن اہل انصاف اتنا ملاحظہ فرمالیں کہ جب یہ امر محقق ہوگیا کہ قبا اور دیگر عوالی میں کبھی صلوٰۃ جمعہ ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی تو آخر اس کی کوئی وجہ تو ہونی چاہئے، ظاہر ہے کہ اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو اہل عوالی پر جمعہ فرض ہی نہ ہو بلکہ مسنون ومشروع بھی نہ ہو تو فہو المراد، یا یہ کہا جائے کہ باوجود فرضیت ومشروعیت نہ آپ نے کبھی ان کو اقامت جمعہ کا امر فرمایا اور نہ انہوں نے کبھی جمعہ قائم کیا مگر ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جس کے بارے میں علماء مجنون یداوی اوزندیق فیقتل ارشاد فرماتے ہیں باقی کسی وہمی کا یہ خیال جمانا کہ شاید جملہ اہل عوالی ہر ایک جمعہ کو مسجد نبوی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام حاضر ہوتے ہوں گے عادۃً محال اور مشاہدہ کے بالکل خلاف ہے اور خود روایت حدیث کی بھی دو وجہ سے خلاف ہے، اول اس وجہ سے کہ احادیث سے بعض اہل عوالی کا آنا اور بعض کا نہ آنا معلوم ہوتا ہے کما سیجئ۔

ثانی اس وجہ سے کہ اپنی مسجد بلکہ جملہ مساجد کو نماز وجماعت سے بالکل معطل کر کے نماز ادا کرنے کے لئے دوسرے موضع پر چلا جانا شرعاً غیر محمود سمجھا گیا ہے پھر ایسے امر مستحیل ومخالف وغیر مستحسن کا کون عاقل قائل ہوسکتا ہے اور عقل ونقل سب کو پس پشت ڈال کر ایسی بات اگر کوئی کہے بھی تو کب قابل التفات ہوسکتی ہے

سوال دویم

دوسرا اعتراض اس عبارت اوثق العریٰ پر یہ فرماتے ہیں کہ قبا حسب[1] تحریر صاحب درالمختار وصاحب ردالمحتار رفناء مدینہ میں داخل ہے جس کی بحث تمام وکمال بجواب حضرت شوق گذر چکی ہے، اور رفناء مصر کا محل اقامت جمعہ ہونا آپ کو بھی مسلم ہے تو اب آپ کے مشرب کی موافق بھی قبا میں مثل مدینہ اقامت جمعہ ضروری ہوئی کیونکہ قبا مدینہ طیبہ سے دو میل سے کچھ زائد ہے اور فناء مصر آپ کے یہاں ایک فرسخ تلک

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۴، عبارت میں قدرے اختلاف ہے، مفہوم ایک ہے۔

ہے درمختار میں ہے **والمختار**[1] **للفتوٰی تقدیرہ بفرسخ ذکرہ الولوالجی** بلکہ صاحب ردالمختار کے نزدیک اس سے بھی زائد ہے تو جب جمعہ مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہو چکا تھا تو پھر کیا وجہ کہ قبا میں جمعہ نہ ہو، انتہی بتفصیل۔

جواب

اقول واستغفر اللہ ہم نے حسب الارشاد مجیب علام حضرت شوق کے جواب کو ملاحظہ کر کے ان کی تمام تقریر کا لب لباب نکال کر توضیح کے ساتھ عرض کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ ہمارے مجیب مجبور ہو کر اپنے اعتراض والزام میں ہم کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ امر تو وہ ابھی تسلیم فرما چکے ہیں کہ عوالی میں تمام عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کبھی جمعہ نہیں ہوا جس سے ہمارا مدعی صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کما مر، تو اب بروئے انصاف مجیب کے ذمہ لازم تھا کہ وہ اس عدم اقامت جمعہ فی العوالی کی کوئی وجہ وجیہ اپنے مشرب کے موافق بیان فرماتے، لیکن جب کسی وجہ سے وہ اس کے بیان سے مجبور ہوئے تو اب یہی کرنا پڑا کہ کسی طرح ہم کو ہی اپنے الزام میں شریک بنا کر ایک قسم کی سبکدوشی حاصل کریں اس لئے روایات حدیث سے مایوس ہو کر ہمارے الزام کے لئے عبارت کتب فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، جس کی بدولت گو ان پر اعتراض جوں کا توں قائم رہا مگر ہمارے مواخذہ سے سبکدوش ہو بیٹھے افسوس اوثق العریٰ میں تو جو کچھ تحریر فرمایا ہے سب بحوالہ روایات معتبرہ حدیث تحریر فرمایا ہے مدعیان اتباع حدیث کو لازم تھا کہ بروئے روایات حدیث تطبیق وتوفیق کی عمدہ صورت نکالتے اور جو امر اوفق بالحدیث ہوتا اس کو معمول بہ بناتے ان کو زید وعمرو کے اقوال سے کیا بحث تھی۔ کیا تو یہ کیا کہ اصل مقصود سے منہ پھیر کر فقط ہماری زبان بندی اور الزام دہی کی غرض سے ایک دو روایت فقہی کا حوالہ دیکر یہ جا وہ جا، جس سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ یہ تمام زور شور بغرض اتباع سنت ہرگز نہیں بلکہ محض اوروں کی سب وتبرا کی غرض سے ہے، **لا لحبّ عليٍّ بل لبغض معوية** کا قصہ ہے تو اب اگر تمام امور سے قطع نظر کر کے مجیب کے ارشاد کو ہم تسلیم بھی کر لیں تو یہ خلاصہ ہوگا کہ مجیب پر مخالفت حدیث کا الزام اور ہم پر فقط روایت مذکورہ درمختار کے خلاف کا جرم قائم ہوگا جس کو دیکھ کر **الحمد**[2] **للّٰه الذی عافانی مما ابتلاك به و فضلنی علٰی کثیر ممن خلق تفضیلا**

[1] درمختار باب الجمعہ جلد اول ص ۵۹۱، مکتبہ ماجدیہ پاکستان

[2] ابن ماجہ ص ۲۷۷، باب ما یدعو بہ الرجل اذا نظر الیٰ اہل البلاء (رشیدیہ دہلی)

کہنے کو بے ساختہ دل چاہتا ہے اور اگر انصاف وفہم سے کام لیا جائے تو تھوڑی توجہ سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ ہمارے مجیب نے حسب العادۃ یہاں بھی قلت فہم وایجاد واختراع سے پورا کام لیا ہے اور کتب کو جانے دیجئے اگر ردالمحتار جس کا حوالہ نقل فرمارہے ہیں اسی کو ملاحظہ فرمالیتے تو غالبًا اس اعتراض کے فرمانے کی نوبت نہ آتی، صاحب ردالمحتار کی تمام تقریر وتحقیق کو ہضم فرماکر مولوی ظہیر احسن صاحب شوق کے جواب میں فقط اتنا تحریر فرمایا (بلکہ صاحب ردالمحتار کے نزدیک اس کی حد اس سے بھی زیادہ ہے، ص ۵۳۷ ملاحظہ ہو) مجیب سلّمہٗ نے اتنا بھی خیال نہ فرمایا کہ ردالمحتار کوئی نادرالوجود اور کمیاب کتاب نہیں جو پردہ پوشی کی توقع کی جاتی سو بروئے انصاف ہم کو اسی قدر جواب دینا کافی ہے کہ مجیب ردالمحتار کی عبارت دکھلائیں کہ انہوں نے فرسخ سے زائد کی تحدید کہاں اور کس طرح بیان فرمائی ہے مگر مجیب کے فہم ودیانت کے اظہار اور ناظرین کے اطمینان کی غرض سے ہم ہی بمجبوری اس طول کو اپنے ذمہ لیتے ہیں، سنئے متن درالمختار یعنی تنویر الابصار میں فناء مصر کی یہ تعریف کی ہے **وهو[1] ما اتصل به لاجل مصالحه** صاحب درالمختار اس کی شرح میں فرماتے ہیں **کدفن[2] الموتیٰ ورکض الخیل والمختار للفتویٰ تقدیره بفرسخ ذکره الولوالجی** اس سے اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ اصل مذہب یہی ہے کہ فناء مصر وہ ہے کہ جس موضع سے وہاں کے باشندوں کے مصالح واغراض مثل مقابر وغیرہ متعلق ہوں کسی مقدار ومسافت خاص کی تحدید نہیں ہاں بعض علماء متاخرین نے اپنی رائے اور تجربہ سے اس کی تحدید ایک فرسخ کے ساتھ مناسب سمجھی ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ علماء اس تحدید کو اصل مذہب قرار دیتے ہیں جیسے ماء کثیر کی تحدید علماء احناف نے پیمائش وغیرہ سے اور قلتین کی تحدید شوافع وغیرہ نے مشکوں سے اور وزن سے اور عمل کثیر کی تحدید نماز میں اور لقطہ کی تحدید اور مدت تعریف کی تعیین سارے جہاں نے کی ہے **کما حققه المحققون** اب اس کی تشریح اور تحقیق میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **اعلم[3] ان بعض المحققین من اهل الترجیح اطلق الفناء عن تقدیره بمسافةٍ وکذا محرر المذهب الامام محمد** جس کا صاف یہ مطلب ہے کہ مقرر ومحقق مذہب حنفیہ امام محمد اور دیگر بعض محققین اہل ترجیح نے فناء مصر کی وہی تعریف مذکور قائم فرمائی ہے اور کسی مسافت معینہ کے ساتھ قلیل ہو یا کثیر اس کی تحدید نہیں کی اس کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں **بعضهم[4] قدره بها وجملة اقوالهم فی تقدیره**

---

[1] درمختار، باب الجمعہ جلد اول ص ۵۹۱ (مکتبہ ماجدیہ پاکستان)

[2] درمختار، باب الجمعہ جلد اول ص ۵۹۱، (مکتبہ ماجدیہ پاکستان)

[3] حوالہ مذکورہ

[4] حوالہ مذکورہ

ثمانیة اقوال او تسعة یعنی بعض دیگر علماء نے فناء مصر کے لئے مسافت معین فرمائی ہے اور دربارۂ تحدید مسافت ان کے آٹھ یا نو قول ہیں پھر شارح موصوف نے ان جملہ اقوال کی تفسیر بیان کی ہے۔ منجملہ ان اقوال کے ایک وہ قول بھی ہے جس کی وجہ سے ہمارے مجیب پنساری بن بیٹھے ہیں، اس کے بعد فرماتے ہیں والتعریف[1] احسن من التحدید لا یوجد ذٰلک فی کل مصر وانما ھو بحسب کبر المصر وصغرہ بیانہ ان التقدیر بغلوۃ او میل لا یصح فی مثل مصر لان القرافة والترب التی تلی باب المصر یزید کل منھما علی فراسخ من کل جانب نعم ھو ممکن لمثل بولاق فالقول بالتحدید بمسافةٍ یخالف التعریف المتفق علیٰ ماصدق علیه بانه المعد لمصالح مصر فقد نص الائمة علیٰ ان الفناء ما اعد لدفن الموتی وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیر ذٰلک تھوڑا سا اور بیان فرما کر پھر اخیر میں لکھتے ہیں فظھر ان التحدید بحسب الامصار انتہٰی

اب اس عبارت علامہ شامی کو ملاحظہ فرمانا چاہئے جس سے بوضاحت یہ معلوم ہوگیا کہ فنائے مصر کے لئے کوئی مقدار خاص ہرگز معین نہیں اور مقدار کا معین کرنا قول ائمہ کے خلاف اور ان کی تعریف متفق علیہ کی مخالف ہے بلکہ فناء کی کمی زیادتی شہر کے بڑے اور چھوٹے ہونے پر ہوتی ہے تو اب ظاہر ہوگیا کہ بعض شہروں کا فناء فرسخ اور فراسخ تلک پہنچ سکتا ہے اور بعض کا میل اور میلین تلک بھی نہ پہنچے گا بلکہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شہر واحد کا فنا بھی ہر ایک جانب سے متساوی ہونا ہرگز ضروری نہیں، تعلق مصالح ایک جانب دور تلک ہو اور دوسری جانب تعلق مصالح اور ضروریات اہل شہر اتنی دور تلک ہونا ضروری نہیں جو مساوات مذکورہ ضروری سمجھی جائے اب انصاف سے دیکھئے کہ مجیب معترض نے اول تو یہ کمال کیا کہ اصل مذہب اور تعریف متفق علیہ یعنی ما اعد لمصالح مصر اور ارشاد ائمہ کو یک لخت نظر انداز فرمایا اور سب کا خلاف فرما کر قول مرجوح یعنی تحدید فنا بالمسافت کی طرف مائل ہوئے پھر دربارہ تعیین بالمسافت جو آٹھ یا نو قول ہیں ان میں سے بلاوجہ وجیہ ایک کو معین فرمالیا حالانکہ دیگر اقوال میں سے اکثر ان کے بیان فرمودہ تحدید کی مخالف ہیں، کوئی پوچھے کہ ایسی تحدید ضعیف مخالف اصل مذہب سے ہم پر کس طرح الزام قائم ہوسکتا ہے ہم کو تعجب آتا ہے کہ ہمارے مجیب نے صاحب ردالمختار کی تمام تفصیل و تحقیق سے قطع نظر فرما کر فقط اتنا جزو پسند فرمالیا کہ بڑے بڑے شہروں کے لئے جیسا کہ مصر ہے علامہ موصوف نے فرسخ اور فراسخ تلک فنا تجویز کیا ہے مگر اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ بعض شہروں کے لئے میل اور میلین تلک بھی ان کے ارشاد کی

---

[1] حوالہ مذکورہ

بموجب فنا نہ ہوگا، اس کے بعد یہ امر قابل لحاظ ہے کہ در بارۂ تحدید فنا مصر اقوال فقہاء میں جو کچھ خلاف ہے مستقل مواضع اور آبادی میں اس میں ہرگز داخل نہیں، یعنی عوالی و جوانب مصر میں جو صحرا اور میدان ہوتے ہیں فقط ان کی نسبت یہ اختلاف ہے باقی وہ قریٰ جو شہروں کے گرد آباد ہوتے ہیں قریب ہوں یا بعید اور عرف میں وہ قریٰ مستقل آبادی اور گاؤں شمار ہوتے ہیں یعنی کسی شہر کا جز و اور اس کا محلّہ نہیں سمجھے جاتے ایسے قری سے اختلاف کو کوئی تعلق نہیں، حاشا وکلا جو کوئی فقیہ بھی ایسی قریہ مستقل کو فنائے مصر فرماتا ہو بلکہ بلا خلاف وہ فنائے مصر سے بالکل خارج اور اجنبی ہے خواہ شہر سے قریب ہو یا بعید چنانچہ یہ امر ہر اہل فہم پر خود ظاہر ہے اور کتب فقہیہ میں موجود۔ عبارت ردالمحتار کو ملاحظہ فرمالیجئے انہیں کی اخیر عبارت جو ہمارے منقولہ عبارت کے بعد میں مذکور فرمائی ہے اس مضمون کو بتلا رہی ہے تو اب ہم اپنے مجیب کو خوب وسعت دیتے ہیں کہ اقوال مذکورہ فقہاء میں سے آپ کو جونسا قول مفید مدعی نظر آئے بلا تامل اور بلا دلیل اس کو اختیار فرمالیجئے ہماری طرف سے اجازت ہے مگر اتنی عرض یاد رکھئے کہ ان اقوال کو قریٰ مستقلہ اور مواضع منفردہ سے کوئی تعلق نہیں جو آپ کو ان اقوال سے کسی قسم کا نفع پہنچ سکے کیونکہ قبا تمام عالم کے نزدیک نہ صحرا ہے نہ میدان ہے نہ مدینہ طیبہ کے کسی محلّہ کا نام ہے نہ ضروریات اہل مدینہ اور ان کے حوائج و مصالح مثل مقابر و رکض خیل وغیرہ اس سے متعلق بلکہ ایک آبادی مستقل اور موضع منفرد ہے پھر اس کو فنائے مدینہ کون عاقل کہہ سکتا ہے تو اب ہمارے مجیب قول ولوالجی منقول درمختار کو ہی اختیار فرمائیں ہم کو بھی مسلم ہے لیکن قبا کا فنائے مدینہ منورہ ہونا اس سے قیامت تلک انشاء اللہ ثابت نہ ہوسکے گا کیونکہ قبا موضع مستقل ہے جس میں فقہاء کو کسی قسم کا خلاف ہی نہیں اور مبحث سے بالکل خارج ہے اور اسی تقریر سے بشرط فہم یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ قریہ مستقل جیسا کسی کے نزدیک فنائے مصر میں داخل نہیں ہوسکتا ایسا ہی قریہ کے جمیع مصالح اور ضروریات بھی مثل مقابر وغیرہ ہرگز فنائے مصر نہیں ہوسکتے، جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ نہ قباء فنائے مدینہ ہوسکتا ہے اور نہ اس کے توابع اور مصالح مذکورہ جن کو فناء قباء کہنا چاہئے فناء مدینہ میں شمار ہوسکتے ہیں، یہ ہمارے مجیب معترض کی دیانت اور خوش فہمی کا ثمرہ ہے جو ایسی روایات مرجوحہ سے اور وہ بھی بے سمجھے ہم پر الزام قائم کر کے احادیث معتبرہ سے جان چرانا چاہتے ہیں، ہیہات ہیہات مگر تماشا یہ ہے کہ مجیب نے مولانا ظہیر احسن صاحب کے مقابلہ میں یہ تقریر جس کی کیفیت مفصلاً عرض کر چکا ہوں تحریر فرما کر نہایت مسرت و فخر ظاہر فرمایا ہے، حتی کہ اخیر میں فرماتے ہیں دیکھیں اس پھندے سے مولف کیونکر بے داغ نکل جاتے ہیں خیر زیادہ عرض کرنا تو فضول ہے لیکن ہمارے مجیب اگر عبارت فقہائے اور ہمارے معروضات کو بنظر فہم ملاحظہ فرمائیں گے تو ان کو ہمارے اور مولانا ظہیر احسن کے بے داغ نکل

جانے کا ہی افسوس نہ ہوگا عجیب نہیں جو مصرعہ ”تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم“ کہنے کی نوبت آجائے۔ والعلم عنداللہ۔

تیسرا اعتراض

مجیب موصوف عبارت سابقہ اوثق العریٰ پر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ تقریر آئندہ[1] اور تقریر صفحہ گیارہ اور بارہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک قریہ کبیرہ محل اقامت جمعہ ہے اور جب قریہ کبیرہ میں آپ کے نزدیک اقامت جمعہ درست ہے تو قباء میں بھی اقامت جمعہ درست ہونی چاہئے کیونکہ قبا قریہ کبیرہ ہے جیسا کہ حضرت شوق کے جواب میں ہم اس کو ثابت کر چکے ہیں، انتہی۔

جواب: ہمارے مجیب سلّمہٗ تو اکثر مواقع میں کچھ بولتے ہی نہیں فقط اشاروں سے کام لیتے ہیں۔ ع

کم بولنا ادا ہے ہر چند پر نہ اتنا

مگر وہ ایسا نہ کرتے تو صرف پانچ ورق مختصر پر دو دو چار چار سطر کے بعد قال اقول جلی قلم سے تحریر فرما کر تمام اوثق العریٰ کی تردید کا فخر کیونکر حاصل کر لیتے لیکن ہم بھی ان کے اشاروں پر چلتے ہیں، الحمدللہ کہ ہمارے پاس اوثق العریٰ اور جواب حضرت شوق دونوں موجود ہیں اس لئے حسب ارشاد مجیب ہم نے دونوں کو دیکھا مجیب علام نے اس اعتراض میں کل دو باتیں تحریر فرمائی ہیں، اول یہ کہ اوثق العریٰ کی عبارت مندرجہ صفحہ گیارہ و بارہ سے واضح ہے کہ قریہ کبیرہ محل اقامت جمعہ ہے دوسرے یہ کہ قبا قریہ کبیرہ ہے تو اب ان دونوں باتوں سے یہ نتیجہ صاف نکل آئے گا کہ قبا عندالحنفیہ بھی محل اقامت جمعہ ہے جس سے حاصل یہ ہوگا کہ جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبا میں جمعہ ادا نہ فرمانے کا، اشکال صرف مجیب ہی کے مشرب پر وارد نہ ہوگا بلکہ ہم بھی اس الزام میں شریک ہو جائیں گے، سو اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ ہمارے نزدیک صحۃ جمعہ کے لئے چونکہ مصر کا ہونا ضروری ہے چنانچہ تمام متون شروح میں مصر کو شرط جمعہ بیان کیا ہے تو اس سے یہ امر معلوم ہوتا تھا کہ جس موضع پر اطلاق مصر نہ کیا جائے گا خواہ وہ کتنا ہی بڑا موقع ہو وہاں عندالحنفیہ جمعہ درست نہ ہوگا، کیونکہ اس کو عرف میں مصر نہیں کہتے بلکہ قریہ کہتے ہیں اس لئے شامی وغیرہ میں اس امر کی تصریح کر دی کہ قصبات اور قریٰ کبیرہ میں بھی جمعہ درست ہے جس سے واضح ہو گیا کہ فقہاء نے جو مصر کی شرط لگائی ہے ان کی غرض یہ ہے کہ فقہاء کی تعریف کی بموجب مصر ہونا ضروری ہے، یہ ضروری نہیں کہ عرف میں بھی اس پر اطلاق مصر ہوتا ہو یعنی فقہاء نے جو اقامت جمعہ کے لئے مصر کو ضروری کہا ہے اس

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص۴

سے مراد مصر شرعی مصطلحہ فقہاء ہے، یہ ہرگز نہیں کہ عرف میں بھی ضرور اس کو مصر کہتے ہوں تو اب جس موضع پر تعریف مصر مصطلحہ علماء صادق آئے گی وہاں اقامت جمعہ صحیح ہوگی عرف میں خواہ اس کو مصر کہتے ہوں خواہ قصبہ خواہ قریہ کہتے ہوں اور یہ بات بھی اہل فہم کو معلوم ہوگئی کہ فقہاء کے نزدیک قریہ کبیرہ سے مقصود یہ ہے کہ تعریف مصر بیان فرمودہ علماء جس پر صادق آتی ہو وہ قریہ کبیرہ ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس کو بالاضافۃ الی الغیر بھی اہل عرف بڑا گاؤں کہہ دیں یا کسی کتاب لغۃ میں جس کی نسبت قریہ کبیرہ لکھ دیا ہو وہاں بھی مطلقاً عند الحنفیہ جمعہ درست ہو جائے گا جو ہمارے مجیب خلاصۃ الوفا میں قریہ کبیرہ دیکھ کر حنفیہ پر قبا میں حجۃ اقامت جمعہ کا الزام لگانے کو تیار ہو گئے، بالجملہ ہماری عرض سے اہل فہم پر واضح ہو گیا ہوگا کہ مجیب نے جو خلاصۃ الوفا سے قبا قریہ کبیرہ نقل کیا تھا اور اس کے ساتھ **و القریۃ الکبیرۃ تصح الجمعۃ فیھا عند الاحناف** لگا کر یہ نتیجہ نکالا تھا **فالقبا تصح الجمعۃ فیھا عند الاحناف** یہ بالکل ان کا مغالطہ ہے کیونکہ صغریٰ میں قریہ کبیرہ لغوی اضافی مراد ہے اور کبریٰ میں قریہ کبیرہ مصطلحہ فقہاء جس پر حد مصر بیان فرمودۂ علماء صادق آتی ہو مقصود ہے اور اگر کبریٰ میں بھی قریہ کبیرہ عرفی اور اضافی ہی مراد لیا جائے تا قریہ کبیرہ عرفی اضافی اور شرعی اصطلاحی دونوں سے عام مراد لیا جائے تو اس صورت میں حد اوسط تو بے شک مکرر ہو جائے گی لیکن کلیۃ کبریٰ کی بطلان میں بھی کوئی تردد باقی نہ رہے گا کما ہو ظاہر۔

الحاصل، جس قریہ پر تعریف مصر بیان فرمودہ فقہاء صادق نہ آئے گی وہاں جمعہ درست نہ ہوگا، خواہ اس کو عرف میں قریہ صغیرہ کہتے ہوں یا کبیرہ، اصل مقصود سے فراغت پا کر اب ہم مجیب کے ان دو امروں پر جو اوپر معروض ہو چکے ہیں عرض کرتے ہیں۔ امر اول یعنی مجیب کا یہ فرمانا کہ عبارت اوثق العریٰ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قریہ کبیرہ محل اقامت جمعہ ہے محض خیالی اور بے اصل بات ہے انشاء اللہ تمام رسالہ میں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں بتلا سکتے کہ جس سے قریہ کبیرہ متعارفہ کا محل اقامت جمعہ ہونا ظاہر ہو چونکہ اہل حدیث نے اپنے فتوؤں میں صاف یہ تحریر فرمایا ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو جمعہ پڑھنا فرض ہے، اس لئے صفحہ گیارہ پر تو یہ فقرہ اوثق العریٰ میں موجود ہے (اور جہاں قریہ کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں مراد مدینہ ہے حسب لغت قرآن نہ قریہ صغیرہ) الیٰ آخرہٖ اس فقرہ سے یہ اختراع کرنا کہ قریہ کبیرہ معروفہ اہل عرف کا محل اقامت جمعہ ہونا اوثق العریٰ کی عبارت سے ظاہر ہے دو اور دو چار روٹیوں سے بھی زائد لغو اور بیہودہ ہے افسوس اس کا بھی خیال نہ فرمایا کہ اس عبارت میں قریہ صغیرہ مدینہ کے مقابلہ میں مذکور ہے نہ قریہ کبیرہ کے، طرفہ یہ کہ اس صفحہ میں چند سطر بعد یہ فقرہ بھی موجود ہے (لہٰذا کسی قریہ میں کبھی کسی نے جمعہ قائم نہ کیا اور اگر کسی شخص کو اس کا دعویٰ ہو کہ وہاں جمعہ ہوتا تھا تو اس کو ثابت کرے) جس سے

بالتصریح جملہ قریٰ مذکورہ میں اقامت جمعہ کی صاف نفی فرمائی جاتی ہے، اور صفحہ بارہ میں یہ عبارت ہے (پس ان دلائل واضحہ سے ہر اہل انصاف پر مثل آفتاب روشن ہو گیا کہ نہ قریٰ صغیرہ میں جمعہ ادا ہوتا ہے اور نہ ان لوگوں پر اقامت جمعہ واجب ہے الیٰ آخر الکلام) اس پر ہمارے مجیب یہ فرماتے ہیں کہ قریٰ کبیرہ کا محل اقامت جمعہ ہونا عبارت اوثق العریٰ سے ظاہر ہے حالانکہ اس عبارت سے پہلی سطر میں مطلق قریٰ کی نسبت صراحۃً فرماتے ہیں (اس سے خود ہویدا ہے کہ قریہ محل اقامت جمعہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ ان پر فرض ہوتا) علاوہ ازیں اوثق العریٰ میں مختلف مواقع میں مطلق قریٰ کی نسبت بالتصریح یہ نفی موجود ہے پھر تعجب ہے کہ مجیب لبیب بلا وجہ ہم پر الزام قائم کرنے کی غرض سے اوثق العریٰ کی عبارت سے وہ مضمون نکالنا چاہتے ہیں جس کی نفی صاف طور سے اس میں موجود ہے مجیب پر لازم تھا کہ ہماری کتب معتبرہ سے اس امر کو ثابت فرماتے کہ ہمارے نزدیک قریٰ کبیرہ محل اقامت جمعہ ہیں یا نہیں، اور قریہ کبیرہ سے فقہاء کی مراد کیا ہے اس کے بعد جو کچھ متفرع فرماتے قابل جواب سمجھا جاتا، کتب فقہیہ سے اعراض فرما کر خواہ مخواہ بلا سمجھے بوجھے فقرات اوثق العریٰ کا غلط مطلب لیکر ہم پر الزام قائم کرنا صریح دلیل عجز ہے جو ان کی شان کے بالکل خلاف ہے، افسوس یہ بھی خیال نہ فرمایا کہ ہم اگر ان کے اس استدلال کو تسلیم بھی کر لیں تو ان کے اس بے بہا استدلال یعنی قصہ جواثی سے استدلال فرمانے میں جس کو گل سر سبد کہنا چاہئے، صریح سقم پیدا ہو جائے گا کیونکہ سارا زور وشور اسی پر تھا کہ روایت بخاری وغیرہ میں اس کی نسبت لفظ قریہ وارد ہوا ہے سو اب ہم کو بروئے انصاف کسی جواب کی حاجت ہی نہ رہی فقط یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ جواثی قریہ کبیرہ ہوگا اور جواثی کے مدینہ ہونے میں اگر کسی کو انکار ہوگا تو انشاء اللہ بشرط انصاف جواثی کے قبا سے بڑے یا برابر ہونے میں تو ہرگز انکار نہ ہوگا اور ہوگا تو اس کی دلیل لانی پڑے گی کیونکہ حسب قاعدہ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** ہم کو بعض احتمال بھی مفید اور مستدل کو مضر ہے اور جوابدہی بذمہ مستدل لازم ہوگی سو آج تک جواثی کی نفی مصریت کی دلیل تو مخدوش اور ضعیف چلی جا رہی ہے قریہ کبیرہ کی نفی پر دلیل میسر ہونی، معلوم۔ سو اب مجیب کے استدلال عجیب کو ہم اگر مان بھی لیں تو ان کو نفع سے زائد نقصان اٹھانا پڑے گا اور **بنی بیتاً وھدم مصرًا** یا یوں کہو **فر من المطر وقام تحت المیزاب** ان کے مطابق حال ہوگا بلکہ نفع خاک بھی نہ ہوگا کیونکہ ان کا استدلال امرین مذکورین کے مجموعہ پر موقوف ہے کما ہو ظاہر اور درصورت تسلیم غایۃ مافی الباب ان کا امر اول ثابت ہوگا سو فقط ایک امر کے ثبوت سے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے اور امر ثانی خود بے اصل ہے چنانچہ اب ہم امر ثانی کی کیفیت بالتفصیل عرض کرتے ہیں، سنئے امر ثانی یعنی قبا کے قریہ کبیرہ ہونے کی دلیل مجیب سلّمہٗ بجواب مولانا ظہیر احسن صاحب

تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصۃ الوفا میں مرقوم ہے **و قبا ایضا قریۃ کبیرۃ**. واقعی ہمارے مجیب فہیم کو غلط فہمی میں ایک خاص ملکہ ہے جو کسب سے حاصل ہونا دشوار ہے ایک سیدھے اور چھوٹے سے جملہ میں ایسی غلطی کھائی کہ دشوار اور طویل عبارت میں بھی اتنی بڑی غلطی کھانا ہر ایک کا کام نہیں، مجیب تو قبا اور قریہ کبیرہ کو ظاہر میں دیکھ کر بالبداہتہ یقین کر بیٹھے کہ ہمارا مطلب ثانی قبا کا قریہ کبیرہ ہونا محقق ہوگیا مگر خوشی میں یہ خیال نہ رہا کہ یہ وہی قبا ہے جس میں بحث ہو رہی ہے یا کوئی دوسرا قریہ مسمی بقبا ہے اہل فہم تو لفظ ایضا دیکھ کر ہی متنبہ ہو جائیں گے مگر مجیب سلّمہٗ کو ایسی تکلیف مالا یطاق دینی تو انصاف کے خلاف ہے، ہاں اس جملہ کے بعد جو عبارت خلاصۃ الوفا میں موجود ہے اس کو تامل کے ساتھ دیکھتے تو مجیب بھی انشاء اللہ سمجھ جاتے کہ یہ دوسرے موضع کا نام ہے، عبارت پوری یہ ہے **وقباء[1] ایضاً قریۃ کبیرہ بھا ابارو مزارع ونخل ناحیۃ افاعیۃ وممر ان بطریق ضربۃ بجھتہٖ الموضع المعروف بکشب** اصل یہ ہے کہ قبا دو قریوں کا نام ہے ایک قبا عوالی مدینہ میں داخل ہے جس کو صاحب خلاصۃ الوفا نے اول بیان فرمادیا ہے دوسرا موضع مسمی بہ قبا قرب مکہ میں ہے اس کو عبارت منقولہ مجیب میں بیان فرمارہے ہیں زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو کتب لغۃ اور تاریخ کو ملاحظہ فرمالیں اوروں کو جانے دیجئے قاموس ہی کو دیکھ لیا جائے پھر باوجود ایسی متواتر شرمناک غلطیوں کے کہ دیکھنے والوں پر بھی جس کا اثر فی الجملہ محسوس ہوتا ہے ممکن کیا ہے کہ ہمارے مجیب سلّمہٗ کی لن ترانیوں اور طمطراق میں کسی قسم کا فرق آجائے چنانچہ حسب عادت یہاں بھی مولانا ظہیر احسن کی نسبت تحریر فرماتے ہیں (دیکھیں مولف اس پھندے سے نکل جانے کی کیا فکر کرتے ہیں) اس برعکسی کو دیکھ کر ہم کو سخت تحیر ہے کہ اس کے جواب میں کیا عرض کریں بجز اس کے کہ **الحمد للّٰہ الذی عافانی الخ** پڑھ کر سکوت کریں یا عرض کریں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے مجیب فہیم کو مرض حیا سے محفوظ رکھا ورنہ بنصیب اعدا معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔ ع

دادزین فہم وزین خرد فریاد

باقی رہا یہ امر کہ ابن جبیر نے قبا کی نسبت مدینہ کبیرۃ تحریر فرمایا ہے، سو اس کے ہمارے مجیب خود مدعی نہیں ہیں، مجیب نے بھی قریہ کبیرہ کا دعویٰ کیا تھا اور اسی کی نسبت عبارت پیش فرمائی تھی جس کی کیفیت معروض ہو چکی ہے سو جب خود مجیب قبا کے مدینہ کبیرہ ہونے کے مقر نہیں تو ہم کو جواب دینا بھی ضرور نہیں البتہ اگر مجیب ترقی فرما کر قباء کے مدینہ کبیرہ ہونے کے مدعی ہو جائیں تو ہم بسر وچشم جواب دینے کو حاضر ہیں مگر ابھی مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس ترقی کی صورت میں ہمارا اتنا نفع ضرور ہوگا کہ اس وقت جو انہوں

---

[1] خلاصۃ الوفاء الباب الثامن، الفصل الرابع ص ۲۷۵ (مطبع میریہ مکہ مکرمہ)

نے دعویٰ کیا ہے اور اس پر استدلال لائے ہیں اس کی تغلیط خود ان کی زبان سے ہو جائے گی بالجملہ جس امر کے وہ مدعی تھے اس کی تغلیط ہم نے پوری عرض کر دی آئندہ اگر وہ دعوے میں تغیر و ترقی فرمائیں گے انشاء اللہ اس وقت اس کی کیفیت معلوم ہو جائے گی۔

تقریر اوثق العریٰ

الحمد للہ کہ مجیب معترض کے مواخذات واعتراضات والزامات سے بھی بخیر و خوبی فراغت ہو چکے، اس کے بعد اوثق العریٰ میں ارشاد فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات وفخر موجودات صلوات اللہ علیہ والتسلیمات نے اہل مدینہ کو امر اقامت جمعہ فرما کر بھیجا اور قدوم مبارک تک برابر مدینہ میں جمعہ جاری رہا مگر قبا وغیرہ قریٰ میں نہ آپ نے ارشاد فرما کر بھیجا نہ وہاں جمعہ اس عرصہ تلک کبھی پڑھا گیا اور نہ کبھی اس کے بعد وہاں جمعہ ہوا چنانچہ ابوداؤد میں حدیث ہے عن[1] ابن عباس ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالمدینة لجمعة جمعت بجواثا قریة من قری البحرین اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ مسجد نبوی میں اول جمعہ قائم ہوا اس کے بعد جواثا میں جمعہ ہوا اور اس وقت تلک بجز مسجد نبوی میں کہیں اقامت جمعہ نہیں ہوئی تھی، اور یہ ظاہر ہے کہ عوالی میں اسلام جواثا سے پہلے پہنچ چکا تھا تو اگر قری میں بھی جمعہ فرض تھا تو پھر عوالی میں آپ کے ارشاد نہ فرمانے کی اور ان لوگوں کی اب تلک جمعہ نہ پڑھنے کی کیا وجہ؟ اول ہجرت میں آپ نے خود چودہ روز قبا میں اقامت فرمائی اس وقت بھی ان کو ترک جمعہ پر کسی قسم کی سرزنش نہیں فرمائی نہ آپ نے خود وہاں جمعہ پڑھا، اب جو صاحب بہ نسبت قری مدعی وجوب جمعہ ہیں ان پر اس کی جوابدہی واجب ولازم ہے، انتہٰی بمضمونہٖ اب اس پر محدث بنارسی مولوی محمد سعید صاحب فرماتے ہیں۔

جواب از مجیب بنارسی

قولہ اج[2] حضرت آپ کا کس طرف خیال ہے اہل قریہ تو کنارے رہے آپ نے ہر مسلمان پر جمعہ پڑھنے کو فرض فرمایا ہے، ابوداؤد میں ہے الجمعة[3] حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة عبد مملوك او امرأة او صبی او مریض اس کو نقل فرما کر اول تو اس روایت کے ارسال

---

[1] ابوداؤد ج۱ ص۱۵۳، باب الجمعۃ فی القریٰ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

[2] کسر العریٰ ص۸

[3] ابوداؤد ج۱ ص۱۵۳، الجمعۃ للمملوک والمرأۃ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

واتصال کی نسبت تحقیق فرمائی ہے جس سے ہم کو کوئی بحث نہیں اس کے بعد لفظ کل کے عموم وشمول کی اثبات کے لئے نورالانوار کی عبارت نقل فرمائی ہے **وکل[1] للاحاطة علٰی سبیل الافراد ای جعل کل فرد کان لیس معه غیره فهذا یسمّٰی عموم الافراد وهی تصحب الاسماء فتعمها ای تدخل علی الاسماء فتعمها .**

جواب

اقول افسوس ہمارے مجیب محدث پہاڑ سے زیادہ مستحکم الزام کو اپنے سر پر لیکر دم بخود رہ گئے اور اس کا کوئی جواب نہ دیا محض دفع الوقتی پر کمر باندھ کر حدیث ابوداؤد کو پیش فرمادیا جناب من حدیث ابوداؤد اور جو روایات آئندہ آپ تحریر فرمائیں گے سب ہمارے سر اور آنکھوں پر مگر یہ تو فرمائیے کہ حسب معروضہ سابقہ باوجود تحقق جملہ امور ضروریہ قبا اور جملہ عوالی مدینہ طیبہ میں جمعہ کے قائم نہ ہونے کی کیا وجہ کیا وہ روایات مردود ہیں یا منسوخ ہیں یا ان کے معمول بہا بننے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے، قاضی شوکانی علامہ سیوطی امام ابوحامد غزالی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے تو بالتصریح ہماری معروضات کا اقرار فرمالیا ہے پھر اب ان روایات اور اقوال اکابر کی بلا وجہ وجیہہ محض بپاس مشرب تردید وتغلیط ہی فرمائی جائے گی یا کوئی صورت تصحیح بھی ممکن ہے روایت ابوداؤد اور بقیہ روایات منقولہ جناب سے تو اس اشکال کے دفعیہ کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی آپ نے ان کو بلاضرورت نقل فرمایا یہ بات ضروری نہیں کہ کسی رسالہ کا جواب شوال ۱۳۱۸ھ میں لکھنا شروع کیا جائے، تو شوال ۱۳۱۸ھ ہی میں ختم بھی ہوجائے خدا کے لئے جواب موقع کا دیجئے خواہ ۱۸۲۰ء ہی میں کیوں نہ ختم ہو۔ شعر

مزن بے تامل بگفتار دم   نکو گوئے اگر دیر گوئے چہ غم

بروئے انصاف وقواعد مناظرہ ہم کو آپ کی ان روایات کا جواب دینا ضروری نہیں تاوقتیکہ آپ ہمارے استدلال واستفسار کا جواب عنایت نہ فرمائیں مگر جواب باصواب سے چونکہ آپ نے بالکل مایوس فرمادیا ہے اس لئے قبل الوقت ہم ہی آپ کے استدلالات کا جواب عرض کئے دیتے ہیں، اور بروئے انصاف ہم تو نقل اور متنبہ کرنے والے ہیں ورنہ اوثق العریٰ ہی میں سب کچھ موجود ہے اہل فہم کو ہمارے عرض کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہمارے مجیب نے جو روایت ابوداؤد نقل فرمائی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ اصل فتویٰ میں اہل حدیث نے بھی یہی روایت اور آیت **اذا نودی للصلوٰۃ الخ** اپنے استدلال میں بیان کی تھی

[1] نورالانوار مبحث العام ص ۷۷، مکتبہ دینیہ دیوبند

اور گو ان میں قریہ کا ذکر نہیں مگر ان کے عموم واطلاق سے یہ بات ثابت کی تھی کہ ہر ایک بڑے چھوٹے گاؤں میں جمعہ فرض ہے اوثق العریٰ میں آیت منقولہ سے استدلال لانے کا تو یہ جواب دیا تھا کہ اول تو اس آیت کی تخصیص اہل حدیث خود ہی روایت منقولہ ابوداؤد سے فرمارہے ہیں اور مریض ومملوک وغیرہ کو حکم فرضیت سے خارج کرتے ہیں جس سے عموم آیت بحال خود نہ رہا، دوسرے عرفات میں حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعہ ادا نہ فرمانے سے مسافر یا مقیم فی الصحرا کو بھی اس حکم سے استثناء کرنا پڑے گا، اور بعض روایات حدیث میں مسافر کا استثناء صریح موجود بھی ہے تو اب ان احادیث کی وجہ سے جن سے قریٰ اور عوالی میں جمعہ کا نہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے ضرور اہل قریہ کو حکم آیت سے مستثنیٰ ماننا پڑے گا پھر اس تقریر کے آخر میں فرمایا تھا علیٰ ھذا القیاس، جو احادیث کہ ان میں عام لفظوں سے وجوب جمعہ بیان کیا گیا ہے ان سب سے وہ لوگ مذکورہ بالا مستثنیٰ ہیں، اب یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کو ملاحظہ فرما کر ہمارے مجیب نے ہر دو استدلال بیان فرمودۂ اہل حدیث میں سے استدلال بآیۃ الجمعۃ سے تو دستبرداری فرمائی مگر روایت ابوداؤد پر بزور علمی کچھ پھل پھول لگا کر استدلال قائم کرنا چاہتے ہیں، گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ مفتیان اہل حدیث کے بیان میں نقصان تھا۔ تقریر استدلال اس حدیث سے یوں ہونی چاہئے مگر تقریر استدلال مجیب جس کو ابھی نقل کر آیا ہوں اس سے فقط اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے مجیب لفظ کل سے کسی نفع کے متوقع ہیں اور اس سے اثبات مدعی کی امیدوار ہیں اس لئے لفظ کل کی نسبت چند باتیں بیان فرمارہے ہیں مگر سب ناقص اور بے سود۔

جواب: اوثق العریٰ کے مقابلہ میں ان کو بیان کرنا اپنی کم فہمی کا اقرار کرنا ہے کبھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ موصول نہیں بلکہ لفظ کل ہے جو سور موجبہ کلیہ کا ہے خواہ کل مجموعی لو خواہ افرادی کبھی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں تو افرادی ہے کبھی عبارت نور الانوار معہ تعیین مطبع اور صفحہ نقل فرمائی جارہی ہے، خیر یہ تو ہم کیا دریافت کریں کہ جناب یہ تو فرمائیے کہ سور موجبہ کلیہ کا کل مجموعی ہوتا ہے یا افرادی یا دونوں، ہاں یہ عرض کرتے ہیں کہ مجیب کے کل ارشادات مسلم مگر جواب بیان فرمودۂ اوثق العریٰ کا کیا جواب؟ آپ کے ان تمام ارشادات کا کل مطلب یہ ہے کہ لفظ کل عام ہے جمیع افراد مضاف الیہ کو شامل ہوتا ہے لیکن اوثق العریٰ کے کسی کلمہ سے صراحۃً یا اشارۃً اس کا انکار معلوم ہوتا ہے جو آپ نے یہ دردسری گوارا فرمائی، اوثق العریٰ کا فقرہ ہم ابھی نقل کر چکے ہیں وھو ھذا۔ علیٰ ھذا القیاس، جو احادیث کہ ان میں عام لفظوں سے وجوب جمعہ بیان کیا گیا ہے ان سب سے وہ لوگ مذکورہ بالا مستثنیٰ ہیں اس میں صاف عموم کا اقرار موجود ہے اور لفظ کل ہو یا موصول ہو کسی کی تخصیص نہیں سب کا یہی جواب ہوگا اس لئے آپ کی یہ سب تقریر

بالکل بے محل اور غیر قابل التفات ہے، یہ بات بدیہی ہے کہ تخصیص کے لئے تعمیم ضروری ہے ورنہ تخصیص کس کی کی جائے گی سو لفظ کل جو روایت ابوداؤد میں موجود ہے جمیع افراد کو عام ہے جس کی وجہ سے دیگر روایات احادیث سے حسب قاعدہ اس کی تخصیص ضرور کی جائے گی **وھو المراد** بالجملہ مجیب نے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی کہ ہمارے مدعی کے خلاف ہو پھر ایسی بات سے جواب مرقومہ اوثق العریٰ کی تردید کا خیال کرنا محض لغو اور بے سود ہے لیکن بعض فقرات مجیب سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ وہ گو صاف نہیں فرما سکے مگر وہ در بارہ عموم لفظ کل کو موصولات پر ترجیح دینا چاہتے ہیں، سو اگر ان کی اس ترجیح سے یہ غرض ہے کہ لفظ کل ہمیشہ عام ہوتا ہے خاص کبھی نہیں ہوتا اس لئے موصولات پر اس کی ترجیح ہے تو مسلم ہے کمافی التوضیح۔

ومنها[1] کل وجمیع وھما محکمان فی عموم ما دخلا علیه بخلاف سائر ادوات العموم مگر اس ترجیح سے ان کو کیا نفع اور ہمارا کیا نقصان اور اگر یہ مطلب ہے کہ لفظ کل میں تخصیص ہی جاری نہیں ہوسکتی تو بے شک ان کو مفید ہے مگر یہ بات بالکل غلط اور بدیہی البطلان ہے کمافی التلویح۔

قوله[2] وھما محکمان لیس المراد انھما لا یقبلان التخصیص اصلا لان قوله تعالیٰ واللّٰه خلق کل شيء وقوله اوتیت من کل شئ مخصوص علیٰ ما سبق بل المراد انھما لا یقعان خاصا علاوہ ازیں یہ دعویٰ کرنا کہ لفظ کل میں تخصیص جاری نہیں ہوسکتی، ایسا بدیہی البطلان امر ہے کہ تھوڑی سی فہم والا بھی اس کو کسی طرح تسلیم نہیں کرسکتا **واللّٰه[3] خلق کل شئ** اور **اوتیت[4] من کل شئ** میں تخصیص مسلم الثبوت ہے **فسجد[5] الملئکة کلھم اجمعون** میں جمع معرف باللام اور لفظ کل اور اجمع اتنے امور مفید و مثبت عموم موجود مگر بعض علماء باوجود اس کے جمیع ملائکہ اس سے مراد نہیں لیتے بلکہ خاص ملائکہ ارضی یا وہ ملائکہ خاص جو قتل واہلاک جنات کے لئے مامور تھے مراد لیتے ہیں گو یہ قول مرجوح اور غیر مشہور ہو مگر آج تلک ان قائلین پر کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ باوجود لفظ کل تخصیص جاری کرنی باطل ہے معترض خود اپنی حدیث منقولہ **الجمعة واجب حق علیٰ کل مسلم** میں ملاحظہ فرمالیں مملوک وامراۃ وغیرہ کا استثناء موجود ہے اور اگر اس کے جواب میں یہ فرمادیں کہ لفظ کل

---

۱ توضیح تلویح فصل فی الفاظ العموم ص۱۶۱، مطبع نول کشور لکھنو
۲ حوالہ مذکور
۳ سورۂ انعام، آیت ۱۰۲
۴ سورۂ نمل، آیت ۲۳
۵ سورۂ ص، آیت ۷۳

میں استثناء کی گنجائش ہے مگر تخصیص مصطلحہ کی گنجائش نہیں تو قطع نظر اس سے کہ یہ دعویٰ بے دلیل اور فرق بلا وجہ قابل لحاظ نہیں نصوص مذکورہ بالا کا کیا جواب اور نیز جماہیر متقدمین ومتاخرین اہل صحرا و بحار کو اس سے مستثنیٰ اور مخصوص فرماتے ہیں علاوہ ازیں ارشاد صدقة[1] **الفطر واجبة علیٰ کل مسلم ذکر او انثیٰ حر او عبد صغیر او کبیر الخ** موجود حالانکہ مجیب اور ان کے ہم مشرب بھی اس میں تخصیص کے قائل ہیں اور تخصیصات میں کسی کو کوئی گفتگو ہو تو ہو مگر فقیر کی تخصیص میں تو کسی کو بھی تامل نہیں حالانکہ ارشاد اما[2] **غنیکم فیزکیه الله واما فقیرکم فیرد علی اکثر مما اعطاه** بھی موجود ہے اہل اصول جن کی عبارت ہمارے مجیب بھی پیش فرما رہے ہیں ان کو ملاحظہ فرما رہے ہیں ان کو ملاحظہ فرمائیے تو ضیح تلویح کی ایک عبارت ابھی نقل کر چکا ہوں دوسری عبارت توضیح تلویح کی یہ ہے[3] **اذا قالت المرأة لزوجها ان نکحت علی امرأة فطلقها فقال ارضا لها کل امرأة لی فطالق** تو اس کا حکم یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ماسوائے مخاطبہ باقیہ پر طلاق ہو جائے گی یعنی مخاطبہ عموم کل سے خارج رہے گی علیٰ ھذا القیاس، اس کی نظائر نصوص شرعیہ اور کتب دینیہ میں اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان کے منکر کو منہ دکھلانے کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی الا بوجہ لیس فیہ حیاء ان سب امور کے علاوہ مجیب نے یہ بھی خیال نہیں فرمایا کہ عموم افراد اور عموم احوال اور عموم امکنہ اور عموم ازمنہ باہم عمومات مختلفہ ہیں ان میں باہم تمیز نہ کرنا غلطی کی بات ہے کما لایخفیٰ علی العاقل تو اب حدیث منقولہ مجیب سے جس میں لفظ کل موجود ہے خود ان کے اقرار کے موافق عموم افراد ثابت ہوگا حالانکہ ہمارا ان کا نزاع دربارۂ عموم امکنہ ہو رہا ہے **وشتان بینهما** .

الحاصل ہمارے محدثین نے دربارہ ثبوت جمعہ فی القریٰ یہی دو استدلال پیش فرمائے تھے اول آیت جمعہ دوسرے حدیث طارق بن شہاب منقولہ ابوداؤد جس میں لفظ کل موجود ہے اور ان ہر دو نص کے اطلاق وعموم سے تمام مواقع میں قریہ ہو یا شہر فرضیت جمعہ ثابت کی تھی، اوثق العریٰ میں ہر دو استدلال کا جواب باصواب قابل قبول اہل علم بیان فرما دیا، جس کا خلاصہ حسب معروضہ سابق یہی ہے کہ تخصیصات مذکورہ احادیث اور تعامل زمانہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر شاہد عدل ہے کہ اہل قریٰ ان عمومات سے مستثنیٰ اور خارج ہیں اور یہ بھی صراحتاً فرما دیا کہ اس استثناء سے یہ مطلب نہیں کہ اہل قریٰ حکم وجوب جمعہ میں اول سے داخل تھے اس کے بعد دوسرے دلائل سے تخصیص کی نوبت آئی، بلکہ اہل قریٰ

---

[1] رواہ الترمذی، مشکوٰۃ المصابیح باب صدقۃ الفطر، ص۱۶۰ (رشیدیہ دہلی)

[2] عن عبداللہ بن ابی صعیر، باب من روی نصف صاع من قمح، ص ۲۲۸، ابوداؤد (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

[3] توضیح تلویح، القسم الرابع فی کیفیۃ دلالۃ اللفظ ص۲۹۶ (نول کشور لکھنو)

ان عمومات کے سرے سے مکلّف ہی نہیں، خاص وہی مومنین مکلّف ہیں جن پر فرضیت جمعہ مقرر ہو چکی تھی کیونکہ فرضیت جمعہ اور اس کے شرائط و قیود و قواعد و مواقع سب نزول آیت سے پہلے ہی مقرر و ممہد ہو چکے تھے جیسا کہ آیت شریفہ[1] ان الذین کفروا سواء علیھم أانذرتھم ام لم تنذر ھم لا یؤمنون میں لفظ موصول اگر چہ عام ہے مگر اول ہی سے معدودے چند مثل ابوجہل ابولہب وغیرہ اس سے مراد ہیں خواہ اسم موصول کو عہد کے لئے لیجئے خواہ جنس کے لئے لیکر تخصیص کیجئے۔

تقریر اوثق العریٰ

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس موقع پر تعریف[2] الموصول اما للعھد او للجنس تحریر فرماتے ہیں تو اب تشبیہ بیان فرمودۂ اوثق العریٰ کا یہ مطلب ہوا کہ جیسا آیت ان الذین کفروا الخ میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس آیت میں جملہ کفار مصرین علی الکفر اور غیر مصرین کے حال سے خبر دی گئی تھی اور جملہ کفار اس سے مراد تھے بعد میں دلائل و وجوہ سے غیر مصرین خارج ہو گئے کیونکہ اس صورت میں آیت مذکورہ خلاف واقع ہوئی جاتی ہے بلکہ یہ کہنا پڑے گا کہ آیت مذکورہ سے مراد فقط مصرین ہی ہیں، اور صرف انہیں کے حال کی آیت مذکورہ میں خبر دی گئی ہے، موصول کو چاہئے عہد کے لئے فرمایئے یا مفید جنسیت قرار دیجئے، اسی طرح آیت[3] یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع اور دیگر عمومات و اطلاقات واردہ احادیث کو جو در بارہ حکم جمعہ نازل ہوئے ہیں یہ خیال نہ فرمایئے کہ اہل قریٰ و امصار سب کے سب ان عمومات و اطلاقات کے محکوم و مکلّف تھے بعد میں دیگر دلائل کی وجہ سے ان کی تخصیص و اخراج کی نوبت آئی کیونکہ یہ امر تحقق فرضیت جمعہ قبل نزول آیت کے صریح خلاف ہے بلکہ یوں فرمایئے کہ آپ کے ارشاد اور تعامل سے جو شرائط و قیود اداء جمعہ کے لئے مقرر و معین ہو چکی تھیں اور انہیں قیود کے لحاظ سے جو مومنین فرضیت جمعہ کے ساتھ مخصوص ہو چکے تھے تو ان عمومات و اطلاقات نصوص کے مخاطب اور مکلّف خاص وہی حضرات ہیں، جس کا خلاصہ کل یہ ہوا کہ آیت اولیٰ میں جیسے مخبر بہ خاص تھے ایسے ہی نصوص جمعہ میں مکلّف و مامور خاص ہیں اور تشبیہ مذکورہ اوثق العریٰ سے بس اسی قدر مقصود تھا اور یہ تطبیق لطیف دقیقہ سنجان معانی نصوص کے نزدیک لائق قدر و قابل قبول معلوم ہوتی ہے جس سے تمام نصوص کے معانی اپنے اپنے موقعہ پر نہایت خوبی کے ساتھ قائم و مسلم

---

[1] سورۂ بقرہ۔ آیت ۶

[2] بیضاوی سورۂ بقرہ، ان الذین کفروا سواء علیھم کے تحت ص ۲۲-۲۳، اصح المطابع دہلی۔

[3] سورۃ الجمعۃ۔ آیت ۹

ہو گئے، اور کسی طرح کا تخالف وتزاحم باقی نہ رہا، البتہ اگر نقصان ہے تو یہ ہے کہ اس تحقیق کے موافق مذہب حضرت امام ابوحنیفہ نہایت احق بالقبول ہو گیا۔

اعتراض مجیب بنارسی

اب اس پر مولانا محمد سعید صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ (موصول[1] اور معرف باللام کا حال چونکہ یکساں ہوتا ہے اس لئے موصول سے شئ معین مراد ہو سکتی ہے بخلاف لفظ کل کے کہ اس سے علی العموم عموم ہی مراد ہوتا ہے امر معین مراد نہیں ہو سکتا) اور اس کی تائید اور اثبات کے لئے مولانا بحر العلوم کی عبارت بھی پیش کی ہے، اور سب سے فراغت پا کر فرماتے ہیں (تو اب[2] مولانا کا یہ مثال لانا محض بیکار ہے) مجیب فہیم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مولانا نے تطبیق معلومہ بیان فرما کر جو تمثیلاً آیت **ان الذین کفروا سواء علیھم الخ** کو ذکر فرمایا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ آیت مذکورہ میں لفظ موصول مذکور ہے اور حدیث طارق بن شہاب میں لفظ کل موجود ہے اور در بارہ تعین ان دونوں میں فرق ہے اس لئے مثال اور ممثل لہ میں مطابقت نہیں۔

جواب

سو اس کے جواب مین اول تو ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ الحمدللہ آیت جمعہ کی نسبت تو ہمارے مجیب نے بھی جواب اوثق العریٰ کو بالکل تسلیم اور مثال کو ممثل لہ کے موافق مان لیا جو مفتیان دہلی وغیرہ کا اول استدلال تھا، اب ہم کو امید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ کیا عجب ہے جو اور حضرات اہل انصاف بھی ہمارے مجیب کا اتباع کرلیں، باقی رہی روایت طارق بن شہاب جس میں لفظ کل موجود ہے، سو اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ مجیب نے موصول اور لفظ کل میں جو فرق بیان کیا ہے نہ ہم اس کے منکر نہ وہ ہم کو مضر، ہم ابھی عرض کر آئے ہیں کہ تشبیہ مذکور سے صرف یہ غرض ہے کہ جیسا آیت **ان الذین کفروا** میں موصول سے مراد معدودے چند ہیں گو لفظ موصول عام ہے اسی طرح پر الفاظ عموم جو احادیث میں موجود ہیں کل ہو یا من یا کچھ اور سب سے مراد اور سب کے مخاطب اہل امصار ہیں نہ اہل قریٰ یہ بھی بحوالہ بیضاوی عرض کر چکے ہیں کہ اس تعیین کی آیت مذکورہ میں دو صورتیں ہیں یا موصول کو عہد کے لئے لیجئے یا جنس کے لئے لیکر پھر اس کی تعیین و تخصیص کر لیجئے تو اب آپ کے ارشاد کے موافق غایۃ مافی الباب یہ ہوگا کہ لفظ کل میں

---

[1] کسر العریٰ ص ۹

[2] کسر العریٰ ص ۹

تعیین کی اول صورت نہ نکلے گی یعنی لفظ کل سے اشخاص معین مراد نہ ہوں گے لیکن صورت ثانیہ یعنی موصول سے معنی جنسی مراد لیکر بعد میں اس کو معین کر لیا جائے اس تعیین کو تو لفظ کل میں آپ بھی نہیں روک سکتے ، کما ہو ظاہر۔

اوثق العریٰ میں تشبیہ فقط تعیین میں تھی ، تعیین کی ہر دو صورت مذکورہ میں سے کسی کی تعیین نہیں فرمائی، بلکہ اوثق العریٰ کا یہ فقرہ (اگر چہ لفظ موصول عام ہے مگر مراد اس سے وہی معدودے چند کافر ہیں) صورت ثانیہ کے زیادہ مناسب ہے جو بے تکلف لفظ کل میں بھی جاری ہو سکتی ہے **علیك بالتامل الصادق** اور یہ سارا طول محض آپ کی خوشنودی کے لئے اختیار کیا گیا ورنہ مختصر جواب یہ ہے کہ تعیین شخصی کی تو ہم کو بھی ضرورت نہیں اور تعیین نوعی کو آپ قیامت تک نہیں روک سکتے کیونکہ تعیین نوعی اور اضافی لفظ کل میں کسی کے نزدیک قابل انکار نہیں ورنہ **اوتیت من کل شیٔ** میں نوع خاص اور **فسجد الملائکۃ کلھم** میں حسب معروضہ سابقہ قسم خاص مراد نہ ہو سکتی ، تو اب اگر ہم ارشاد **الجمعۃ**[1] **حق واجب علیٰ کل مسلم** میں نوع خاص یعنی اہل امصار مراد لیں تو اس پر یہ فرمانا کہ لفظ کل میں اس تعیین و تخصیص کی گنجائش نہیں تنگی فہم کی دلیل ہے ہم کو افسوس آتا ہے کہ ایسے مطالب حقہ کو مجیب اپنی قلت تدبر کی وجہ سے محض بیکار فرماتے ہیں کاش لفظ محض تحریر نہ فرماتے تو ہم اس کے یہ معنی سمجھ کر کہ حضرت مجیب بوجہ نارسائے فہم ۱۲ کے سامنے ایسے امور بیان فرمانے بیکار ہیں ان کے ارشاد کی توجیہ و تصدیق بھی کر لیتے آخر میں اتنی عرض اور ہے کہ ہمارے مجیب نے تطبیق بیان فرمودۂ اوثق العریٰ کی نسبت جو خلجان بیہودہ تحریر فرمایا ہے کہ موصول اور کل مین فرق ہے اس کی کیفیت تو عرض کر چکا ہوں ، لیکن مجیب کو اب بھی اگر کسی قسم کا خلجان ہو تو وہ اس کو بھی جانے دیں ان کو اس دقت میں پڑنے اور اپنے فہم کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ان کے جواب کے لئے ان کے فہم کے موافق روایت طارق بن شہاب کا بدیہی جواب قواعد مقررہ کے مطابق اس قدر کافی ہے کہ لفظ کل میں قبول تخصیص اور اجرائے تخصیص کے تو سب قائل ہیں تمام اہل اصول **کلمۃ کل یحتمل التخصیص** اور **یقبل التخصیص** بیان فرماتے ہیں کما مر سابقاً۔ تو اب آپ **الجمعۃ حق واجب علیٰ کل مسلم** میں شوق سے تمام مسلمانوں کو داخل کر لیجئے اور عموم افراد اور عموم امکنہ وغیرہ میں جو اہل اصول و اہل کلام نے فرق کیا ہے اس کو بھی ہرگز تسلیم نہ فرمائیے لیکن چونکہ کلمہ کل میں تخصیص ممکن ہے تو وہ روایات حدیث اور تعامل خیر القرون جن سے اوثق العریٰ میں اہل قریٰ کو سرے سے حکم فرضیت جمعہ میں داخل ہی نہ رکھا تھا ان سے عموم کل میں تخصیص جاری کر کے اہل قریٰ کو اس تعمیم سے اب

---

[1] ابوداؤد۔ الجمعۃ للمملوک والمرأۃ ص ۱۵۳ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

نکال دیجئے، ہمارا مدعا بعینہٖ دونوں صورتوں میں حاصل ہے، لیجئے اب ہم نے آپ کو آپ ہی کی پشتو میں سمجھا دیا اور امر واضح ہوگیا کہ روایت مذکورہ سے اہل قریٰ پر فرضیت جمعہ ثابت نہیں ہوتی، چاہے اوثق العریٰ کی عبارت کے موافق اہل قریٰ کو عمومات واردہ میں داخل ہی نہ ہونے دیجئے۔ چاہے داخل مان کر تخصیص کر لیجئے، اور مجیب ثانی نے جو کچھ اس کے متعلق کہا ہے وہ ایسی ادھوری اور بے سود باتیں ہیں کہ اس تفصیل کے بعد ان کا کسی قسم کا جواب دینا محض طول لاطائل ہے۔

جواب ثانی از مجیب بنارسی

اس کے بعد مجیب بنارسی نے ابوالجعد[1] الضمری کی روایۃ ابوداؤد سے نقل فرمائی ہے **من ترك ثلاث جمع تهاونًا طبع الله علىٰ قلبه** اور فرمایا ہے (یہاں پر من کا لفظ عام ہے جو ہر مسلمان کو شامل ہے)

جواب

میں ابھی عرض کر آیا ہوں کہ یہ عمومات ہم کو مضر نہیں نہ ہم ان کے منکر، اوثق العریٰ کو ملاحظہ فرمالیجئے اس میں عمومات کو تسلیم فرما کر وجہ تطبیق بیان فرمائی ہے آپ سے ہو سکے تو اس تطبیق میں کوئی نقص بیان فرمایئے یہ کونسی انصاف وفہم کی بات ہے کہ امور مرقومہ اوثق العریٰ سے سکوت فرما کر اس سے پہلے لفظ کل کے عموم کو نورالانوار سے نقل فرمایا تھا اب کلمہ من کے عموم کو بیان کر رہے ہیں، عبارت اوثق العریٰ اور ہمارے معروضات کو ملاحظہ فرمالیجئے کہ ان کلمات کے عموم کا اقرار ہے یا انکار، ہم ان ہر دو کلمات وغیرہ الفاظ عموم کے عموم کو باعلیٰ ندا تسلیم کرتے ہیں اور ان کے عموم کو تسلیم کر کے وجہ تطبیق پیش کرتے ہیں، ہاں اگر آپ کا مطلب ان کلمات کے عموم بیان کرنے سے یہ ہے کہ ان میں اجراء تخصیص کسی طرح ممکن نہیں تو صاف فرمایئے مگر ایسی بات کوئی ادنیٰ عاقل بھی تسلیم نہیں کر سکتا **فضلاً عن المحدث المحقق** اگر من[2] **ترك ثلاث جمع الخ** سے عموم فرضیت جمعہ ثابت ہوتا ہے تو من[3] **لقی الله بغير اثر من جهاد الخ** اور من[4] **لم يغز ولم يجهز غازيا** سے ضرور عموم فرضیت جہاد ثابت ہو جائے گا، اوثق العریٰ میں اس قسم کے عمومات واطلاقات کی جو توجیہہ وتحقیق مذکور ہے اس کو بنظر غور ملاحظہ فرمایئے تمام نصوص مطلقہ

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۱۰

[2] ابوداؤد ص ۱۵۱، باب التشدید فی ترک الجمعۃ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

[3] باب التغلیظ فی ترک الجہاد۔ ابن ماجہ ص ۱۹۸، (رشیدیہ دہلی)

[4] ابوداؤد باب کراہیۃ ترک الغزو ص ۳۳۹ (مختار اینڈ کمپنی)

اور عامہ کی اس خوبی سے بے تکلف توجیہہ فرمادی ہے کہ کوئی نص عام اس کے اصلا مخالف نہیں ہوسکتی، بے سمجھے جس کا جو جی چاہے کہہ کر اپنا دل خوش کر لے، اور یہ بات مسلم ہے کہ لفظ کل اور جمیع در بارہ عموم جملہ الفاظ عموم مثل من اور ما سے راجح ہیں کما مر۔ اور مجیب بھی اس سے پہلے لفظ کل کی ترجیح بیان کر چکے ہیں سو جب کلمہ کل کے مقابلہ میں جواب اوثق العریٰ تام اور واجب التسلیم ہو چکا تو اب کلمہ من کے عموم سے ہم پر استدلال قائم کرنا ترجیح مرجوح نہیں تو کیا ہے؟ بالجملہ یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ان عمومات و اطلاقات سے ہمارے مقابلہ میں کچھ کام نہ چلے گا، ان کا نقل فرمانا محض بے سود ہے، مجیب نے در بارہ ثبوت جمعہ فی القریٰ جو عمومات نصوص سے استدلال فرمایا تھا اس میں کل یہی دو روایت ابوداؤد کی بیان فرمائی ہیں جن کا جواب مفصلاً معروض ہو چکا اب اس کے بعد وہ دلائل پیش کرتے ہیں جن سے خاص قریٰ میں اقامت جمعہ ثابت کرنا منظور ہے۔

استدلال مجیب بنارسی

اول روایت قصہ جواثا جو شروع رسالہ میں مذکور ہو چکی ہے اور اس کے متعلق بعض ابحاث مفصلاً ہم بھی عرض کر چکے ہیں مگر مجیب موصوف نے فقط روایت مذکور کا نام بتا کر یہ تحریر فرمایا ہے (اور[1] اس کی نسبت جو کچھ مولانا نے کلام کیا ہے اس کی بحث پوری پوری آئے گی) سو چونکہ اس استدلال کا جواب خود اوثق العریٰ میں موجود ہے اور ہم بھی شروع میں تفصیل کے ساتھ اس کے متعلق عرض کر چکے ہیں اور مجیب نے اس موقع پر اُس کی نسبت کچھ بیان نہیں فرمایا اس لئے ہم کو بھی کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں، مجیب حسب وعدہ جب اس کے متعلق کچھ فرمادیں گے اس وقت ہم بھی حسب ضرورت انشاء اللہ اس کی جوابدہی کر لیں گے، دوسری روایت مجیب اپنے استدلال میں عبدالرحمٰن بن کعب کی پیش فرماتے ہیں جس میں اسعد بن زرارہ کا قصہ منقول ہے اور مکرر مذکور ہو چکی ہے اور اوثق العریٰ میں بھی موجود ہے اس کے مستدل بنانے کی کل یہ وجہ ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ نے حرہ بنی بیاضہ میں اول جمعہ قائم فرمایا اور حرہ بنی بیاضہ قریہ ہے قریب مدینہ منورہ کے تو اس سے صاف قریٰ کا محل اقامت جمعہ ہونا ظاہر ہو گیا، اور اس کے اثبات کے لئے حافظ ابن حجر اور امام خطابی رحمۃ اللہ علیہما کی عبارت نقل کی ہے علامہ ابن حجر تلخیص میں فرماتے ہیں **حرۃ[2] بنی بیاضۃ قریۃٌ علیٰ میل من المدینۃ** امام خطابی معالم السنن میں حدیث مذکور کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں **وفی[3] الحدیث من الفقہ ان الجمعۃ جوازھا فی القریٰ**

---

[1] التکسیر الوریٰ ص ۱۰

[2] التلخیص الحبیر ص ۱۳۳ (مکتبۃ القاری دہلی)

[3] معالم السنن للخطابی الجزء الاول، ومن باب فی الجمعۃ فی القریٰ ص ۲۴۵ (دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد)

کجوازھا فی المدن والامصار لان حرۃ بنی بیاضۃ یقال علٰی میل من المدینۃ .

جواب

اقول ہمارے مجیب ابوالمکارم تو عنقریب قبا کو بھی فناء مدینہ میں داخل فرما چکے ہیں تو اب ظاہر ہے کہ حرۂ بنی بیاضہ جو صرف مدینہ طیبہ سے ایک ہی میل کے فاصلہ پر واقع ہے بطریق اولیٰ فناء مدینہ میں داخل ہوگا اس لئے بروئے انصاف کم سے کم اتنا تو ضرور ہونا چاہئے کہ ہر دو مجیب کے دونوں اعتراضوں میں سے ایک اعتراض کی جوابدہی سے ہم کو سبک دوشی مل جائے، دوسرا امر قابل لحاظ یہ ہے کہ اس روایت میں جو مذکور ہے وہ فعل اصحاب ہے اس کے مرفوع بنانے کی سمجھ بوجھ کر کوئی ایسی صورت بتلائیے کہ قابل قبول ہونے کے ساتھ میں آپ کے مسلک کے موافق بھی ہوا ایسا نہ ہو کہ تقاریر سابقہ کو پس پشت ڈال کر کوئی صاحب تطبیق بیان فرمانے کو مستعد ہو جائیں، اس کے بعد یہ عرض ہے کہ حرہ بنی بیاضہ کو مدینہ طیبہ کا حرہ غربیہ بتاتے ہیں کہ غربیہ یہی حرہ بنی بیاضہ ہے خلاصۃ الوفا میں فرماتے ہیں **حرۃ**[1] **بنی بیاضۃ غربی المدینۃ وبالحرۃ الغربیۃ کان رجم ماعزٍ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کما توضحہ روایۃ ابن سعد** اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ موضع حرہ غربیہ مدینہ طیبہ کا ہے اور ماعز اسلمی کا رجم بھی یہیں ہوا تھا قریہ مستقل ہرگز نہیں چونکہ بنی بیاضہ وہاں رہتے تھے اس لئے اس محلّٰہ کو قریہ بنی بیاضہ بھی بعض نے فرمادیا ہے مگر ان کا یہ مطلب نہ تھا کہ یہ قریہ مستقل حدود مدینہ سے خارج ہے امام خطابی کو غالباً اس سے شبہ ہوگیا اور قریہ مستقل خیال فرما کر اس کو اپنا مستدل بنایا، جو ہرنقی میں ہے **وفی**[2] **المعالم للخطابی حرۃ بنی بیاضۃ یقال علی میل من المدینۃ فھی من توابعھا وعند الحنفیۃ یجوز الجمعۃ فیھا قال القدوری فی التجرید عندنا یجوز ان تقام فی مصلی المدنیۃ وان کان بینھما اکثر من میل** انتہٰی صاحب نہایہ بنی بیاضہ کو **موضع بالمدینۃ** بتلاتے ہیں اور بعینہٖ یہی مجمع البحار میں موجود ہے علاوہ ازیں کتب سیر میں بھی متعدد مواقع میں اسی طرح پر مرقوم ہے خود اسی قصہ میں جس کو مجیب اپنا مستدل بنا رہے ہیں **کان اسعد اول من جمع بنا بالمدینۃ** الخ صریح اہل سیر ارشاد فرماتے ہیں حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے اس کے ذیل میں کتب سیر وغیرہ میں موجود ہے **فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاھا وکانت اول جمعۃ صلاھا بالمدینۃ** خلاصۃ الوفا میں مرقوم ہے **مسجد**[3] **الجمعۃ فی بنی سالم بنی عوف وھو الذی کان**

---

[1] خلاصۃ الوفا للاخبار دار المصطفٰی الباب الثامن، ص۲۵۲، مکتبہ میریہ مکہ
[2] السنن الکبریٰ مع الجوہر النقی، الجزء الثالث۔ باب العدد الذین اذا کانوا فی قریۃ وجبت علیھم الجمعۃ ص ۱۷۷ (حیدرآباد)
[3] خلاصۃ الوفاء۔ الفصل الثالث فی بقیۃ المساجد المعلومۃ العین فی زماننا۔ ص ۱۸۴ (میریہ مکہ مکرمہ)

یحول السیل بینه وبین عتبان بن مالك اذا سال لان بنی سالم بن عوف کانت غربی هٰذا الوادی علی طرف الحرة اول ان روایات کو بنظر انصاف ملاحظہ فرمالیجئے اور اس کو بھی دیکھ لیجئے کہ رجم ماعز اسلمی مدینہ میں ہوا یا دوسرے قریہ میں اور عتبان بن مالک کہاں رہتے تھے اور آپ نے جوان کی درخواست کے موافق ان کے یہاں جا کر نماز پڑھی وہ کہاں کا قصہ ہے اس کے بعد پھر یہ بتلایئے کہ اول جمعہ اصحاب نے قبل ہجرت مدینہ منورہ میں پڑھا تھا یا دوسرے کسی قریہ میں اور خود حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اول جمعہ ادا فرمایا وہ کہاں ادا فرمایا، مدینہ طیبہ میں یا دوسرے کسی موضع میں، مگر جو ارشاد ہو بحوالہ معتبرہ ہو محض اجتہاد و تاویل نہ ہو، خوب یاد آیا آپ حضرات خود اپنی تحریرات میں اس بات کے مقر ہیں کہ زمانہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں عوالی مدینہ میں کبھی جمعہ نہیں ہوا اور حرہ بنی بیاضہ میں جمعہ ہونا ثابت بلکہ آپ کا مستدل سوا گر حرہ بنی بیاضہ مدینہ طیبہ سے خارج اور قریہ مستقل تھا جیسے قبا تو پھر عوالی میں جمعہ نہ ہونے کی کیا وجہ اور اس صریح تناقض کا کیا جواب، اب تو آپ کو یہ فرمانا ہوگا کہ عوالی میں جمعہ ہوا بلکہ ابتداء جمعہ وہیں سے ہوئی اور آپ نے بھی اول جمعہ وہیں ادا فرمایا، انہیں امور کے ساتھ اس کا بھی لحاظ فرمالیجئے کہ حضرت مصعب بن عمیر نے ہجرت کر کے مدینہ میں اقامت کی تھی یا عوالی میں اور اسعد بن زرارہ کہاں تھے؟ کتب سیر میں یہ امور مذکور ہیں ضرور ملاحظہ فرمایئے اور حرہ بنی بیاضہ قریہ مستقل تھا تو پھر اس کی کیا وجہ کہ وہاں تو جمعہ ہوا اور قبا وغیرہ دیگر عوالی میں کبھی نہ ہوا حالانکہ دیگر عوالی سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہونا بہ نسبت حرہ بنی بیاضہ دشوار تھا، الحاصل روایت و درایت بہت وضاحت کے ساتھ اس امر پر دال ہیں کہ حرہ بنی بیاضہ متعلقات مدینہ منورہ سے ہے قریہ مستقل ہرگز نہیں، ان سب کو چھوڑ کر ایک دو قول کے ظاہر لفظ پر جم جانا محض ظاہر پرستی اور تعصب کا نتیجہ ہے علاوہ ازیں **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** ایسا قضیہ نہیں جس میں کوئی ظاہر پرست بھی چوں وچرا کر سکے سو ہمارے معروضات کو بوجہ تعصب راجح فرمانے میں کسی کو تامل ہو تو احتمال پیدا کر دینے میں تو کوئی تردد ہی نہیں جس کا رفع فرمانا مستدل کے ذمہ ضروری ہے اس سے پہلے ان کا استدلال ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتا، اس کے بعد مجیب بنارسی فرماتے ہیں، واضح ہو کہ فے کے معنی میدان کے ہیں یہ فے مدینہ نہیں بلکہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر گاؤں مستقل ہے، انتہی۔

ظاہر ہے کہ لفظ فے اس موقع پر بالکل بیہودہ اور غلط ہے ہمارے مجیب یا ان کے کاتب نے لفظ فنا کی مٹی خراب کی ہے غالباً مجیب اس غلطی کا بوجھ کاتب کے سر پر رکھیں گے سو ہم کو بھی اس میں کوئی اصرار وانکار نہیں بلکہ ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ خدا کرے یہ کاتب ہی کی غلطی ہو مگر ان کا یہ فرمانا کہ یہ گاؤں مستقل

ہے کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہوسکتا۔ معروضات سابقہ میں ہم اس کی تغلیط مدلل عرض کر چکے ہیں باقی مجیب کا یہ فرمانا کہ فِنے کے معنی میدان کے ہیں واللہ اعلم، اس سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ مجیب حرہ بنی بیاضہ کے فنائے مدینہ سے خارج ہونے پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ فناء میدان کو کہتے ہیں اور یہ موضع میدان نہ تھا بلکہ وہاں آبادی تھی، کیا خوب اس سے پہلے مولانا ابوالمکارم قبا تلک کو فنائے مدینہ میں داخل فرماتے تھے اب مولوی سعید صاحب اس وجہ سے کہ حرہ بنی بیاضہ میدان نہ تھا اس کو فنائے مدینہ سے خارج کرنا چاہتے ہیں، جناب من، مکان کے سامنے جو جائے وسیع ہوتی ہے اس کو فنائے دار اور شہر کے جوانب میں جو مواقع اور میدان ہوتے ہیں اس کو اہل لغت فناء مصر کہتے ہیں یہ نہیں کہ اگر وہاں مکانات بن جائیں گے تو اس کو فنا نہ کہا جائے گا میدان ہو خواہ مکانات اگر وہ توابع اور لواحق شہر شمار ہوں گے تو یقیناً ان کو فناء میں شمار کریں گے، بخاری شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے[۱] **فابتنی مسجدًا بفناء دارہٖ** فنا کے متعلق جو بحث اوپر گذر چکی ہے اس کو ملاحظہ فرمالیجئے اگر اہل شہر فنا مصر میں کوئی مکان یا مکانات مثل مصلی یا مسجد جنازہ یا اقامت لشکر یا مسافرین وغیرہ کے لئے بنالیں گے تو کیا اس تعمیر یا آبادی کی وجہ سے وہ فناء مصر سے خارج ہو جائے گا ایسے امر بے دلیل بلکہ خلاف اقوال اکابر سے ثبوت مدعی کی توقع رکھنا اور مخالف کے سامنے پیش کرنا صریح دلیل عجز ہے۔

استدلال مجیب بناری

اس کے بعد دوسری حدیث اپنے استدلال میں مجیب بنارسی دارقطنی سے نقل فرماتے ہیں عن[۲] **ام عبد اللّٰہ الدوسیة قالت قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الجمعة واجبة علٰی کل قریة فیها امام وان لم یکونوا الا اربعة**

جواب

اول تو یہ روایت ایسی ضعیف ہے کہ ہمارے مجیب اس کو استدلال میں پیش نہ فرماتے تو بہتر تھا مگر مجیب ہم کو جو چاہیں فرمالیں لیکن دل میں وہ ضرور سمجھتے ہوں گے کہ اب تلک کوئی دلیل مثبت مدعی آپ کو نہیں ملی اس لئے ان کو ایسی روایات سے استدلال کی نوبت آئی اور اس ضعف سے پیچھا چھڑانے کی یہ تدبیر کی کہ فرماتے ہیں کہ دارقطنی[۳] نے اس حدیث کو تین سندوں سے روایت کیا ہے، تینوں سندیں ضعیف

۱؎ بخاری جلد اول، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ، عن عائشۃ ص ۵۵۳ (اصح المطابع دہلی)

۲؎ کسر العریٰ ص ۱۱، نیل الاوطار ج ۳، ص ۱۰۷ (مطبوعہ خیریہ مصر)

۳؎ کسر العریٰ: ص ۱۱

ہیں مگر بعض کو بعض سے ملانے سے یہ نکلتا ہے کہ فی الجملہ اس کو کچھ قوت ہے اس لئے جو ہر نقی میں اس کو قوی صحیح کہا ہے اور اس کے مخالف کوئی روایت ضعیف بھی نہیں، انتہٰی) سب سے پہلے ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ دربارۂ قصہ مصعب بن عمیر روایت ابن عباس منقولہ دار قطنی موجود، روایت ابی مسعود انصاری منقولہ طبرانی اور مرسل زہری منقولہ ابو داؤد موجود، جملہ اہل سیر کا اتفاق و تسلیم محقق اور کوئی روایت ان کے معارض بھی نہیں اور جو سرسری خلاف متوہم ہوتا ہے اس کی تطبیق علماء سے مصرح منقول پھر کیا وجہ کہ ہمارے مجیب نے ان کو تسلیم نہ فرمایا اور اس روایت کو فقط یہ دیکھ کر کہ تین سندوں سے منقول ہے اپنا مستدل بنانے کو تیار ہو گئے حالانکہ وہ روایات ہر طرح قابل اعتبار اور ان کی سندیں اس روایت ام عبداللہ کی سندوں سے بہت فائق اس کے بعد یہ عرض ہے کہ دار قطنی تخریج زیلعی وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیے کہ تینوں سندوں میں انقطاع اور کوئی نہ کوئی راوی متروک موجود ہے اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ یہ سندیں کہ ہر ایک سند میں دہرا سقم موجود ہے مل کر قوی بن سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کسی قسم کی قوت مانی بھی جائے تو اس کی وجہ سے یہ روایت قابل استدلال ولائق احتجاج بھی ہو سکتی ہے یا نہیں اور وہ بھی اس درجہ کی کہ اہل قریٰ پر اس سے فرضیت جمعہ ثابت ہو جائے غالباً یہ تو آپ بھی نہ فرمائیں گے اور کتنی ہی آپ بے انصافی پر کمر باندھیں مگر ایسی جرأت کرتے ہوئے بیشک آپ بھی ضرور رکیں گے، اور دور نہ جائیے تعلیق معنی کو ملاحظہ فرمالیجئے اس بابت اس میں کیا موجود ہے ان کے ارشاد کو آپ غالباً ضرور سہولت کے ساتھ منظور فرمالیں گے اگر چہ اوقات ضرورت کا کوئی قاعدہ ہونا دشوار ہے، روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ **لا جمعة ولا تشريق** الخ[1] باوجود تعدد سند دیکھ لیجئے کہ آپ حضرات اس کی نسبت کیا کیا ارشاد کرتے ہیں باقی آپ کا یہ فرمانا کہ جو ہر نقی میں اس کو صحیح کہا ہے کسی طرح قابل التفات نہیں اول تو اس صحت کے جمہور علماء مخالف اور دلیل بھی ان کی قوی دوسرے جو ہر نقی میں ہر گز اس کو صحیح قوی نہیں فرمایا بلکہ بیہقی نے جو **كلٌّ من رواه متروك** فرمایا تھا اس پر صرف مواخذہ کیا ہے اور بعض رواۃ کی نسبت **صدوق مستقيم** اور **ليس به باس** وغیرہ بعض علماء سے نقل فرمایا ہے اور دوسرا سقم جو اس روایت میں تھا یعنی انقطاع سند اس کی نسبت صاحب جو ہر نقی نے کچھ بھی نہیں فرمایا اتنی بات سے ان کو قائل صحت سمجھ بیٹھنا محض خود غرضی یا نہایت قلت تدبر کی بات ہے علاوہ ازیں صاحب جو ہر نقی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے قول بیہقی پر مواخذہ کرنا مقصود ہے کما لا یخفٰی علی الفہیم ، اور ہمارے مجیب روایت مذکورہ کو ثبوت فرضیت جمعہ فی القریٰ پر استدلال اور حجت فرماتے ہیں ع

---

[1] التلخیص الحبیر ص ۱۳۲، مصنف عبدالرزاق ص ۱۶۸، حدیث ۵۱۷۷ (دار الکتب العلمیہ بیروت)

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

بالجملہ ایسی روایت سے ثبوت فرضیت پر استدلال لانا بروئے انصاف ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتا، بالخصوص ایسے حضرات سے کہ روایات متعددہ قویہ معتبرہ کو دربارہ امور متعلقہ سیر و تاریخ بھی پس پشت ڈال کر بیٹھ رہیں غالبًا اسی وجہ سے بجبوری روایۃ مذکور سے استدلال بیان فرما کر مجیب کو یہ کہنا پڑا (کہ فی الجملہ اس کو کچھ قوت ہے) باقی یہ فرمانا کہ اس کی مخالف کوئی روایت ضعیف بھی نہیں، تعجب کی بات ہے عوالی کا قصہ موجود بلکہ وہاں جمعہ کا نہ ہونا آپ کو خود مسلم، روایات صحیحہ اس بارہ میں ثابت ادھر روایت خاتم الخلفاء پیش نظر اس پر بھی یہ کہہ دینا کہ کوئی روایت ضعیف بھی اس کے مخالف نہیں کس قدر جسارت آمیز فقرہ ہے، خیر یہ قصہ تو ہولیا اب ہم روایت مذکورہ کے سقم وضعف سے قطع نظر کر کے بلکہ مجیب کی فی الجملہ اور کچھ سے بھی یکسو ہو کر اس کی صحۃ وقوۃ کو تسلیم کرتے ہیں مگر حسن اتفاق سے روایت مذکورہ پھر بھی ہم کو ہر طرح مفید اور مجیب کے مشرب کے خلاف ہے، دیکھئے اول تو اس روایت سے جمعہ کے لئے امام کا شرط ہونا معلوم ہوا جس سے مجیب اور ان کے ہم مشرب کوسوں بھاگتے ہیں اور جب اس کے ساتھ روایت ابن ماجہ کے اس ٹکڑے کو بھی لگا لیجئے تو سبحان اللہ **فمن[1] ترکھا حیٰوتی او بعدی ولہ امام عادل او جائر الیٰ آخر الحدیث** دوسرے ان ہر سہ روایت سے یہ ثابت ہوگیا کہ علاوہ امام کم سے کم تین مقتدی جمعہ کے لئے ضرور ہیں جو بعینہٖ مذہب حنفیہ ہے، حالانکہ آپ کی جماعت قلیلہ یہ فرماتی ہیں کہ فقط ایک امام دوسرا مقتدی اقامت جمعہ کے لئے کل دو آدمی کافی ہیں ان دونوں باتوں کے علاوہ آپ کے ہم مشرب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے لئے سرے سے آبادی ہی کی ضرورت نہیں جنگل میدان پہاڑ ہر جگہ جمعہ واجب ہے اور جس روایت کو آپ نے استدلال میں پیش فرمایا ہے اس میں قریہ کی تصریح موجود ہے تو اب خوب واضح ہوگیا کہ ام عبداللہ کی حدیث میں قریہ امام اور عدد اربعہ یہ تینوں قیدیں آپ اور آپ کے چند ہم مشربوں کے صریح مخالف اور امام ابوحنیفہ کے سراسر موافق اور ان کے مذہب کے مؤید ہیں، ہم متحیر ہیں کہ مجیب نے کیا سمجھ کر اس حدیث کو اپنے استدلال میں پیش فرمایا جو ان کے مذہب کے سراسر مخالف اور ہمارے مذہب کے لئے متعدد امور میں دلیل اور حجۃ ہے اب صرف اتنی بات باقی ہے کہ ہمارے مجیب اپنے تمام نقصانات پر خاک ڈال کر اتنی بات پر خوش ہو رہے ہیں کہ حدیث مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصر جمعہ کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ ہر ایک چھوٹے بڑے قریہ میں جمعہ اس روایت سے واجب ہوگیا، مگر بروئے انصاف تو اس کا جواب اس وقت ہم کو دینا ضروری ہے جب ہمارے مجیب ہر سہ اعتراضات

---

[1] ابن ماجہ، باب فرض الجمعۃ ص ۷۵ (رشیدیہ دہلی)

سابقہ سے رستگاری کی کوئی صورت نکال لیں اس سے پہلے ہم سے جواب کا مطالبہ فرمانا **سیئ القضا سیئ الطلب** دونوں خرابیوں کا پورا مصداق بننا ہے جو عقل و دیانت دونوں سے مستبعد ہے ہاں **حسن القضا حسن الطلب** کے بشارت کی طمع میں اگر ہم اپنے ضروری مطالبہ میں تاخیر کر کے مجیب کے مطالبہ کو قبل از وقت ہی پورا کر دیں تو بیشک ہمارا دوہرا احسان ہے جو سب کے نزدیک مستحسن اور مرغوب ہے اس لئے عرض ہے کہ اس کے دو جواب تو اوثق العریٰ میں موجود ہیں اول یہ کہ قریہ بمعنی مصر فقہ میں مستعمل ہے، صاحب قاموس فرماتے ہیں **القریۃ**[1] **المصر الجامع** خود مدینہ منورہ کا لقب **قریۃ الانصار** ہے، کلام الٰہی میں مکہ و طائف کو قریہ فرمایا گیا ہے، دوسرے یہ کہ قریہ کے معنی عام لئے جائیں جو کہ شہر اور گاؤں دونوں کو شامل ہو جیسا کہ مجیب کا خیال ہے تو اب دیگر روایات اور تعامل زمانہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بطریق معروضہ سابقہ اس کو مخصوص مصر کے ساتھ کرنا پڑے گا جیسا کہ اوثق العریٰ میں مفصلاً مذکور ہے اور ہم بھی پوری تفصیل کے ساتھ عنقریب عرض کر چکے ہیں اور یہ احتمال کہ حدیث ام عبداللہ میں قریہ سے مراد خاص قریہ مقابل مصر ہی ہو، ہمارے مجیب بھی باوجود ضرورت اور تعصب کے انشاء اللہ اس کی طرف ہرگز التفات نہ کریں گے ان کافی اور شافی جوابوں کے بعد دو باتیں بغرض تائید یہ احقر بھی عرض کرتا ہے، اول یہ کہ روایت مذکورہ میں ارشاد کل **قریۃ فیھا امام** اس بات پر پورا قرینہ ہے کہ قریہ سے مراد مصر ہے، سب جانتے ہیں کہ عرف و عادت میں قیام امام امصار میں ہوتا ہے نہ دیہات میں، دوسرے مجیب نے جو روایت دار قطنی سے نقل فرمائی ہے اور دار قطنی نے تین سندوں سے اس کو روایت کیا ہے اس کے اخیر میں جملہ یعنی بالقریٰ المدائن بھی منقول ہے جس کو مجیب نے کسی وجہ سے قابل نقل والتفات نہیں سمجھا اب ان سب امور کو خیال فرما کر سب صاحب انصاف فرمالیں کہ مجیب کا یہ استدلال ان کو کیا مفید ہوا جہاں تلک غور کیا جاتا ہے الٹا ان کو مضر ہے اور ہمارے مدعیٰ کے بحمد اللہ ہر طرح سے موافق، ہم خوب جانتے ہیں کہ مجیب نے کسی اضطرار و مجبوری میں یہ استدلال بیان فرمادیا ہے ورنہ وہ اور ان کے ہم مشرب قیامت تلک حدیث مذکور کو قابل استدلال ولائق قبول نہیں فرما سکتے، بالفرض اگر یہ روایت بخاری میں نکل آئے تو بھی تو یہ حضرات روایت مذکورہ کی تضعیف کرنے کو موجود ہوں گے اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں (ان[2] احادیث سے واضح ہو گیا کہ جمعہ کی نماز ہر قسم کی بستی میں درست ہے، اور ہر قریہ کیا بلکہ ہر مسلمان کو آپ نے امر جمعہ کا فرمایا ہے، انتہی) مجیب کو کسی ذریعہ سے معلوم ہو گیا ہو گا مگر جس قدر

---

[1] القاموس الجزء الثانی، فصل القاف ص ۶۵۴ (بولاق مصر)

[2] کسر العریٰ: ص ۱۱

روایت انہوں نے نقل فرمائی ہیں ایک میں بھی قریہ کی تصریح یا تعمیم موجود نہیں اس اخیر روایت میں البتہ لفظ کل قریۃ موجود ہے لیکن روایت میں اس کے آگے جو قیود مذکور ہیں انہوں نے مجیب کی تعمیم خیالی کو بالکل خاک میں ملا دیا ہاں کوئی خوش فہم **وانتم سکاریٰ** سے قطع نظر کر کے فقط **لا تقربوا الصلوٰۃ** ہی پر قناعت کر بیٹھے تو دوسرا قصہ ہے، بالجملہ ان تمام قیود اور شرائط سے جو روایات حدیث سے معلوم ہوتی ہیں قطع نظر کر کے جو چاہے کہے جایئے، اور ان روایات کو اپنا مستدل فرمائے جایئے، ورنہ یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ آپ کی روایات منقولہ میں ایک روایت بھی آپ کے مثبت مدعیٰ نہیں بلکہ بعض روایات منقولہ مجیب ان کے مدعی کو مضر اور صریح مخالف ہیں اور آپ کے طرز کے موافق تو جمعہ ہی کی کیا تخصیص ہے نماز روزہ زکوٰۃ حج صدقۃ الفطر جہاد وغیرہ بہت سے احکام وارد ہ فی الحدیث کو علی التعمیم فرض کہا جائے گا اور کسی تخصیص اور قید اور شرط کا اصلا لحاظ نہ ہوگا حالانکہ جو قیود وشرائط وغیرہ تخصیصات دیگر روایات حدیث سے معلوم ہوتے ہیں ان کو ضرور تسلیم کیا جاتا ہے یہ نہیں کہ بعض نصوص مطلقہ کی وجہ سے ان قیود کو جو دیگر روایات میں مذکور ہیں ساقط الاعتبار کر دیا جائے یا آپ کے تعامل کا اصلا خیال نہ کیا جائے چنانچہ ایک دو مثال بطریق توضیح ہم عرض کر چکے ہیں اس لئے یہ تو مسلم ہے کہ ہر مسلمان کو آپ نے حکم جمعہ کا فرمایا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ادائے جمعہ کے لئے کسی زمانہ یا مکان کی تخصیص یا اور کسی قسم کی تقیید کرنی غلط ہے اگر چہ احادیث سے اس کا ثبوت ہوتا ہو، اگر یہ ہے تو جماعت کی تقیید بھی غلط ہوگی حالانکہ اس کے آپ بھی قائل ہیں اور مریض اور عورتیں وغیرہ بھی داخل سمجھی جائیں گی، نماز جہاد وغیرہ ہر مسلمان پر فرض مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے ادا کے لئے کوئی شرط اور کوئی قید نہ ہو ان باتوں سے ہمارے استدلال میں کوئی سقم پیدا نہیں ہو سکتا، ہمارے استدلال کا جو اوثق العریٰ کے حوالہ سے منقول ہو چکا ہے جواب دیجئے، ان نصوص کے پیش کرنے سے مجیب کی جان نہیں بچ سکتی، مگر مجیب نے جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں ہمارے استدلال اور استفسار سے بالکل اعراض کر کے چند روایتیں نقل فرما دیں جن کا پورا جواب اوثق العریٰ میں موجود ہے اور ہمارے استفسار کا اصلا جواب نہیں دیا حتی کہ اس کا تذکرہ تک نہیں کیا مگر چند روایات مذکورہ سابقہ نقل فرما کر جو کچھ تنبہ ہوا ہے تو اس کے متعلق اخیر میں فقط یہ فقرہ تحریر فرماتے ہیں (اور مکہ[1] سے جو مدینہ والوں کو آپ نے لکھا تو اس وقت دوسری بستیوں میں مسلمان ہی کہاں تھے) جو عذر گناہ بدتر از گناہ کا پورا مصداق ہے اگر مجیب کچھ تدبر اور تفحص فرمائیں گے تو دو دو چار چار مسلمان بلکہ بعض مواقع میں زائد بھی علاوہ مدینہ منورہ دیگر قبائل اور مواقع میں ان کو ثابت ہو جائیں گے اور مجیب اور ان کے ہم

---

[1] کسر العریٰ: ص ۱۱

مشرب کل دو آدمی جمعہ کے لئے کافی فرماتے ہیں، مگر ہم کو تو اس سے کوئی غرض نہ مطلب، ہمارا مدعا تو صرف یہ ہے کہ کہیں اسلام اس وقت ہو یا نہ ہو مگر عوالی مدینہ میں اسلام کا اس وقت ہونا مسلم اس کا انکار مجیب بھی نہیں کر سکتے پھر کیا وجہ کہ آپ نے ان کو حکم اقامت نہ فرمایا، یا انہوں نے اہل مدینہ سے اس حکم کو سن کر اقامت جمعہ کیوں نہ کی؟ اس کے سوا جب آپ قبا میں تشریف فرما ہوئے اور چودہ روز قیام فرمایا تو کیا وجہ ہوئی کہ پھر بھی وہاں اقامت جمعہ کی نوبت نہ آئی؟ جس وقت آپ قبا میں تشریف لے گئے اس وقت تو وہاں اسلام کا تسلیم کرنا کسی کے نزدیک قابل انکار نہیں ہوسکتا پھر کیا وجہ ہوئی کہ اقامت جمعہ کی نوبت نہ آئی بلکہ تمام زمانہ نبوت میں بھی کبھی ایک مرتبہ وہاں جمعہ نہ ہوا، اس کو آپ صاحب بھی تسلیم فرماتے ہیں، پھر تعجب ہے کہ جمعہ کا حکم قریٰ میں بھی تھا تو اہل عوالی نے اس کو کیوں چھوڑ رکھا، اور آپ نے ان کو ارشاد کیوں نہ فرمایا اور اگر آپ تھوڑا سا انصاف فرمائیں گے تو صرف اتنی ہی بات سے کہ مکہ میں جمعہ قائم نہ ہوا اپنی خطا پر متنبہ ہو جائیں گے کیونکہ آپ کے مشرب کی موافق جب صلوٰۃ جمعہ میں بہ نسبت دیگر نمازوں کے کوئی قید زائد ہی نہیں بجز اس کے کہ ایک امام دوسرے مقتدی کا ہونا ضروری ہے تو پھر صلوٰۃ جمعہ ادا نہ فرمانے کی کیا وجہ اور قاضی شوکانی وغیرہ جو جملہ **فلمؐ یتمکن من اقامتها هنا لك من اجل الکفار** نقل فرما رہی ہیں اس کی کیا صورت؟ آخر فرائض خمسہ تو باجماعت آپ ضرور ادا فرماتے تھے، بہت سے اصحاب وہاں موجود تھے اگر حرم شریف میں خوف کفار تھا تو اپنے خاص مکان میں دروازہ بند فرما کر ادا کر لیتے پھر تو قادر تھے اس کے بعد قابل گذارش یہ امر ہے کہ مجیب نے اپنے استدلالات سے فراغت پائی جن کی کیفیت مفصلاً عرض کر چکا ہوں مگر یہ مکرر عرض کر چکا ہوں کہ ان استدلالات مجیب کو اگرچہ مثبت مدعائے مجیب مان بھی لیا جائے تو بھی اس استدلال اور استفسار سے کوئی تعلق نہیں جو اوثق العریٰ میں ان کے مقابلہ میں پیش فرمایا ہے اور احقر بھی مفصلاً عرض کر آیا ہے۔

تقریر اوثق العریٰ

جس کا خلاصہ یہی ہے (کہ قبا اور دیگر عوالی اور منازل میں قبل ہجرت اور بوقت ہجرت اور بعد از ہجرت کبھی جمعہ ادا نہیں کیا گیا حالانکہ بوقت ہجرت بخاری کی روایت کے مطابق آپ نے خود پیر کو قبا میں پہنچ کر چودہ روز وہاں قیام فرمایا اور دو جمعہ آپ کو وہاں واقع ہوئے، سو اگر اہل قریٰ پر اقامت جمعہ فرض تھی تو اس ترک صلوٰۃ جمعہ کی اور آپ کے ترک ارشاد کی کیا وجہ تھی، انتہی) تو ہمارے مجیب نے اس جواب

---

۱ نیل الاوطار الجزء الثالث ص ۱۰۷ (مطبع خیریہ مصر)

سے اعراض فرما کر بے محل اپنے استدلالات تحریر فرمائے تھے جن کا جواب بندہ تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہے مگر سب کچھ لکھ لکھا کر مجیب لبیب الحمدللہ جاگ اُٹھے اور سمجھے کہ عبارت اوثق العریٰ کا کچھ جواب نہیں ہوا تو بمجبوری جواب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں (قولہ ہمارے مولانا کا زور سب اسی تقریر پر ہے، لہٰذا اس کا جواب ہم کئی وجہ سے گذارش کرتے ہیں) ہم عرض کرتے ہیں کہ بشرط فہم وانصاف واقعی یہ استدلال واستفسار زور دینے کے قابل ہے اور مجیب کو اسی کا جواب دینا نہایت ضروری ہے کہ بدون اس کے ان کی رستگاری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور جو باتیں انہوں نے بیان فرمائی ہیں بشرط تسلیم بھی ان کو مفید نہیں ہوسکتیں تاوقتیکہ اس استدلال قطعی کا وہ جواب نہ دیں جس کے جواب دینے کی ان سے توقع نہیں، گو وعدہ تو متعدد جوابوں کا فرماتے ہیں مگر واقعی جواب ایک بھی ہوتا نظر نہیں آتا۔ شعر ؎

یوں خدا کی خدائی برحق ہے ۔۔۔ پر ہمیں تواثر کی آس نہیں

جواب اول از مجیب بنارسی

مگر ہمارے مجیب نے اپنی جد وجہد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور امر مذکور کے چار جواب تحریر فرمائے ہیں، اول کا خلاصہ یہ ہے کہ قبا[1] میں جمعہ کا پڑھنا خود آپ کے کلام سے ثابت ہے کیونکہ اوثق العریٰ میں اس کو بھی تسلیم کیا ہے کہ اول قدوم مدینہ میں آپ نے جمعہ ادا فرمایا **ولذلك[2] جمع لهم اول ما قدم المدينة** اور اس امر کا بھی اقرار کیا ہے کہ اول قدوم مدینہ میں آپ نے قبا میں نزول فرمایا **لما[3] قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة نزل فى علو المدينة فى حى يقال لهم بنو عمرو بن عوف** ان دونوں روایتوں کا یہ مطلب ہوا کہ اول قدوم میں آپ نے جمعہ پڑھایا، اور اول قدوم قبا میں ہوا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قبا میں جمعہ پڑھا گیا اس پر مجیب بنارسی فرماتے ہیں[4] تو اب ہر اہل بصیرت پر واضح ہو جائے گا کہ آپ نے بیشک قبا میں جمعہ پڑھا لیجئے مولانا ہم نے آپ ہی کے کلام سے قبا میں جمعہ پڑھنا ثابت کر دیا، انتہی)

جواب

اقول بحولہ وقوتہ ۔۔۔ شعر ؎

۱؎ کسر العریٰ ص ۱۲

۲؎ فتح الباری ج ۲، ص ۲۴۱ (مطبع خیریہ مصر)

۳؎ مسلم جلد اول ص ۲۰۰، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔ ابوداؤد ج ۱، ص ۶۵، باب بناء المساجد (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

۴؎ کسر العریٰ ص ۱۲

گر از بسیط زمین عقل منعدم گردد بخود گمان نبرد ہیچ کس کہ نادانم

معقول کی ابتدائی رسالوں میں اس قسم کے مغالطات مبتدیوں کے سمجھانے کو البتہ نقل کیا کرتے ہیں مثلاً گھوڑے کی تصویر کی طرف اشارہ کرکے کہہ دیا جائے **ھٰذا فرس و کل فرس صھال** جس سے تصویر مذکور کا بشکل اول صاہل ہونا ثابت ہوتا ہے مگر افسوس ماہرین حدیث اپنی تحقیقات علمیہ میں ایسی خرافات کو اپنا مستدل بنا کر فخر وابتہاج ظاہر فرمانے کو موجود ہوں، **یا للعجب یا للعجب** اگر اس کو دیکھ کر کسی کو ارشاد فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات **و انّ[۱] من العلم لجھلا** یاد آجائے تو ہرگز مستبعد نہیں مجیب کے الفاظ جن کو فخر ومسرت کے ساتھ تحریر فرمارہے ہیں صاف بتلارہے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ جواب کوئی معمولی جواب نہیں ہے بلکہ اہل بصیرت سے تحسین اور داد کے متوقع ہیں اور ہم سے پوچھئے تو ہم کو یوں نظر آرہا ہے کہ اہل بصیرت اس جواب ما بہ الافتخار کو سن کر لاحول پڑھ کر ضرور کانوں میں انگلیاں دے لیں گے، ہاں اگر قسمت سے کوئی صاحب بصیرت ایسے مل جائیں جیسے مار گزیدہ کو سلیم کہہ دیا کرتے ہیں تو کیا عجب ہے کہ مجیب کا خیال پورا ہوجائے، انصاف سے پوچھئے تو اس قسم کے امور کے جوابدہی کی طرف متوجہ ہونا بھی لغویت بلکہ کسی قسم کی حماقت سے خالی نہیں معلوم ہوتا مگر مشکل یہ ہے کہ جواب دیتا ہوں تو اہل علم وفہم کے طعن کا اندیشہ اور جواب نہ دوں تو مجیب سے آنکھیں چرانی پڑتی ہیں اور ان کے خیال خام کی ترقی اور پختگی سے بھی ڈرتا ہوں، اس لئے اس قدر عرض کئے دیتا ہوں کہ مجیب نے جو دو روایتیں نقل فرمائی ہیں اول **و لذٰلک[۲] جمع لھم اول ما قدم المدینۃ** اور دوسری **لما[۳] قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ نزل فی علو المدینۃ الخ** بیشک یہ دونوں روایتیں مسلم اور اوثق العریٰ میں موجود ہیں مگر ان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ نے قبا میں جمعہ ادا فرمایا اپنی قلت فہم پر شہادت صادقہ اور بینہ عادلہ قائم کرنا ہے، اہل فہم جانتے ہیں کہ مجیب کو اس مغالطہ میں پڑنے کا باعث صرف یہ امر ہوا ہے کہ جملہ قدم المدینۃ جو دونوں روایتوں میں موجود ہے اس کے معنی ظاہر پرستی کی بدولت مجیب نے دونوں جگہ ایک ہی لئے، اور اس کو حد اوسط بنا کر بے تکلف نتیجہ نکال لیا حالانکہ اول روایت میں قدم المدینۃ کے معنی حقیقی اور دوسری روایت میں معنی مجازی ہیں کیونکہ روایت ثانی میں قدوم مدینہ کے معنی کوئی ادنیٰ عاقل بھی یہ نہ سمجھے گا کہ آپ جب خاص مدینہ منورہ میں داخل ہوچکے تو اس وقت علو مدینہ یعنی قبا میں آپ نے نزول فرمایا بلکہ ہر کوئی بالبداہت یہی کہے گا کہ موضع قبا چونکہ عوالی اور حوالی مدینہ طیبہ سے ہے اس لئے وہاں آنا

---

۱ ابوداؤد، باب ما جاء من الشعر: ص ۶۸۴ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)
۲ فتح الباری ج ۲، ص ۳۴۱ (مطبع خیریہ مصر)
۳ مسلم ج ۱، ص ۲۰۰، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔ ابوداؤد ج ۱، ص ۶۵، باب بناء المساجد (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

مدینہ منورہ ہی کے آنے کے حکم میں ہے، یا قدم المدینة کے معنی قارب قدوم المدینة یا اراد قدوم المدینة کے ہیں، روایت ثانی میں بنوعمرو بن عوف کی تصریح موجود ہے جو اہل قبا ہیں اور قبا کو تمام علما مدینہ طیبہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تحریر فرماتے ہیں جس سے بیوقوف بھی سمجھ سکتا ہے کہ قبا مدینہ منورہ سے خارج اور دوسرا موضع ہے اب اتنی بات سے کہ روایت مذکورہ میں جملہ قدم المدینہ مذکور ہے اس کو دوسری روایت کے ساتھ ملا کر یہ مطلب سمجھ لینا کہ اول جمعہ آپ نے قبا میں پڑھا، کیا عرض کروں کس کا کام ہے، علاوہ ازیں یہ امر بدیہی ہے کہ روایت اول میں بنی سالم جو مدینہ طیبہ کا محلّہ ہے مقصود بالذکر ہے اور روایت ثانی میں بنی عمرو بن عوف کا تذکرہ ہے اور یہ امر ایسا نہیں کہ جس کے اثبات کے لئے نقل عبارات کی حاجت ہو اور مجیب بھی اپنے رسالہ میں اس کو نقل فرماتے ہیں تو اب یہ بھی ضرور کہنا پڑے گا کہ بنی سالم بن عوف اور بنی عمرو بن عوف دونوں موقع ایک ہیں ولا یقوله الجاھل فضلاً عن الفاضل اور اس کے جواب میں یہ کہنا کہ معنی ظاہر اور حقیقی کو چھوڑنا خلاف اصل ہے انہیں لوگوں کا کام ہے جن کے فہم نارسا کو الفاظ سے معانی تک رسائی نہ ہو، ایسوں سے کیا بعید ہے جو ارشاد ہے من قال لا الٰه الا اللّٰه دخل الجنة میں دخل الجنة کے ظاہری معنی جو ترجمہ کے موافق ہیں لینے کو تیار ہو جائیں اور اس کے مقابلہ میں دلائل و بداہۃ سب کو لغو فرمانے لگیں اس قسم کے امثلہ قرآن و حدیث و عرف وغیرہ میں اس قدر شائع ذائع ہیں کہ کسی سے اس کا انکار متوقع نہیں اور نہ بیان کرنے کی حاجت مگر بنظر توثیق خاص لفظ قدم کی ایک مثال جس میں نزاع ہو رہا ہے حدیث سے نقل کئے دیتا ہوں۔ رمل فی الطّواف کے بارہ میں جو حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت منقول ہے نسائی میں ان الفاظ سے منقول ہے لما قدم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم واصحابه قال المشرکون وھنتھم حمی یثرب الخ ابوداؤد میں ہے قدم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مکة وقد وھنتھم حمی یثرب فقال المشرکون انه یقدم علیکم قوم قد وھنتھم الحمی الخ مسلم میں بھی روایت ہے قدم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم واصحابه مکة وقد وھنتھم حمی یثرب قال المشرکون انه یقدم علیکم غدًا قوم قد وھنتھم الحمی الخ ابن ماجہ میں یہی روایت ان الفاظ سے منقول ہے قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لاصحابه حین ارادوا دخول مکة فی عمرته بعد الحدیبیة ان قومکم غدا سیرونکم فلیرونکم جلدًا اب انصاف سے دیکھ لیجئے کہ لفظ قدم جس پر کوئی ظاہر بین بیجا اصرار کر سکتا تھا وہی لفظ بعینہٖ نسائی کی روایت میں موجود ہے اور روایت ابوداؤد میں لفظ قدم فرما کر پھر یقدم مذکور ہے جو اول کے مخالف اور مصر علی الظاہر کے فہم کے موافق ہے اور روایۃ مسلم میں یقدم کے

بعد غداً بھی صاف موجود ہے جس میں لفظ قدم کی مخالفت خوب واضح ہوگئی ابن ماجہ کی روایت میں قدم مکۃ کی جگہ حین ارادوا دخول مکۃ فرما کر بالکل قصہ ہی طے کردیا والحمدللّٰہ سو جیسا ان روایات میں یقدم غداً کی موافق بغرض رفع تعارض قدم کے معنی لئے جائیں گے اور ارادوا دخول مکۃ کے موافق جیسے قدم کے معنی بنائے جائیں بعینہٖ اسی طرح پر روایت مذکورہ میں قدم المدینۃ کے معنی بے تکلف دیگر روایات حدیث کی مطابق مراد ہوں گے یہ ہرگز نہ ہوگا کہ کوئی ظاہر پرست قدم المدینۃ کے ظاہر پر اڑ کر تمام روایات اور مسلمات بلکہ بدیہیات کا خلاف کرکے ہم کو اس سے الزام دینے کا متوقع ہو، بالجملہ ان ہر دو روایات مذکورہ مجیب میں قدم المدینۃ کے معنی حقیقی مراد لینے بالکل اختراع بیجا اور خبط ناروا ہے، بلکہ روایت ثانی میں حسب معروضہ سابقہ ضرور معنی مجازی لینے پڑیں گے اور اگر کوئی صاحب اس کے عکس پر راغب ہوں یعنی دونوں جگہ قدم المدینۃ کے معنی مجازی مراد لیکر اس سے نتیجہ نکالنا چاہے کہ جیسا کہ مجیب بنارسی کا منشاء معلوم ہوتا ہے تو یہ احتمال بھی لغویۃ اور بطلان میں ماشاء اللہ اول صورت سے کچھ کم نہیں معلوم ہوتا کیونکہ روایت اول میں معنی جمع لھم اول ما قدم المدینۃ میں قدوم مدینہ کے معنی مجازی مراد لینے کھلم کھلا روایات و مسلمات علماء کے مخالف ہے کیونکہ اس اول قدوم سے سب جانتے ہیں کہ بنی سالم میں آپ کا تشریف لانا مراد ہے جو مدینہ طیبہ کا محلّہ تھا۔ اوراق گذشتہ میں اس کی بحث مفصلاً معروض ہو چکی ہے اور اس موقع پر ہم کو اس کی بھی ضرورت نہیں کہ بنی سالم کو مدینہ طیبہ کا محلّہ ہی مانا جائے بلکہ صرف اس قدر کافی ہے کہ بنی سالم اور بنی عمرو بن عوف یعنی قبا دو موضع جدا جدا ہیں اتنا فرق البتہ کرنا پڑے گا کہ اگر بنی سالم کو مدینہ طیبہ کا محلّہ کہا جائے گا تو روایت مذکورہ میں قدوم مدینہ کے ظاہر اور حقیقی معنی لئے جاویں گے اور اگر مدینہ طیبہ سے خارج اور قریہ مستقل کہا جائے گا تو قدوم مدینہ کے معنی اس روایت میں بھی مثل روایت ثانی مجازی ہوں گے لیکن یہ فرق ضرور ہوگا کہ روایت ثانی میں قدوم مدینہ کے معنی مجازی کا مصداق موضع قبا ہوگا اور روایت اول میں اس کا مصداق بنی سالم ٹھہرے گا، جس کا خلاصہ یہ ہوگا کہ قدوم مدینہ کے معنی دونوں روایتوں میں ایک نہ ہوئے کیونکہ ایک کا مصداق بنی سالم اور دوسرے کا محل قبا ہے جس کی وجہ سے حد اوسط مکرر نہ ہوئی تو اب ایسے دو قضیوں سے نتیجہ نکالنا کہ جن میں مکرر حد اوسط نہ پایا جائے کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا، بالجملہ یہ امر مسلم و مصرح ہے کہ مجیب کے ہر دو روایت منقولہ میں ایک روایت کا محمل بنی سالم اور دوسری روایت کا مصداق بنی عمرو بن عوف یعنی قبا ہی، اور یہ دونوں موقع ایک دوسرے سے متغائر ہیں متحد ہرگز نہیں پھر اس سے قبا کی نسبت جو صرف ایک ہی قضیہ میں مذکور ہے ثبوت اقامت جمعہ نکال لینا کیا عرض کروں ہمارے محدث بنارسی کی ایسی کرامت بین

ہے کہ نہ کسی معقولی سے آج تلک ہوسکا نہ کسی منقولی سے، سواب مجیب کا یہ فرمانا (تواب ہر اہل بصیرت پر واضح ہوجائے گا کہ آپ نے بیشک قبا میں جمعہ پڑھا) یہ تو محض شیخ چلی کا خیال ہے البتہ یہ معلوم ہوجائے تو ہوجائے کہ نتیجہ حاصل کرنے کے لئے تکرر حداوسط کی حاجت نہیں۔

جواب ثانی از مجیب بنارسی

اس کے بعد دوسرا جواب بیان فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے (کہ کسی[1] شئ کی عدم نقل سے اس شئ کا عدم لازم نہیں آسکتا، ممکن ہے کہ آپ نے قبا میں جمعہ پڑھا ہو اور ہم تلک نقل کی نوبت نہ آئی ہو چنانچہ روایات صحیحہ سے آپ کا قبا میں نماز پنجگانہ پڑھنا بھی ثابت نہیں تو کیا نماز پنجگانہ کا بھی کوئی منکر ہوسکتا ہے، انتہٰی)

جواب

مجیب کا یہ فرمانا کہ عدم نقل مستلزم عدم نہیں ہوسکتی بجائے خود درست ہے مگر یہ بھی مسلم ہے کہ جب کسی موقع میں کسی شئ کے ذکر کے لئے داعی موجود ہو اور باوجود داعی اس کا تذکرہ نہ کیا جائے تو جملہ علماء ایسے موقع میں بحسب قرائن عدم ذکر سے اس شئ کا عدم سمجھ لیتے ہیں اور اس کی امثلہ فقہاء اور محدثین کے یہاں بالخصوص صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں تو صورت موجودہ میں جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہجرت بہت اہتمام اور توجہ کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں اُدھر صلوٰۃ جمعہ زیادہ تر قابل اہتمام وامتیاز ہے تو ذوق سلیم بالبداہت یہی کہتا ہے کہ آپ کو صلوٰۃ جمعہ ادا فرمانے کی قبا میں ہرگز نوبت نہیں آئی ورنہ ضرور منقول ہوتی، اور دیگر نمازیں بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ وہ پہلے سے برابر ہوتی چلی آتی تھیں اول تو ادائے جمعہ اور ابتداء جمعہ کی برابر قابل اہتمام نہ تھیں جو اس کے ذکر اور ان کے ذکر کو یکساں سمجھ کر قیاس جاری کیا جائے علیٰ ھذا القیاس مجیب ابوالمکارم کا عدم ذکر جمعہ فی القبا کو عدم ذکر جمعہ فی الیمن والطائف وغیرہا پر قیاس فرمانا جیسا کہ انہوں نے مولانا ظہیر احسن کے جواب میں کیا ہے بروئے انصاف قیاس مع الفارق ہے، علاوہ ازیں خود روایت بخاری اور دیگر روایات میں قبا میں آپ کا نمازوں کا پڑھنا اور جماعت کرانا مذکور ہے، بالتفصیل نہ سہی بالاجمال ہی سہی اور اگر آپ کے ذوق سلیم پر کوئی خلط غالب ہوکر اس امر کے تسلیم سے مانع ہو تو ہم بھی خواہ مخواہ آپ کو مجبور نہیں کرتے، مگر اس کا کیا علاج کہ

---

[1] کسر العریٰ ص ۱۲

یہاں حسن اتفاق سے فقط عدم نقل ہی نہیں بلکہ نقل عدم بھی موجود ہے، سو آپ عدم نقل میں تو کچھ فرما سکتے ہیں لیکن نقل عدم میں آپ کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوسکتا بجبوری آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا، دیکھئے سب سے پہلے تو یہی امر قابل لحاظ ہے کہ ہمارے ہر دو مجیب جو اس موقع پر ہمارے مقابلہ میں یہ عذر لچر پیش فرمارہے ہیں کہ عدم نقل شئ مستلزم عدم شئ نہیں ہوسکتا بلکہ ممکن ہے کہ قبا میں آپ نے جمعہ پڑھا ہو لیکن ہم تک منقول ہونے کی نوبت نہ آئی ہو خود اپنے اپنے رسالہ میں اس کے مقر ہیں کہ عوالی میں جمعہ کبھی نہیں ہوا۔ مولانا ابوالمکارم صفحہ بیالیس میں تحریر فرماتے (عوالی[1] میں جمعہ کا نہ ہونا عہد نبوی میں مسلم ہے کما مرسابقًا) محدث بنارسی صفحہ انیس میں لکھتے ہیں (حاصل کلام کا یہ ہے کہ عوالی والے کل صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے تھے) پھر معلوم نہیں کہ اس موقع پر عدم نقل کا عذر پیش فرما کر یہ کیسے کہہ دیا، آپ نے قبا میں جمعہ پڑھا ہو اور ہم تلک نقل کی نوبت نہ آئی ہو حالانکہ خود اپنی تحریروں میں مقر ہیں کہ زمانہ نبوت میں عوالی میں جمعہ نہیں ہوا، علاوہ ازیں اکابر اس امر کو مسلم اور متفق علیہ فرماتے ہیں کہ عوالی مدینہ میں کبھی اقامت جمعہ کی نوبت نہ آئی نہ آپ کے زمانہ میں نہ خلفا واصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وقت میں، امام دار الہجرت جن کو اعرف الناس اور اعلم العلماء با حوال العوالی کہنا حق معلوم ہوتا ہے، مؤطاء میں ترجمۃ الباب **لاجمعة فی العوالی** منعقد فرما کر اس کے مطابق ارشاد حضرت عثمان کو روایۃ فرماتے ہیں اور اس کی شرح میں خاتم المحققین حضرت شاہ ولی اللہ مصفی میں تحریر کرتے ہیں ماخذ قول[2] حضرت عثمان عمل مستمر آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم در ترک تکلیف اہل بدو با قامت جمعہ یا حضور ایشان در بلد انتہی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسوی میں فرماتے ہیں **قلت[3] اتفقوا علٰی انه لا جمعة فی العوالی** الخ حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرماتے ہیں **وکان[4] النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وخلفائه رضی اللّٰه تعالٰی عنهم والائمة المجتهدون رحمهم اللّٰه تعالٰی یجمعون فی البلدان ولا یواخذون اهل البدو هل ولا یقام فی عهدهم فی البدو** الخ ان عبارات کو انصاف سے دیکھ لیجئے کہ کس صراحۃ کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ بالاتفاق عوالی میں جمعہ نہیں ہوتا اور نہ کسی زمانہ میں ہوا، اس قدر تصریحات معتبرہ کے بعد بھی محدثین زمانہ حال کا یہ فرمانا (کہ ممکن ہے کہ آپ نے بوقت قدوم قبا جمعہ وہاں پڑھا ہو لیکن ہم تلک منقول نہ ہوا ہو) کس قدر حیرت خیز اور تعجب آمیز ہے علاوہ ازیں اس امر پر

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص۴
[2] مصفّٰی، لاجمعۃ فی العوالی ص۱۵۳-۱۵۴، مطبع فاروقی دہلی
[3] مسوّیٰ، باب لاجمعۃ فی العوالی، ص۱۵۳، مطبع فاروقی دہلی
[4] حجۃ اللہ البالغہ، الجمعۃ ص۳۰ (مکتبہ اشرفی دیوبند)

سب کا اتفاق ہے کہ اول جمعہ جو آپ نے پڑھا ہے تو وہ بنی سالم میں پڑھا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قیام قبا میں آپ نے ہرگز جمعہ نہیں پڑھا، ورنہ اولیت مذکورہ باطل ہو جائے گی، علاوہ ازیں امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ دربارہ اقامت جمعہ آپ کا کسی کو اہل عوالی میں سے اذن فرمانا ثابت نہیں، مجیب کے قول کی تکذیب کر رہا ہے۔

جواب تیسرا

خیر، دوسرا جواب بھی ہو چکا اب تیسرے جواب کا خلاصہ سنئے، مجیب فرماتے ہیں (کہ بعض[1] لوگوں نے نقل بھی کیا ہے کہ آپ نے قبا میں جمعہ پڑھا، زرقانی شرح مواہب لدنیہ فرماتے ہیں **قیل[2] کان یصلی الجمعة فی مسجد قبا مدة اقامة** اس کے بعد مواہب اور زرقانی اور فتح الباری اور سیرۃ بن ہشام اور تاریخ الخمیس اور جملہ اہل سیر کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ قبا سے روانہ ہو کر آپ نے بنی سالم میں جمعہ پڑھا اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں، بہرحال جمعہ پڑھنا آپ کا قبا میں ثابت ہے، انتہی)

جواب

ہمارے مجیب محدث پر کوئی عجیب کیفیت غریبہ طاری ہے جس کی وجہ سے غالباً ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ کیا کہہ رہا ہوں اور کہنا کیا چاہئے۔ شعر

کہہ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ ۔۔۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

یہ امر تو ظاہر ہے کہ مجیب قبا میں آپ کا جمعہ پڑھنا ثابت فرماتے ہیں جس کے اثبات کے لئے عبارت زرقانی نقل فرمائی مگر اس کے بعد جو شراح حدیث اور اہل سیر کے اتفاق سے آپ کا بنی سالم میں جمعہ پڑھنا نقل فرماتے ہیں اس سے سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ قبا میں آپ کا جمعہ پڑھنا کیونکر ثابت ہوا، یہ امر تو ان کے مدعی کے مخالف اور صریح معارض ہے **کما سیجئ** اور اگر کہیں مجیب کا یہ خیال ہے کہ قبا اور بنی سالم دونوں متحد ہیں جو کسی عاقل سے متوقع نہیں اور مجیب کے بعض الفاظ بھی اس کے خلاف ہیں تو اس کے جواب میں یہی مناسب ہے کہ **هم احدیٰ سؤاتك ایها المجیب** کہہ کر چپ ہو رہیں اور یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ مجیب نے اپنے اس کلام میں کون سے احوال متعدد بیان فرمائے ہیں جس کی وجہ سے فرما رہے ہیں (بہرحال جمعہ پڑھنا آپ کا قبا میں ثابت ہے) خیر ان خرافات وفضولیات سے قطع نظر

[1] کسر العریٰ ص ۱۲

[2] الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، الجزء الاول ص ۳۵۴، المطبعۃ الازہریہ بمصر ۱۳۲۵ھ

کر کے یہ عرض کرتا ہوں کہ عبارت زرقانی قیل[۱] **کان یصلی الجمعة فی مسجد قبا مدة اقامته** اول تو کسی طرح قابل استناد اور لائق اعتبار نہیں حتی کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ قائل کون ہے، اس کا تو موقع کیا ہے کہ قائل کیسا ہے معتبر یا غیر معتبر علیٰ ھذا القیاس سند کا نشان بھی نہیں اس کا تو ذکر کیا ہے کہ سند متصل ہے یا منقطع، صحیح ہے یا ضعیف، معتبر ہے یا غیر معتبر، دوسرے یہ قول شاذ جمیع روایات معتبرہ اور اتفاق اہل سیر کے جس کو مجیب خود نقل فرمارہے ہیں صریح مخالف ومعارض ہے جملہ روایات میں یہی مذکور ہے کہ بوقت ہجرت آپ نے جمعہ بنی سالم یعنی حرہ بنی بیاضہ میں پڑھا حتی کہ اہل تفسیر واہل سیر جو روایات حدیث نقل فرماتے ہیں ان میں صراحۃ کے ساتھ منقول ہے **فمرّ[۲] علیٰ بنی سالم فصلی فیهم الجمعة ببنی سالم وهو المسجد الذی فی بطن الوادی وکانت اول جمعة صلاها رسول الله صلی الله علیه وسلم** یعنی اول جمعہ جو آپ کو پڑھنے کی نوبت آئی وہ بنی سالم میں تھا، اب دیکھ لیجئے کہ وہ قول شاذ ومجہول جس کو مجیب نے زرقانی سے نقل فرمایا تھا اس کے صریح مخالف ہے یا نہیں، اگر اس قول کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ آپ نے قبا میں جمعہ پڑھا تو وہ روایات معتبرہ جن میں آپ کا اول جمعہ پڑھنا بنی سالم میں مذکور ہے یقیناً غلط ہو جائیں گی اور اجماع اہل سیر وغیرہ اسی قول شاذ مجہول کی وجہ سے سب خاک میں مل جائے گا، اس کے سوا ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ حسب ارشاد اکابر اور تصریحات معتبرہ یہ امر محقق ہے کہ عوالی میں کبھی جمعہ نہیں ہوا اور ہمارے ہر دو مجیب بھی اس کو تسلیم فرماتے ہیں اب اسی قول شاذ ومجہول کی وجہ سے یہ قصہ بھی بالکل گاؤ خورد ہو جائے گا اور ان تمام تصریحات کے مخالف اب یہ کہنا پڑے گا کہ عوالی میں بے شک جمعہ ہوا ہمارے ہر دو مجیب شروع رسالہ میں روایت دارقطنی وغیرہ کی تغلیط وتضعیف محض اپنے ایک خیال کی وجہ سے فرما چکے ہیں حالانکہ ایک روایت بھی ان کے معارض موجود نہ تھی اور اب ایک قول شاذ مجہول کو جس کا قائل اب تلک معلوم نہیں روایات معتبرہ اور اتفاق علماء کے مقابلہ میں معتمد علیہ بنا کر ہم کو اس سے الزام دیا جاتا ہے ہیہات ہیہات۔

الحاصل ایسے جوابات واعتراضات پیش کرنے سے انشاء اللہ ہمارا کوئی ضرر نہیں البتہ مجیب کا فہم وانصاف تدین واضطرار ہر عاقل پر خوب واضح وروشن ہو رہا ہے، والحمد للہ، اب اس کے بعد مجیب سلّمہٗ کا بحوالہ فتح الباری وسیرۃ ابن ہشام وغیرہ یہ ثابت فرمانا کہ آپ نے قبا سے روانہ ہو کر جمعہ بنی سالم میں پڑھا یہ بالکل صحیح اور مسلم اور ہمارے مدعی کے موافق مگر اس سے مجیب کو اپنے حصول مدعی کی توقع رکھنا یعنی قبا

---

[۱] صفحہ ۹۵ پر حوالہ گذر چکا ہے۔

[۲] دلائل النبوۃ ج۲، ص۵۱۲، باب ذکر التاریخ لمقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة وکم لبث بعد البعث بمكة (دار الفکر العلمیۃ بیروت)

میں آپ کا جمعہ ادا فرمانا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی عقل کا پورا گاؤ شتر سے حصول بیضہ کا متوقع ہو کر بیٹھ جائے۔ اوثق العریٰ کے اس مضمون کو ہم مکرر بیان کر چکے ہیں کہ روایات معتبرہ سے یہ امر محقق و مسلم ہے کہ آپ نے قبا میں چودہ روز قیام فرمایا اور دو جمعہ آپ کو قبا میں پیش آئے مگر قبا میں آپ کا جمعہ ادا فرمانا غیر ثابت بلکہ نہ پڑھنا ثابت، سو اگر بقول مجیب جمعہ قریٰ میں واجب تھا تو پھر کیا وجہ کہ آپ نے قبا میں جمعہ ادا نہیں فرمایا اور جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بوقت روانگی قبا سے چل کر بنی سالم میں جو متعلقات مدینہ سے ہے جمعہ ادا کیا اس سے قریہ میں جمعہ کا پڑھنا ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ بنی سالم کوئی قریہ مستقل نہیں بلکہ مدینہ منورہ ہی میں شمار ہوتا ہے اور ہمارے مجیب یہ غضب کررہے ہیں کہ دعویٰ تو ان کا یہ کہ آپ نے قبا میں جمعہ ادا فرمایا اور روایت ایسی بیان فرماتے ہیں کہ جس سے بنی سالم میں آپ کا جمعہ ادا فرمانا ثابت ہوتا ہے سوال از آسمان و جواب از ریسمان اسی کا نام ہے، پھر ہم حیران ہیں کہ مجیب قصہ بنی سالم کو تو بیان فرماتے ہیں اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بہرحال جمعہ پڑھنا آپ کا قبا میں ثابت ہے تمام جہاں کے نزدیک تو دلیل و مدعی میں مطابقت ضروری مگر مجیب کے نزدیک مناسبت کی بھی حاجت نہیں بلکہ علاقہ تضاد بھی کافی ہے۔

جواب مجیب بنارسی

اور سنئے اس کے بعد فرماتے ہیں اسی[1] واسطے جب مدینہ میں آپ تشریف لائے تو اہل قبا کو فرمایا کہ وہ مسجد مدینہ میں آکر نماز پڑھا کریں ترمذی میں ہے قال[2] **امرنا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان تشھد الجمعة من قبا** گو اس روایت میں تابعی مجہول ہے مگر حنفیوں کے نزدیک تابعی کا مجہول ہونا کچھ مضر نہیں ہے اگر قبا والوں پر جمعہ فرض نہ ہوتا تو آپ کیوں جمعہ کے لئے ان کو حکم فرماتے، انتہی۔

جواب

اس دلیل کو بھی اول تو مدعی سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ حسب خیال مجیب غایۃ مافی الباب اس حدیث سے اہل قبا کو جمعہ کی نماز کے لئے مدینہ منورہ میں حاضر ہونا ضروری معلوم ہوا اور عبارت اوثق العریٰ جس کا جواب ہمارے مجیب دینا چاہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بوقت ہجرت آپ نے قبا میں چودہ روز قیام فرمایا مگر نہ آپ نے وہاں جمعہ پڑھا نہ اہل قبا کو ترک جمعہ پر سرزنش فرمائی سو ہمارے خیال میں نہیں آتا

[1] کسر العریٰ ص ۱۳
[2] ترمذی ص ۱۱۲، باب ماجاء من کم یوتی الی الجمعۃ (رشیدیہ دہلی)

کہ اس امر سے آپ کے قبا میں جمعہ ترک فرمانے کی کیا وجہ معلوم ہوئی اس سے تو حسب بیان مجیب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قبا وغیرہ جملہ عوالی میں کبھی جمعہ نہیں ہوتا تھا وہو المطلوب، اگر ہمارے مجیب کو فہم وانصاف سے عناد نہ ہوتا تو قبا میں آپ کے جمعہ نہ پڑھنے سے سمجھ جاتے کہ ان کی مرقومہ روایت میں امر الزام وایجاب کے لئے ہرگز نہیں اور اس کا بھی اقرار کر لیتے کہ آپ کے زمانہ میں قبا میں جمعہ نہ ہوتا تھا جو ان کی روایت مجہولہ زرقانی کی صریح مخالف ہے، الحاصل مجیب کی روایت منقولہ کو عبارت اوثق العریٰ کے جواب میں بیان فرمانا بے جوڑ بات ہے اور اگر مجیب کا اس روایت کے نقل کرنے سے صرف یہ مطلب ہے کہ اہل قبا پر وجوب جمعہ اس سے ثابت ہوتا ہے عوالی میں نہ سہی مگر مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر ضرور پڑھیں تو اول تو بقول مجیب یہ روایت ضعیف اس سے ثبوت فرضیت معلوم کیونکہ ایک راوی اس میں مجہول الاسم والحال ہیں باقی مجیب کا یہ فرمانا کہ تابعی کا مجہول ہونا عند الحنفیہ کچھ مضر نہیں غلط ہے مطلقاً جہالت تابعی کا غیر مضر ہونا سوچ سمجھ کر مذہب حنفیہ میں ان کو ثابت کرنا چاہیئے علاوہ ازیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ راوی مجہول مدلس غیر مدلس کیسا ہے جو اس کا عنعنہ قابل اعتبار سمجھا جائے اور یہ روایت معنعن لائق احتجاج ہو اس کے سوا اس حدیث کی سند میں ایک راوی ثور بن[1] ابی فاختہ موجود ہیں جن کی نسبت تقریب میں ضعیف رمی بالرفض مذکور ہے اور بپاس خاطر مجیب ان جملہ امور سے اگر قطع نظر بھی کی جائے تو امر مجوث عنہ میں ہم کو کوئی دقت نہیں بلکہ روایت مذکورہ ہم کو مفید ہے کیونکہ مجوث عنہ صرف یہ امر ہے کہ قری میں اقامت جمعہ درست ہے یا نہیں، اور اس روایت سے قبا میں اقامت جمعہ ہرگز ثابت نہیں ہوتی، بقول مجیب فقط اتنی بات معلوم ہوئی کہ اہل قریٰ کو مصر میں آ کر ضرور جمعہ ادا کرنا چاہیئے جس سے عدم اقامت جمعہ فی القریٰ اور بھی مضبوط ہوگئی کیونکہ قریٰ میں اگر اقامت جمعہ مانی جائے گی تو پھر مصر میں تمام اہل قریٰ کو بغرض صلوٰۃ جمعہ حاضر ہونا کوئی کم فہم بھی ضروری نہ کہے گا۔ باقی اس امر کی تحقیق کہ اہل قبا کا جمعہ کے لئے مدینہ طیبہ میں حاضر ہونا اور آپ کا ان کو اس بارہ میں ارشاد فرمانا اس کا کیا مطلب ہے یہ علیٰ سبیل الفرضیت تھا یا علیٰ وجہ الاستحباب اور تمام اہل قریٰ کو ہر حال میں آنا ضروری تھا یا بشرط گنجائش وفراغ، اس کے متعلق امر واقعی شروع رسالہ میں عرض کر چکا ہوں اور **کان[2] الناس یتناوبون الجمعة من منازلهم والعوالی** کی بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مفصلاً بیان کروں گا جس سے اہل فہم وانصاف کو واضح ہو جائے گا کہ ہمارے مجیب امر حق مطابق عقل ونقل سے منہ پھیر کر اپنے خیالات پورا کرنے کی وجہ سے خیالی پلاؤ پکانا چاہتے ہیں اور اہل

---

[1] ثور بن ابی فاختہ، ترجمہ ۸۶۲، تقریب التہذیب، رمی بالرفض ص ۶۳، مطبع احمدی ۱۲۷۱ھ

[2] بخاری ج ۱، ص ۱۲۳، باب من این توتی الجمعة وعلیٰ من تجب (رشیدیہ دہلی)

انصاف تو بالبداہت خود سمجھ گئے ہوں گے کہ اہل قریٰ پر مثل اہل امصار اگر جمعہ فرض تھا اور قریٰ بھی محل اقامت جمعہ مثل امصار ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ کہ نہ آپ نے قبا میں جمعہ پڑھا نہ اوروں کو کبھی امر فرمایا نہ کبھی آپ کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد میں اور نہ ان کے بعد میں عوالی میں جمعہ ہوا ایسے امر بیّن اور قوی الدلالت کو پس پشت ڈال کر پادر ہوا باتوں سے بے سوچے سمجھے کامیابی کی توقع کرنا سب جانتے ہیں کہ کس کا کام ہے ہم کو کمال حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے مجیب باوجود محبت وعمل بالحدیث ایسے پختہ تعامل کو بلاوجہ وجیہ ترک فرمانا کیونکر گوارا فرماتے ہیں اس وقت تلک جس قدر جوابات واستدلالات ہمارے مقابلہ میں پیش فرمائے گئے ہیں اگر کوئی ان جوابات کو پوچ اور استدلالات کو لچر کہہ کر سکوت کر جائے تو بروئے انصاف اس کا احسان ہے۔

جواب چہارم از مجیب بنارسی

اب جواب چہارم سنئے فرماتے ہیں جو لوگ[۱] کہتے ہیں کہ مدینہ میں جمعہ فرض ہوا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ جمعہ ابھی فرض ہی نہیں ہوا تھا لہٰذا آپ نے حکم نہ دیا جب فرض ہوا تو آپ نے حکم دیا، انتہٰی۔

جواب

جنابِ من! یہ ہیچ مداں مکرر اور مفصل اس مرحلہ کو طے کر چکا ہے اور روایات معتبرہ اور اقوال اکابر سے فرضیت جمعہ قبل الہجرۃ ثابت ہو چکی ہے اس کے مقابلہ میں امر بے دلیل کبھی مسموع نہیں ہوسکتا کوئی دلیل شرعی قابل اعتبار آپ کے پاس ہو تو لایئے ورنہ ایسے اقوال کہ جن کو دوسرا بیان کرے تو احادیث کے مقابلہ میں آپ ان کو ایک لخت متروک وغیر قابل الالتفات فرمائیں اور ناقل پر بھی طرح طرح کے فتوے لگانے کو تیار ہوں ایسے اقوال کو روایات معتبرہ اور اقوال مستندہ کے مقابلہ میں پیش کرنا عجز ومجبوری کے لئے بہت معتبر دستاویز ہے، امور معروضہ سابقہ کو ملاحظہ فرما کر اس کے بعد جو کہنا ہو کہئے اور امور مذکورہ بالا سے قطع نظر کر کے علیٰ وجہ التنزل والتسلیم یہ عرض ہے کہ قبل ہجرت مدینہ طیبہ میں اقامت جمعہ برابر ہونا یہ تو آپ بھی مکرر تسلیم فرما چکے ہیں آپ کو جو کچھ گفتگو ہے سو فرضیت میں ہے افضلیت اور استحباب میں تو کوئی کلام نہیں ہوسکتی سو خیر فرضیت نہ سہی مگر جب استحباب وافضلیت جمعہ مسلم ومحقق ہوگئی حتی کہ آپ نے مصعب بن عمیر کو مدینہ طیبہ میں حکم اقامت جمعہ لکھ بھیجا، جس سے بقول آپ کے فرضیت نہ سہی مگر اہتمام

---

۱ کسر العریٰ ص ۱۳

صلوٰۃ جمعہ کے ظہور میں تو کسی قسم کا خفا باقی نہ رہا پھر اس کی کیا وجہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ کی شان احرص الناس علیٰ العبادات اور اسبق العالمین الی الخیرات ہے مدت اقامت قبا میں جمعہ ادا نہ فرمایا اور قبا سے روانہ ہوتے ہی بنی سالم میں فوراً ادا فرمایا اور مثل اہل مدینہ اہل قبا کو کبھی امر استحبابی نہ سنایا اور اہل قبا نے اہل مدینہ کو دیکھ کر بھی کبھی اس عمل خیر کی طرف رغبت نہ فرمائی جو شان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بالکل خلاف ہے۔

الحاصل! اگر فہم وانصاف سے کام لیا جائے تو درصورت تسلیم عدم فرضیت بھی یہی امر مترشح ہوتا ہے کہ حکم اقامت جمعہ اہل مصر کے ساتھ مخصوص ہے اہل قریٰ اس سے سبک دوش ہیں، باقی مجیب کا یہ فرمانا کہ جب جمعہ فرض ہوا تھا تو اس وقت اہل قریٰ کو حکم دیا ایسا فقرہ کہ جس میں صداقت وواقعیت کی بو بھی نہیں ہے ایک روایت معتبر بھی آپ نے ایسی نہیں بیان فرمائی جس میں آپ نے اہل قریٰ کو حکم اقامت جمعہ فرمایا ہو باقی دوا اور دو چار روٹیوں کا کوئی علاج نہیں کما مر تفصیلہٗ۔

اس کے بعد قابل گذارش یہ امر ہے کہ مجیب بنارسی نے جو کچھ اس مبحث میں تحریر فرمایا تھا جملہ امور کے جواب سے ہم بحمد اللہ فارغ ہو چکے اور مجیب ابوالمکارم نے ان امور میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سب کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ چند جگہ موٹے قلم سے قال لکھ کر کچھ عبارت اوثق العریٰ کی نقل فرمادی پھر جلی قلم سے اقول لکھ کر کہیں فرمادیا کہ ہمارے تقاریر سابقہ سے یہ ساری باتیں من قبیل بناء فاسد علی الفاسد ہے کہیں فرمادیا کہ حضرت شوق کے جواب میں جو ہم نے لکھا ہے اس کو دیکھ لیجئے بالجملہ بجز ان حیلوں وحوالوں کے اور کچھ تحریر نہیں فرمایا مگر ہم نے حسب ارشاد مجیب حضرت شوق کے جواب کو بھی دیکھا لیکن کوئی نئی بات ایسی معلوم نہ ہوئی کہ اس کے جواب کی ضرورت سمجھ میں آتی، اس لئے اس طول لاطائل کو چھوڑ کر بنام خدا آگے چلتا ہوں۔

تقریر اوثق العریٰ

اوثق العریٰ میں اس مبحث کے بعد استدلال جواثا کا جواب تحریر فرمایا ہے، قولہ اور جن علماء کو اس روایت جمعہ جواثا سے شبہ وجوب جمعہ بر اہل قریٰ ہوا ہے وہ کئی وجہ سے درست نہیں ہے، اول تو یہ کہ جواثا گاؤں نہ تھا بلکہ شہر تھا اور جب اس میں ان معنی کا احتمال ہے تو استدلال درست نہ رہا **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** اور اس کے بعد جوہری اور زمخشری اور ابوعبید البکری کے اقوال بحوالہ عینی اس بارے میں نقل فرمائے ہیں کہ جواثا مدینہ ہے اور نیز اطلاق قرآنی سے سند بیان فرمائی اس کے بعد علیٰ وجہ التسلیم

دوسرا جواب یہ بیان کیا ہے کہ اگر تسلیم ہی کرلیا جائے کہ جواثا قریہ تھا تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اہل جواثا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت واذن سے وہاں جمعہ ادا کیا تھا یا اطلاع کے بعد آپ نے اس کی تقریر فرمادی، آج تلک کسی سے یہ ثابت نہیں ہوا اب مستدلین کے ذمہ میں ضروری ہے کہ ہر دو امر مذکورہ بالا کا جواب شافی ایسا بیان فرمائیں کہ جانب مخالف کا احتمال زائل ہوجائے ورنہ استدلال کی خیر نہیں یعنی مبحوث عنہ اس موقع پر اصل میں دو امر ہیں اول یہ کہ جواثا قریہ ہے یا شہر، دوسرے وہاں اقامت جمعہ آپ کے ارشاد سے ہوئی یا بدون ارشاد وتقریر نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس اقامت کی نوبت آئی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے مجیب کو یہ استدلال جب مفید ہوسکتا ہے کہ جب دونوں باتیں ثبوت کو پہنچ جائیں اور ہم کو ایک امر کا عدم ثبوت بھی کافی ہے اور یہ بھی خوب یاد رہے کہ ثبوت یقینی مجیب کو مفید ہوگا اور ہم کو عدم ثبوت احتمالی بھی کافی ہے کیونکہ وہ اس موقع پر مدعی اور مستدل ہیں۔

جواب ابوالمکارم

اس کے بعد ہمارے ہر دو مجیب نے جو کچھ اس بارے میں عرق ریزی فرمائی ہے اس کی کیفیت سنئے: مولانا ابوالمکارم تو امر اول یعنی جواثا کے قریہ ہونے کے ثبوت میں اتنا تحریر فرماتے ہیں کہ (آپ[1] کے ان تمام باتوں کا جواب ہم مفصلاً بجواب حضرت شوق ادا کرچکے ہیں) سو ہم نے مجیب کے حکم کے موافق جواب مذکور کو دیکھا اس کی تفصیلی کیفیت جن صاحبوں کو دریافت کرنی منظور ہو تو اس تقریر برجستہ کو ملاحظہ فرمالیں، خلاصہ یہ ہے کہ عبارت اوثق العریٰ کا کوئی جواب نامعقول بھی قابل نقل ہم کو نہیں ملا البتہ مجیب بنارسی نے جو کچھ امر اول کی نسبت تحریر فرمایا ہے اس کو مفصلاً عرض کرتا ہوں۔

جواب مجیب بنارسی

مجیب بنارسی زور کے ساتھ فرماتے ہیں کہ جواثا[2] کو شہر کہنا محض غلط ہے آپ نے بروایت ابوداؤد قرية من قرى البحرين خود نقل کیا ہے اور قریہ کے معنی حقیقی اہل لغت کے نزدیک گاؤں کے ہیں اور شہر کے معنی مجازی ہیں جب معنی حقیقی بن سکتے ہیں تو احتمال کیسا، انتہی۔

☆☆☆

[1] ہدایۃ الوریٰ ص۴

[2] کسر العریٰ ص۱۳

جواب

اقول بروئے انصاف مجیب کے اس بے ہودہ تغلیط کا یہی جواب کافی ہے کہ ائمہ نقل جس امر کو صراحتاً نقل فرما رہے ہیں اس کی تغلیط صرف اتنی بات سے کہ وہ معنی مجیب کے نزدیک یا فی الواقع مجازی ہیں کوئی ادنیٰ واقف بھی تسلیم نہیں کرسکتا، سب جانتے ہیں کہ معنی مجازی قرینہ کے محتاج ہوتے ہیں اور بس اور ائمہ معتبرین نقل کا نقل فرمادینا تو نہایت قوی قرینہ ہے اس سے کمتر درجہ کے قرائن سے معنی حقیقی چھوڑ کر معنی مجازی راجح اور معتبر ہوجاتے ہیں پھر کس قدر جسارت بے جا ہے کہ مجیب اس پر غلط محض ہونے کا حکم لگارہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات شوافع وغیرہ علماء معتبرین میں سے کسی نے بھی آج تلک صرف معنی حقیقی کے نہ ہونے سے قول مذکور کو غلط محض نہیں فرمایا، واقعی قلت علم وفہم بھی جرأت کا پورا ذریعہ ہے اگر اختلاف علماء کو دیکھا جائے تو معنی قرآن حدیث میں بکثرت ایسے امثلہ ملیں گے کہ ایک عالم معنی حقیقی اور دوسرا معنی مجازی لے رہا ہے اور کسی قرینہ کی وجہ سے معنی مجازی اس کو ارجح معلوم ہوتے ہیں مگر فقط اتنی بات سے ان کو محض غلط کوئی بھی نہیں کہتا، جمعہ کے ہی بارے میں خیال فرمالیجئے کہ **کنا[1] نقیل و نتغدی** الخ اور ارشاد **کانما[2] قرّب دجاجة** الخ مصرح موجود ہے تو کیا معنی متبادر اور حقیقی پر جم کر اور قیلولہ اور قربانی کے معنی ظاہری حقیقی مراد لیکر مذہب جمہور پر کوئی بے انصاف بے دردی سے تغلیط محض اور بطلان یقینی کا حکم لگا سکتا ہے اور کوئی متعصب ایسا کرے بھی تو اہل علم وفہم ایسے ابطال وتغلیط کو قابل اعتبار والتفات خیال فرما سکتے ہیں یا اس قائل کو وقعت کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں؟ تمام اہل علم بالاتفاق تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ صرف عن الظاہر والمتبادر کے لئے فقط اس قدر ضرور ہے کہ کوئی قرینہ عقلی، نقلی، حالی، مقالی، بدیہی، نظری، حسی، عادی، عرفی، اصطلاحی ہونا چاہئے بس انہیں قرائن کی وجہ سے نصوص قطعیہ تلک میں ظاہر اور حقیقت کو چھوڑ کر معنی غیر ظاہر اور مجازی مراد لینے سب کے نزدیک حق سمجھے جاتے ہیں تو اب روایت جواثا میں جو لفظ قریہ ابوداؤد کی روایت میں مذکور ہے جو غایت مافی الباب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول کہا جاسکتا ہے اگر آپ کے ارشاد کے موجب ہم نے اس کے معنی مجازی ہی حسب شہادت اقوال معتبرہ اہل لغت لے لئے تو اس پر کیا طعن ہوسکتا ہے اور اس کے غلط محض ہونے کی کیا دلیل؟ اور اگر اس کے ساتھ تعامل عوالی زمانہ نبوی وغیرہ کو بھی ملاحظہ کیا جائے تو پھر تو اس کی تغلیط فرمانی اہل فہم وتدین سے ہرگز متوقع نہیں۔ بروئے انصاف نقل ائمہ لغت اور تعامل قطعی مذکور کے ملاحظہ کے بعد

---

[1] بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان، باب القائلة بعد الجمعہ ص ۹۲۹، اصح المطابع دہلی

[2] بخاری جلد اول کتاب الجمعۃ باب فضل الجمعہ، ص ۱۲۱ (رشیدیہ پاکستان) مسلم جلد اول کتاب الجمعہ ص ۲۸۱ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

اگر کوئی شخص بپاس مشرب جواثا کے شہر ہونے کا اقرار نہ کرے گا تو لامحالہ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ جواثا کے قریہ ہونے میں احتمال مخالف ایسا قوی پیدا ہوگیا کہ روایت مذکورہ سے ثبوت جمعہ فی القریٰ اور الزام خصم کی توقع کرنی محض سینہ زوری اور مطلق العنانی ہے باوجود ان سب باتوں کے مجیب کا معنی حقیقی پر اصرار فرما کر جواثا کے شہر ہونے پر تغلیط محض کا حکم لگانا اہل عقل کے التفات کرنے کی بھی قابل نہیں ہوسکتا یہاں تلک جو کچھ معروض ہوا وہ قول مجیب کے تسلیم کی بناء پر تھا، اس کے بعد یہ امر بھی قابل گذارش ہے کہ کتب معتبرہ لغت کے ملاحظہ سے یہ امر ظاہر ہے کہ قریہ کے معنی اصل میں بستی اور آبادی کے ہیں شہر ہو یا گاؤں، چھوٹی بستی یعنی گاؤں کے ساتھ اس کو مخصوص سمجھنا اور قریہ کے حقیقی معنی گاؤں کے لینے بالکل لغت عرب کے خلاف ہے، لسان العرب مصباح المنیر قاموس وغیرہ کتب لغت کو ملاحظہ فرمالیجئے دیکھئے تاج العروس شرح قاموس وغیرہ میں نقل کیا ہے وفی[1] **كفاية المتحفظ القرية كل مكان اتصلت به الا بنيته واتخذ قرارا وتقع على المدن وغيرها** تصریحات معتبرہ اہل لغت کے بعد اس بارے میں ردوکد کرنا بالکل ناواقفی یا تعصب کی دلیل ہے، اب باقی رہا استعمال اہل عرب تو اول کلام الٰہی کو دیکھ لیجئے کہ لفظ قریٰ اور قریہ کس کثرت سے موجود ہے لفظ مصر و مدینہ و بلد سب کا استعمال مل کر بھی استعمال قریہ کا دسواں بیسواں حصہ نہ ہوگا اور باوجود اس کثرت کے علی العموم شہر اور بستی کے معنی میں مستعمل ہے الا ماشاء اللہ استعمال اہل عرب کے ثبوت کے لئے اس سے بڑھ کر اور شہادت کیا ہوسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہما اپنے اپنے اُردو ترجمہ میں بکثرت قریہ کا ترجمہ بستی تحریر فرماتے ہیں، اور بعض موقع پر گاؤں اور شہر بھی بیان فرمایا، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے تو یہی استعمال موجود ہے ایک روایت میں ارشاد ہے[2] **اُمرت بقرية تاكل القرىٰ** دوسری روایت میں ارشاد ہے آخر قریۃ[3] من قری الاسلام خرابا المدینۃ دونوں حدیثوں میں قریہ سے مراد میں طیبہ اور قریٰ سے مقصود مطلق بستیاں ہیں شہر ہوں یا گاؤں اس کے سوا اور نظائر احادیث میں موجود ہیں، علیٰ ھذا القیاس۔

عرب کے کلاموں میں اس کے شواہد بکثرت پائے جاتے ہیں جن کی دیکھنے سے بالبداہۃ معلوم ہوتا ہے کہ قریہ کے معنی مطلق بستی کے اگر مجازی بھی ہیں تو مجاز متعارف و مجاز شائع ہیں اور مجاز متعارف و شائع کا حال اقوال علماء میں ملاحظہ فرمالیجئے اس پر بھی حضرت مجیب کا تصریحات ائمہ لغت اور استعمال

---

[1] تاج العروس المجلد العاشر فصل القاف من باب الواو والیاء، قری ص ۲۹۰ (مطبع خیریہ مصر)
[2] باب فضل المدینۃ وانہا تنفی الناس۔ عن ابی ہریرہ، بخاری ج ۱ ص ۲۵۲ (رشیدیہ دہلی)
[3] باب ماجاء فی فضل المدینۃ، ترمذی جلد ثانی ص ۲۲۹۔ عن ابی ہریرہ، ہٰذا حدیث حسن غریب (رشیدیہ دہلی) (مریم اجمل فاؤنڈیشن ممبئی)

قرآن وحدیث واہل عرب سے آنکھیں بند کر کے محض اپنے ہوائی نفس سے تغلیط محض کا حکم لگانا کس قدر سخت امر ہے، بالجملہ وضع لغت واستعمال قدیم اہل عرب دونوں مقصود مجیب کے معارض ہیں البتہ یہ بات مسلم ہے کہ استعمال متاخر واصطلاح متجدد میں قریہ کا اطلاق قریٰ صغیرہ یعنی گاؤں کے ساتھ مخصوص ومشہور ہوگیا ہے جیسا کہ لفظ تمتع حسب وضع لغوی واستعمال سلف قران وتمتع اصطلاحی دونوں پر بولا جاتا ہے مگر اصطلاح متاخرین میں تمتع اصطلاحی کے ساتھ مخصوص ہوگیا کہ اس کے سوا اور بہت نظائر ایسے موجود ہیں کہ علماء نے وضع لغت اور استعمالات اہل عرب میں کسی قسم کی تخصیص کر کے اپنے معنی اصطلاحی مقرر کر لئے ہیں اس تحقیق کے بعد بمقتضائے انصاف روایت مذکورہ سے ہم پر ہرگز الزام قائم نہیں ہوسکتا اور جس حالت میں کہ بعض ائمہ لغت جواثا کے مدینہ ہونے کی تصریح بھی فرمادیں تو پھر تو اس روایت کو مستدل بنانے کی وجہ بجز خواہش نفسانی اور سمجھ ہی میں نہیں آتی، اس کے بعد مجیب بنارسی نے عبارت عینی منقولہ اوثق العریٰ جس کا خلاصہ اوپر عرض کر آیا ہوں اس کی تردید حافظ ابن حجر کے کلام سے نقل فرمائی ہے اگرچہ تقریر معروضہ سابق کے بعد اس کی جواب دہی ضروری معلوم نہیں ہوتی مگر بنظر مزید توضیح عرض کئے دیتا ہوں عبارت عینی منقولہ اوثق العریٰ میں ایک مضمون یہ تھا **وحکی[1] الجوھری والزمخشری وابن الاثیر ان الجواثٰی اسم حصن بالبحرین** اس کے جواب میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں **وھٰذا[2] لاینافی کونھا قریۃ** یعنی ابن حجر نے حسب نقل ائمہ لغت جواثا کا حصن ہونا تو تسلیم فرمالیا مگر یہ فرماتے ہیں کہ حصن ہونا قریہ ہونے کے منافی نہیں اور درصورت عدم منافاۃ حصن ہونے سے قریہ ہونے کی نفی لازم نہ آئے گی، وہوالمطلوب۔

مگر علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب ہمارے نزدیک قابل تسلیم نہیں کیونکہ قریہ اور حصن میں منافاۃ ذاتی اور منافاۃ عقلی کا تو کوئی عاقل وہم بھی نہیں کرسکتا جو اس کے دفعیہ کی ضرورت ہو لیکن منافاۃ عرفی بے شک ہے عرف میں قریٰ صغیرہ کے اندر حصون بتانے کا ہرگز ہرگز دستور نہیں ہے اور مشاہدہ اور عادت کے بالکل خلاف ہے اس لئے علامہ ممدوح کا حکم عدم منافاۃ قابل قبول نہیں تو اب لفظ قریہ جو روایت ابوداؤد میں مذکور ہے اس میں چونکہ قریہ کے کسی قسم کی تشریح نہ تھی اور ان اقوال علماء لغت سے معلوم ہوگیا کہ وہاں قلعہ بھی تھا اور عرف وعادت میں قلعہ بڑی بستیوں میں بنایا جاتا ہے چھوٹی بستیوں میں قلع تیار کرنا خلاف عرف وعادت ہے تو اس لئے بے تکلف معلوم ہوگیا کہ جواثا بڑی بستی تھی گاؤں نہ تھا، سواب اگر ہم مجیب

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری ۶/۲۷۰، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن (بیروت)

[2] فتح الباری الجزء الثانی تحت قولہ جواثی ص ۲۵۹ (مطبع خیریہ مصر)

کے ارشاد بے دلیل کے موافق یہی تسلیم کرلیں کہ قریہ کے حقیقی معنی گاؤں کے ہیں اور شہر پر اس کا اطلاق محض استعمال مجازی ہے تو بھی ہم کو اصلا مضرت نہیں کیونکہ عرف وعادت تمام علماء کے نزدیک ایسا قرینہ قوی ہے کہ جس کی وجہ سے نصوص قطعیہ میں بھی معنی حقیقی چھوڑ کر معنی مجازی لینے پڑتے ہیں اور اگر ہمارے معروضات سابقہ کے موافق ہمت فرما کر قریہ کو بحسب استعمال قدیم عام تسلیم فرمالیں تو پھر تو یہ قصہ اتنا بے تکلف اور سہل ہی ہو جائے گا کہ حق تعالیٰ تمام مشکلات دینی ودنیوی اپنے فضل سے ایسے ہی سہل فرمائے جب نقل مذکور نے مرجوح کو راجح پر یعنی مجاز کو حقیقت پر ترجیح دیدی تو امرین متساوبین میں ایک کی تعیین کردینی کون سی بڑی بات ہے بلاضرورت یہ چند اوراق بدولت حضرت مجیب مثل نامۂ اعمال ہم کو سیاہ کرنے امر مقدر تھا، ورنہ مجیب نے کوئی بات فی الواقع عبارت اوثق العریٰ کے جواب میں ایسی نہیں بیان فرمائی جس کے جواب کے ضرورت سمجھ میں آئے کم سے کم ہمارے مجیب کو کوئی ایسی حجت تو پیش کرنی ضرور تھی جس میں قریہ صغیرہ کی تصریح ہوتی فقط لفظ قریہ پر اڑ کر اور تصریحات جانب مقابل کو بے وجہ مردود خیال فرما کر کامیابی کی امید فرمانی بالکل ع

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

کا پورا مصداق ہے، دوسرا جملہ عبارت عینی منقولہ اوثق العریٰ میں یہ ہے **وحکی[1] ابن التین عن ابی الحسن انھا مدینۃ** اس کے جواب میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دو امر ارشاد فرماتے ہیں **وما[2] ثبت فی نفس الحدیث من کونھا قریۃ اصح مع احتمال ان تکون فی الاول قریۃ ثم صارت مدینۃ** یعنی حدیث ابوداؤد میں جو لفظ قریہ مصرح موجود ہے شیخ ابوالحسن وغیرہ کے قول پر اس کو ترجیح ہوگی اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے قریہ ہوگا کچھ مدت کے بعد مدینہ ہوگیا ہو اور روایت ابن عباس میں پہلی حالت اور شیخ ابوالحسن کے کلام میں پچھلی کیفیت مذکور ہو فلا منافاۃ، علامہ ابن حجر نے اس استدلال پیش فرمودہ علامہ عینی کے دو جواب دیئے، اول کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن کا مدینہ فرمانا قریہ ہونے کے معارض ہے جو روایت ابوداؤد میں مذکور ہے مگر اہل فہم وفراست سے امید ہے کہ تقریر گذشتہ کو ملاحظہ فرما کر اس امر کے دو جواب معلوم کرلیں گے، اول تو یہ کہ قریہ اور مدینہ میں تعارض ہی نہیں بلکہ قریہ حسب اقوال ائمہ لغت واستعمال قرآن وحدیث مدینہ سے عام ہے اور فی مابین عام مطلق اور خاص مطلق تعارض کی کیا معنی، دوسرا یہ کہ حسب منشاء مجیب اگر یہی تسلیم کرلیا جائے کہ قریہ کے معنی اور مصداق حقیقی فقط گاؤں ہی ہے اور شہر اس

---

[1] عینی شرح بخاری (عمدۃ القاری) ج ۶ ص ۲۷۰، باب الجمعۃ فی القری والمدن (بیروت)
[2] فتح الباری الجزء الثانی تحت قولہ جواثی ص ۲۵۹ (مطبع خیریہ مصر)

کا مقابل اور متضاد تو پھر یہ جواب ہوگا کہ بقول مجیب قریہ کے معنی حقیقی اور مدینہ میں تضاد مانا جائے گا مگر قریہ کی مصداق مجازی اور مدینہ میں تو کوئی کسی مخالفت کا روادار نہیں ہوسکتا، اِدھر قریہ کا اطلاق مجازی مدینہ پر سب کو مسلم اور خود مجیب اس کے مقر غایۃ مافی الباب قرینہ صارفہ کی ضرورت ہوگی تو اوپر مفصلاً عرض کرچکا ہوں اور معروضہ سابقہ کے علاوہ ایک قرینہ معنی مجازی کا یہ بھی ہے کہ اگر قریہ کے حقیقی معنی لئے جائیں گے تو اس صورت میں شیخ ابوالحسن کا مدینہ فرمانا اور ابوعبید بکری کا مدینہ نقل کرنا سب غلط ہوجائیں گے تو کیا اس قدر قرائن بھی مانع عن الحقیقۃ اور صارف الی المجاز نہیں ہوسکتے اتنی بات تو ادنیٰ قرینہ مرجحہ سے سب کو تسلیم کرنی پڑتی ہے اور تمام اہل عقل ونقل حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کو بلا تامل تسلیم فرمالیتے ہیں تو اس صورت مسلمہ مجیب کے موافق بھی دونوں قول معمول بہ اور مسلم ہوگئے کسی کا ترک لازم نہ ہوا نہ لفظ روایت متروک ہوا اور نہ تصریحات ائمہ لغت، اب مجیب ہی انصاف فرمالیں کہ تطبیقات ظاہرہ کے ہوتے خواہ مخواہ تعارض مان کر ائمہ نقل کی تغلیط کرنا کیونکر لائق قبول ہوسکتا ہے، دوسرا جواب علامہ ابن حجر نے بیان فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قول ائمہ لغت اور لفظ روایت میں تطبیق بیان فرماتے ہیں کہ قرن اول میں جواثا گاؤں ہوگا اور اس کے بعد شہر ہوگیا ہوگا سو علامہ کا مسلک تطبیق اختیار فرمانا تو مسلم ومقبول مگر جو تطبیق کی صورت علامہ فرماتے ہیں احتمال محض اور امر بے دلیل ہے اور ظاہر سے بعید بھی ہے سوا اس کے کہ علماء لغت کی تغلیط اور تکذیب کرنی نہ پڑے، اور وہ اس تغلیط سے محفوظ رہیں اور کوئی ادنیٰ قرینہ بھی اس تطبیق کا مؤید نظر نہیں آتا، اور جو وجہ تطبیق بیان فرمودۂ اوثق العریٰ ہم عرض کرچکے ہیں اس میں اس تغلیط سے محفوظ رہنے کے سوا تعامل خیر القرون اس کی مؤید اور نقل کتب لغت اور استعمالات نصوص وغیرہ اس کے موافق، پھر اس تطبیق عمدہ بے تکلف کو چھوڑ کر تطبیق بعید وضعیف کو قبول کرنا بے شک قابل انکار ہے، علاوہ ازیں شعر امرء القیس جو علامہ عینی نے اس کلام میں بیان فرمایا ہے اور اس میں بھی جواثا کے شہر ہونے کا قرینہ یعنی کثرت امتعہ اور کثرت تجار موجود ہے اس کا جواب حافظ ابن حجر کے موافق غالباً یہی دیا جائے گا کہ جواثا جاہلیت میں شہر ہوگا اور زمانہ نبوت میں گاؤں ہوگیا ہوگا اور پھر اس کے بعد شہر ہوگیا ہوگا اور اگر اس کے ساتھ اہل جواثا کی وہ کیفیت جو خلافت صدیق اکبر میں اہل ردۃ کی طرف سے پیش آئی ملاحظہ کی جائے جس کے بارے میں امام نووی بھی نقل فرماتے ہیں **فلم[1] یکن یسجد للّٰہ تعالٰی فی بسیط الارض الا فی ثلٰثۃ مساجد مکۃ ومسجد المدینۃ ومسجد عبد القبیس فی البحرین فی قریۃ یقال لھا جواثا ففی ذٰلک یقول الا عور الشنی یفتخر بذٰلک :**

---

[1] مسلم جلد اول باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ ص ۳۸ (اصح المطابع دہلی)

والمسجد الثالث الشرقی کان لنا والمنبران وفصل القول فی الخطب
ایام لامنبر للناس نعرفه الا بطیبة والمحجوج ذی الحجب

تو پھر تو خدا کی پناہ معلوم نہیں ہمارے مجیب کو کتنی لوٹ پھیر کرنی پڑیں گی مگر مجھ کو مجیب کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اشعار کی مٹی خراب کریں گے جس میں وہ کسی قدر معذور بھی سمجھے جا سکتے ہیں اور یا بداہۃً اور ذوق سلیم سے مثل فہم وانصاف ناخوش ہو کر لم اور لانسلم سے کام لیں گے اس لئے ہم بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ جیسا کہ امرء القیس کے شعر سے انہوں نے یہاں سکوت فرمایا ہے ایسے ہی آپ بھی جملہ اشعار سے اعراض فرما کر ان کی جواب دہی کی فکر نہ فرمائیں فقط امور مذکورۂ بالا کی جواب دہی اپنے ذمہ ضروری سمجھیں اور کیا عجب ہے جو مجیب کلام نووی جس کو ہم عرض کر چکے ہیں اس میں لفظ قریہ دیکھ کر الٹا ہم پر الزام قائم کرنے کو تیار ہو جائیں سو ہم کو بھی اس کا کچھ اندیشہ نہیں ہم مجیب کی تقریرات مختلفہ دیکھ کر اس قسم کے امور کو زیادہ عجیب خیال نہیں کرتے بلکہ اگر یہ عرض کیا جائے کہ ایسے امور کے سننے اور ان کے جواب دینے کے کسی قدر خوگر ہو گئے ہیں تو غالباً غلط نہ ہوگا اس لئے جو چال ان کو مستحسن معلوم ہو بے تکلف اختیار فرمائیں ہاں اس قدر ملحوظ رکھیں کہ جو دو وجہ تطبیق جواثا کی قریہ اور مدینہ ہونے کی بارے میں ہم عرض کر چکے ہیں ایک یہ صورت کہ قریہ کو عام رکھا جائے دوسرے یہ کہ قریہ کو گاؤں کے لئے مخصوص مان کر اس کا استعمال بمعنی شہر مجازی کہا جائے ان ہر دو وجہ تطبیق کو تطبیق منقولہ مجیب کے ساتھ موازنہ کیا جائے کہ کونسی صورت اولیٰ اور احق بالقبول ہے بلکہ ان کے ذمہ لازم ہے کہ جو وجوہ ہم نے عرض کی ہیں ان کا دفعیہ بالکلیہ کیا جائے تا کہ حدیث جواثا منقولہ ابوداؤد سے ان کا استدلال فرمانا درست ہو سکے اور مجیب کا یہ فرمانا (کہ[1] اس عبارت حافظ ابن حجر سے عینی کی کل باتوں کا قلع قمع ہو گیا للہ الحمد) قابل قبول ہو جائے اس وقت تک تو جو مجیب نے تحریر فرمایا ہے اس کو اہل عقل خود ملاحظہ فرما کر اور خود ہماری تقریر دیکھ کر اس قلع قمع کی اصلیت بے تکلف معلوم کر سکتے ہیں، اور ہم بھی اس سے زائد عرض کرنے کی حاجت نہیں سمجھتے بجز اس کے کہ ان کے للہ الحمد پر یرحمك الله کہہ کر چپ ہو رہیں اگر کچھ اور تحریر فرمائیں گے اور ہماری معروضات کے جواب معقول دیں گے تو اس وقت دیکھا جائے گا، اس کے بعد یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اوثق العریٰ میں یہ فرمایا تھا کہ قریہ کا اطلاق باعتبار معنی لغوی اجتماع کے مدینہ پر بھی ہوتا ہے اس کے جواب میں مجیب کسی قدر تیزی کے ساتھ فرماتے ہیں (ہوا کرے، حقیقی معنی قریہ کے گاؤں کے ہیں حقیقۃً مقدم ہے مجاز پر ہاں اگر کوئی قرینہ صارفہ ہو تو شہر مراد ہوتا ہے جیسا آیت میں جس کو آپ نے نقل کیا) اس میں مجیب نے

---

[1] کسر العریٰ ص ۱۴

چند امور بیان فرمائے ہیں جن کا جواب تقریر گذشتہ کو ملاحظہ فرما کر ہر عاقل سمجھ جائے گا، امر اول یعنی گاؤں کو قریہ کا مصداق حقیقی فرمانے کا اگر یہ مطلب ہے کہ گاؤں پر قریہ کا اطلاق حقیقۃً ہوتا ہے مجازاً نہیں تو بیشک مسلم مگر اتنی بات ہمارے مقابلہ میں نہ ان کو مفید نہ ہم کو کچھ مضر اور اگر اس جملہ سے ان کی غرض یہ ہے کہ اس کا اطلاق لغوی حقیقی گاؤں ہی میں منحصر ہے اور شہر پر محض مجازی ہے تو اس کی دلیل مجیب نے اب تلک کوئی قوی ضعیف بیان نہیں فرمائی کہ کوئی دلیل قابل قبول بیان کرنی ضروری ہے مگر یہ لغت پنجابی یا ہندوستانی نہیں ہے اس لئے کتب معتبرہ لغۃ اہل عرب سے اس کو ثابت فرمانا ضروری ہے اور اس کو نسبت جو کچھ اوپر معروض ہو چکا ہے اس کا دیکھ لینا بھی مناسب ہے اور اگر یہ مدعی ہے کہ قریہ کا اطلاق حقیقی اصطلاحی گاؤں کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کا مطلب قیامت تلک بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ شہر پر اس کا اطلاق مجازی محض ہوگا بالخصوص وہ اطلاق جو تقرر اصطلاح سے بھی مقدم ہو آلیٰ[1] النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم من نسائه شهراً او کما قال میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایلاء کا اطلاق یہاں مجازی محض ہے بلکہ یہی کہنا ہوگا کہ گو ایلاء شرعی یہ نہ ہو مگر باعتبار وضع لغوی ایلاء اپنے معنی حقیقی میں مستعمل ہے اس کے بعد مجیب کا یہ فرمانا (ہاں اگر کوئی قرینہ صارفہ ہو تو شہر مراد ہوتا ہے) اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ اگر معروضہ بالا سے قطع نظر کر کے ہم تسلیم بھی کر لیں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر محض مجازی ہے تو اول تو اس امر کا ضرور خیال رہے کہ یہ مجاز حسب معروضہ سابقہ متعارف وشائع الاستعمال ہے اس کے بعد یہ عرض ہے کہ ایک قرینہ نہیں بلکہ قرائن متعددہ آپ کے معنی حقیقی کے خلاف پر موجود ہیں، اول تو بوقت قیام قبا آپ کا وہاں جمعہ نہ پڑھنا اور نہ اہل قبا کو امر فرمانا، دوسرے آپ کے اور جملہ صحابہ کے زمانہ میں عوالی میں کہیں صلوٰۃ جمعہ کا قائم نہ ہونا، تیسرے حدیث ام عبداللہ منقولہ مجیب کل قریۃ کے ساتھ فیہا امام کی قید بڑھانا، چوتھے روایت مرفوعہ وموقوفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لا[2] جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع پانچویں ائمہ لغت کا جواثا کی نسبت مدینة بالبحرین کی تصریح فرمانا، چھٹے جوہری وزمخشری کا حصن بالبحرین کہنا ساتویں امرء القیس اور اعورشنی کے اشعار آٹھویں روایۃ اول جمعۃ[3] جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالمدینة الجمعة جمعت فی مسجد عبد القیس بجواثا من البحرین نویں ارشاد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فمن[4] احب من اهل

---

[1] بخاری جلد ثانی، باب قولہ تعالیٰ الذین یولون من نساءہم ص ۷۹۷، ابن ماجہ باب الایلاء ص ۱۴۹۔ اصح المطابع دہلی
[2] تلخیص الحبیر ص ۱۳۲، مصنف عبدالرزاق حدیث ۵۱۷۷، ص ۱۶۸ (بیروت)
[3] ابوداؤد ص ۱۵۳، مختار اینڈ کمپنی دیوبند
[4] مؤطا (مالک) الامر بالصلوٰۃ قبل الخطبۃ فی العیدین ص ۶۳ (مطبع مجتبائی کانپور)

العالیة ان ینتظر الجمعة فلینتظرھا ومن احب ان یرجع فقد اذنتُ له دسویں ارشاد الجمعةُ[1] علٰی کل من سمع النداء فتلك عشرة کاملة اس کے بعد مجیب ارشاد فرماتے ہیں جس کا مدعی یہ ہے کہ بدون قرینہ صارفہ جیسا کہ آپ کی آیت منقولہ یعنی وقالوا[2] لو لا انزل ھٰذا القرآن علٰی رجل من القریتین عظیم میں موجود ہے قریہ سے شہر مراد نہیں ہوسکتا، سوہم مجیب سلّمہ، کے ارشاد کو تسلیم کر کے متعدد قرائن معتبرہ ابھی عرض کر چکے ہیں اور ان کے اس طلب کا جواب بعد تسلیم مکرر عرض کر آئے ہیں مگر یہ امر ملحوظ رہے کہ صرف اتنی بات کہ قریتین سے مراد آیت میں مکہ مکرمہ اور طائف ہے یہ بات تو شان نزول آیت سے بیشک مسلم ہے لیکن یہ بات کہ یہ دونوں مقام بالخصوص طائف بوقت نزول آیت قریہ نہ تھے بلکہ شہر تھے اس کی دلیل مجیب لبیب جوان کے نزدیک قابل قبول ہو بیان فرمائیں جس کی وجہ سے قریہ کے معنی حقیقی کو چھوڑ کر معنی مجازی مجیب کے نزدیک بھی مسلم ہوگئے اور نص قطعی کے ظاہر کو ترک فرمانا حق سمجھا گیا۔ جس وقت مجیب اپنی رائے کے مطابق ایسا قرینہ بیان فرمائیں گے تو اس وقت ہم بھی اپنے کلام سابق سے وہی قرینہ بلکہ اس سے قوی اور متعدد قرائن نکال کر دکھلا دیں گے اور اس بات کا تو وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ ہمارے مجیب جس قرینہ کی بناء پر نص قطعی کے معنی ظاہری حقیقی ترک فرمائیں اس قرینہ کی وجہ سے قول صحابی یا کسی راوی حدیث کے قول کے معنی حقیقی ترک فرمانے میں تامل اور انکار کریں، الحمدللہ جواثا کے قریہ ہونے نہ ہونے کی بحث تو پوری ہوچکی اب امر ثانی یعنی جواثا میں جو اقامت جمعہ کی گئی وہ آپ کے ارشاد سے ہوئی یا بعض صحابہ اہل جواثا کی رائے سے ہوئی اس کی نسبت جو ہمارے ہر دو مجیب کی تحقیق ہے اس کو ہدیہ ناظرین کرتا ہوں، سنئے۔

تقریر اوثق العریٰ

اوثق العریٰ میں یہ مضمون تحریر فرمایا تھا کہ جواثا کو بالفرض قریہ بھی مان لیا جائے تو اس کی کیا دلیل کہ اہل جواثا نے آپ کے ارشاد و اجازت سے وہاں جمعہ قائم کیا تھا یا اقامت کے بعد آپ کو اطلاع کی نوبت آئی اور آپ نے اس کی تقریر فرمادی تھی۔

جواب ابوالمکارم

اس کے جواب میں مولانا ابوالمکارم تحریر فرماتے ہیں کہ جب[3] جواثا میں جمعہ خود آنحضرت صلی اللہ

---

[1] ابوداود، ۱:۱۵۳، باب الجمعة فی القریٰ (رشیدیہ دہلی)

[2] الزخرف آیت ۳۱ [3] ہدایة الوریٰ ص ۵

علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قائم ہو چکا تھا تو اب اس تفتیش کی حاجت نہیں کہ آپ کی اذن سے ہوا تھا یا کیونکر، غایۃ مافی الباب یہ روایت حقیقت میں مرفوع نہ ہوگی تو حکما تو ضرور اس کا مرفوع ہونا ثابت ہے، انتہٰی ملخصاً۔

جواب

مجیب کے اس تحکم بیجا کا تو یہی معقول جواب معلوم ہوتا ہے کہ اہل جواثا چند اشخاص چند دنوں کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ مسائل ضرور یہ سیکھ کر اپنے وطن کو واپس ہو گئے ان کو شرائط جمعہ کی خبر نہیں ہوئی، مدینہ طیبہ میں اقامت جمعہ کو دیکھ کر انہوں نے بھی بوجہ عدم علم شرائط جواثا میں جا کر جمعہ قائم کرلیا اور جو کچھ کیا بالکل اپنی رائے سے کیا اہل عوالی چونکہ ہمیشہ خدمت مبارک میں آتے جاتے رہتے تھے اور واقف حالات تھے ان کو پورے حالات معلوم تھے اس لئے انہوں نے اول سے لیکر آخر تلک ایک دفعہ بھی اقامت جمعہ کسی قریہ میں نہ کی، ورنہ یہ امر کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ اہل جواثا کو تو یہ مسئلہ معلوم ہو جائے اور اہل عوالی میں سے کسی کو خبر ہی نہ ہو اور نہ آپ ان کو مطلع فرمائیں اور یہ بات اقرب الی الفہم اور مشاہد ہے کہ برائے چندے حاضر ہونے والوں کو بہت سے امور مخفی رہ جاتے ہیں، حضرت عمرو بن سلمہ کی قوم نے آپ سے لیومکم[۱] اکثر کم قرآنا سن کر اپنے قبیلہ میں پہنچ کر عمرو بن سلمہ کو امام مقرر فرما دیا جو چھ سات برس کے تھے اور نماز میں کشف عورت غلیظ بھی ہو جاتا تھا جب کہ دیکھنے والوں نے الا[۲] تغطون عنا است قارئکم کہا تو ستر عورت کا بندوبست کیا گیا اور انصاف کی بات جو اہل علم کے نزدیک مسلمات سے ہے یہ ہے کہ اقوال وافعال صحابہ حضرات صحابہ ہی پر موقوف سمجھے جاتے ہیں تاوقتیکہ کسی دلیل سے ان کا مرفوع ہونا ثابت نہ ہو جائے، مقدمہ ابن صلاح میں بیان موقوف میں فرماتے ہیں وھو[۳] ما یروی عن الصحابۃ رضی اللہ عنہم من اقوالھم وافعالھم ونحوھا فیوقف علیھم ولا یتجاوز بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انتہٰی۔

اہل جواثا کو تو مدت العمر میں صرف چند دنوں کے لئے آپ کی خدمت اقدس میں شرف اندوزی کی نوبت آئی وہ حضرات جو تمام زمانہ بعثت میں برابر خدمت میں حاضر رہے اور اہل جواثا سے ہر کمال علمی وعملی میں فائق اور احق شمار ہوتے ہیں ان کا قول اور فعل تو مطلقاً مرفوع گنا ہی نہیں جاتا دیکھئے قول حضرت

---

۱ بخاری جلد ثانی، کتاب المغازی، باب ص ۶۱۶، مکتبہ مصطفائی دیوبند

۲ بحوالہ مذکورہ

۳ مقدمہ ابن الصلاح بیان موقوف، النوع السابع معرفۃ الموقوف ص ۴۳، مکتبہ اشرفیہ دیوبند

علی کرم اللہ وجہہ **لا جمعة ولا تشريق** الخ کو آپ خود موقوف غیر مرفوع فرمارہے ہیں حالانکہ اثر مذکور مرفوعاً بھی منقول ہے مگر اس وجہ سے کہ وہ سندیں قوی نہیں ہیں ان کو کالعدم قرار دیکر اثر مذکور کو موقوف فرمایا جاتا ہے جب باوجود ان سب باتوں کے حضرت علی کے قول کو مرفوع نہیں کہا جاتا تو پھر اقامت جمعہ فی الجواثا کو جس میں جملہ ترجیحات مذکورہ معدوم ہیں اور کوئی روایت ضعیف بھی اس کی مرفوع ہونے کو ظاہر نہیں کرتے کیونکر مرفوع کہہ سکتے ہیں اور ہمارے مجیب ابوالمکارم اس پر بھی اگر قصہ جواثا کو بلاوجہ حکماً مرفوع فرماتے ہیں تو قطع نظر اس امر سے کہ یہ ان کا فرمانا قواعد کے خلاف ہے اس صورت میں قول حضرت علی کو بطریق اولی حکما مرفوع کہنا پڑے گا مجیب کو لازم تھا کہ کوئی ایسی وجہ بیان فرماتے کہ جس سے قصہ جواثا کا حکما مرفوع ہونا اور قول حضرت علی کا غیر مرفوع ہونا اہل عقل کی سمجھ میں آسکے ورنہ دعویٰ بے دلیل قابل سماعت ہوتا تو **لقال من شاء ما شاء** حضرات علماء نے قول صحابی کو صرف ایسے موقع میں حکما مرفوع فرمایا ہے جو مدرک بالقیاس نہ ہو اور رائے کو اس میں دخل نہ ہو علی الاطلاق قول وفعل صحابہ کو حکما مرفوع فرمانا کسی طرح قابل تسلیم نہیں اور مذہب اہل حدیث وفقہاء کے صریح مخالف ہے اور احادیث میں اس کے شواہد بکثرت موجود ہیں **كما لا يخفى على الماهر**.

جواب جمعہ جواثی از جانب حنفیہ

بالجملہ مجیب ابوالمکارم کا یہ فرمانا (کہ جب جواثا میں جمعہ آپ کے عہد مبارک میں قائم ہو چکا تھا تو اب اس تفتیش کی ضرورت نہیں کہ آپ کے اذن سے ہوا تھا یا بلا اذن ہوا تھا) بالکل بے اصل اور غیر قابل التفات ہے البتہ علامہ شوکانی اور حافظ ابن حجر نے جو جمعہ جواثا کو مستدل بنایا ہے اور حنفیہ کے استدلالات اور اعتراضات کا جواب دیا ہے جس کی توضیح وتحقیق اوثق العریٰ میں موجود ہے اس کی نسبت جو ہر دو مجیب نے تحریر فرمایا ہے اس کی کیفیت عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اس لئے یہ التماس ہے کہ قصہ جواثا سے جن حضرات نے اقامت جمعہ فی القریٰ ثابت فرمائی تھی اس کے جواب میں حنفیہ نے اول یہ عذر پیش کیا تھا کہ جواثا کا قریہ ہونا ثابت اور مسلم نہیں چنانچہ اس کی تفصیلی بحث معروض ہو چکی، دوسرا عذر یہ پیش کیا تھا کہ یہ بعض صحابہ کا فعل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے وہاں جمعہ کا قائم ہونا یا بعد اطلاع آپ کا تقریر وتسلیم فرمانا کسی روایت سے ثابت نہیں ہوا تاوقتیکہ کسی دلیل سے یہ نہ معلوم ہو کہ آپ کے ارشاد سے یہ جمع قائم کیا گیا تھا یا آپ نے اس کو تسلیم فرما لیا تھا اس وقت تلک یہ دلیل قابل تسلیم اور حنفیہ پر حجۃ نہیں ہوسکتی چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں ولئن[1] **سلمنا انها قرية فليس في الحديث انه صلى الله**

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری للعینی الجزء السادس، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن ص ۱۸۷، المکتبۃ الرشیدیہ پاکستان

علیه وسلم اطلع علٰی ذٰلك واقرهم علیه

جواب از علامہ ابن حجر وغیرہ

اس سقم اور اعتراض کو علامہ ابن حجر اور قاضی صاحب وغیرہ نے دو طرح سے دفع کیا ہے، اول یہ کہ عادت صحابہ کرام سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل جواثا نے زمانہ نزول وحی میں بلا استفسار محض اپنی رائے سے اقامت جمعہ نہ کی ہوگی، دوسرے اگر وہ ایسا کرتے اور یہ اقامت خلاف حکم شرع ہوتی تو ضرور اس بارے میں ان کی تنبیہ کے لئے قرآن نازل ہوتا جیسا کہ حضرت جابرؓ اور ابوسعید خدریؓ نے جواز عزل کے لئے یہی دلیل فرمائی ہے کہ زمانہ نزول وحی میں لوگ عزل کرتے تھے مگر ممانعت نازل نہیں ہوئی چنانچہ فتح الباری کی عبارت بعینہٖ یہ ہے **ووجه[1] الدلالة منه ان الظاهر ان عبد القیس لم یجمعوا الا بامر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لما عرف من عادة الصحابة من عدم الاستبداد بالامور الشرعیة فی زمن نزول الوحی ولانه لو کان ذٰلك لا یجوز لنزل فیه القرآن کما استدل جابر وابوسعید علی جواز العزل فانهم فعلوه والقرآن ینزل فلم ینهوا عنه** انتھٰی

جواب مذکورہ اوثق العریٰ

سو اوثق العریٰ میں اول امر کی نسبت یہ جواب دیا ہے کہ بعض حضرات کا یہ خیال فرمانا کہ حضرات صحابہ جو کچھ کرتے تھے آپ کے اجازت اور اذن کے بعد کرتے تھے ہرگز درست نہیں ناظرین حدیث بالبداہت جانتے ہیں کہ صحابہ کرام کے بہت سے افعال بدون اذن صریح واجازت آپ کے بھی ہوتے تھے چنانچہ ابن حجر و قاضی شوکانی اور ان کے اتباع خود مقر ہیں کہ در بارہ جمعہ ہی اسعد بن زرارہؓ نے حسب مشورہ انصار قبل امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جمعہ قائم کیا اور روایات حدیث بھی اس بارے میں موجود ہیں کما مر سابقاً۔

علاوہ ازیں اس امر کی نظائر اور شواہد احادیث میں اس کثرت سے موجود ہیں کہ جس کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف اور قاضی صاحب نے کسی مجبوری کی حالت میں یہ جواب تحریر فرما دیا ورنہ ان کی شان کے یہ جواب کسی طرح مناسب نہ تھا کہ ایسے احتمال ضعیف اور خلاف قاعدہ امر سے خصم پر حجۃ قائم فرمائیں، یہی وجہ ہے کہ مجیب بنارسی نے باوجود تصلب وتحکم شدید کے اوثق العریٰ کے اس مواخذہ

---

[1] فتح الباری، الجزء الثانی، تحت قولہ جواثی ص ۲۵۹، مکتبہ خیریہ مصر۔

سے بالکل اغماض فرما کر جواب دہی سے بالکل پہلوتہی فرمائی مگر مجیب ابوالمکارم بزور قوۃ رادہ اتنا کرہی گذرے کہ اوثق العریٰ کے اس جملہ میں (کیونکہ بہت افعال صحابہ کرام بلا اذن صریح واجازت آپ کے ہوا کرتے تھے) لفظ ''بہت'' کو لفظ ''سب'' پڑھ کر زبان درازی پر آگئے اصل جواب تو بالکل ندارد اپنی خوش فہمی اور غلط کاری کی بدولت نصف صفحہ سے زائد پر عجب عجب رنگ دکھلائے ہیں، کہیں تعجب اور تحیر کا اظہار ہے اور کبھی صاف تغلیط کی جاتی ہے کہیں فرماتے ہیں کہ آپ کی تحریر جا بجا ادائے مطلب میں قاصر ہے اس لئے حکم فرماتے ہیں کہ دوبارہ اس مضمون کو تحریر کرنا چاہئے تا کہ جواب دیا جائے کبھی کہتے ہیں کہ یہ عبارت کلام ماسبق کے خلاف ہے تمام رنگ آمیزیوں کے بعد آخر میں فتامل بھی فرما ہی دیا، مگر جس کو کچھ بھی فہم ہوگا اس کو نہ تامل کی حاجت نہ ادنیٰ فکر کی ضرورت، اصلی بات اتنی ہی ہے کہ طبع ہونے میں لفظ بہت صاف نہیں چھپا ہے مجیب نے بے دیکھے سمجھے اس کو لفظ سب خیال کرلیا اور اس غلط بینی اور نافہمی کی بدولت حضرت مجیب کو اس قدر فضولیات اور مذخرفات میں مبتلا ہونا پڑا جس کو ادنیٰ فہیم بھی دیکھ کر یا سن کر اگر آنکھیں بند نہ کرے گا، اور کانوں میں انگلیں نہ دے لے گا تو دانتوں میں انگلیں تو ضرور دے لے گا، باقی قصۂ اسعد بن زرارہ کی نسبت جو مجیب نے اس موقع پر تحریر فرمایا ہے اور روایۃ دارقطنی اور طبرانی مذکورہ سابقہ کو اوثق العریٰ کی عبارت کے معارض بیان کیا ہے محض خیال خام ہے اوراق سابقہ میں اس کی بحث بہت مفصل گذر چکی ہے اور خود اوثق العریٰ میں مفصلاً موجود ہے ان کے ملاحظہ کے بعد انشاء اللہ کوئی عاقل تعارض کا خطرہ بھی نہ کرے گا ہاں ایسے صاحبوں کا کوئی علاج نہیں کہ لفظ بہت کو سب پڑھ کر آندھی اٹھانے کو موجود ہوجائیں۔ شعر ؎

واخوالعداوۃ لایمر بصالح الا ویلمزہ بکذاب اشر

خیر امر اول کی کیفیت تو معلوم ہوچکی اب امر ثانی کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے جس کی نسبت ہر دو مجیب نے زور آزمائی کی ہے سو اس قدر تو پہلے عرض کرچکا ہوں کہ علامہ ابن حجر اور قاضی شوکانی رحمہما اللہ نے اپنے استدلال پر سے اعتراض دفع کرنے کی غرض سے دوسرا امر یہ تجویز فرمایا ہے کہ اگر اقامت جمعہ فی الجواثا خلاف وناجائز ہوتے تو زمانہ نزول وحی میں ضرور اس کی ممانعت نازل ہوتی جیسا کہ حضرت جابرؓ اور ابوسعیدؓ نے جواز عزل کی بابت بعینہٖ یہی استدلال پیش فرمایا ہے۔

تقریر اوثق العریٰ

اور علامہ ابن حجر کے اس استدلال کے جواب میں جو اوثق العریٰ میں ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ

یہ ہے کہ جس عمل درآمد صحابہ کرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم واطلاع سے ہونا ثابت نہ ہوا ہو تو اس عمل درآمد کو صرف اتنی بات سے دلیل جواز نہیں بنا سکتے کہ کوئی نص ممانعت دربارۂ تعامل مذکورہ موجود نہیں بلکہ درصورت عدم نزول ممانعت تعامل مذکور کو دلیل جواز بنانے کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں ایک یہ کہ اس بارے میں کوئی نص ممانعت اور دلیل حرمت موجود نہ ہو دوسرے یہ کہ عامہ صحابہ اس پر تعامل فرمائیں نہ چند اصحاب اگر کوئی نص ممانعت اس حکم میں موجود ہوگی یا جمہور صحابہ اس تعامل میں شریک نہ ہوں گے تو وہ تعامل فقط اتنی بات سے کہ خاص اس کے بارے میں کوئی نص ممانعت موجود نہیں حجۃ جواز ہرگز نہ بن سکے گا اور نہ ایسی تعامل کے بارے میں نزول وحی ضروری سمجھا جائے گا کیونکہ وہ نص ممانعت اور تعامل عام زمانہ نبوت خود بمنزلہ وحی موجود ہے چنانچہ اوطاس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو من کل الوجوہ ابد الآباد تلک حرام فرمادیا تھا لیکن بوجہ بے خبری بعض صحابہ اس کو تحریم مذکور کے بعد بھی جائز سمجھتے رہے اور آپ کے زمانہ سے لیکر زمانہ خلافت حضرت عمر تلک وقتاً فوقتاً اس پر عمل بھی ہوتا رہا اور باوجود اس کے کوئی نص اس کی ممانعت میں نازل نہ ہوئی اس پر بھی اہل سنت میں سے کوئی متعہ کو جائز نہیں کہتا جس سے صاف ظاہر ہے کہ مطلقاً فعل صحابہ کو صرف عدم نزول ممانعت سے دلیل جواز بنالینا ہرگز صحیح نہیں اگرچہ بعض اہل حدیث زمانہ حال حلۃ متعہ پر تلے ہوئے ہیں مگر ہم کو اپنے ہر دو مجیب سے ہرگز یہ اندیشہ نہیں کہ وہ عیاذاً باللہ ایسے امر شنیع کے پاس بھی جائیں بلکہ اوثق العریٰ کی تقریر کا مقصد یہ ہے کہ اہل فہم اس شناعت کو ملاحظہ فرما کر حنفیہ کے مقابلہ میں اس حجۃ کو پیش نہ فرمائیں کیونکہ اس مسلک کے موافق جیسا اقامت جمعہ فی القریٰ ثابت کی جاتی ہے ایسے ہی یہ بھی اندیشہ ہے کہ کوئی مطلق العنان اسی طرز کے موافق حلۃ وجواز متعہ کے اثبات کا خیال خام پکانے کو موجود نہ ہو جائے، بالجملہ عمل درآمد مذکور کو درصورت عدم نزول ممانعت دلیل جواز بنانا دو شرطوں پر موقوف ہے اور باب عزل میں بحمد اللہ دونوں موجود ہیں یعنی نہ کوئی نص اس کے مخالف ہے بلکہ نصوص جواز صریح اس کے موافق موجود ہیں اور عامہ صحابہ قولاً وفعلاً بھی اس تعامل میں شریک ہیں بلکہ اس کے مخالف بعض صحابہ کا تعامل بھی کہیں ثابت نہیں تو اب حضرت جابر و ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اس تعامل اور عدم نزول ممانعۃ کو مستدل بنانا بے کھٹکے قابل قبول اور بلا تامل واجب التسلیم ہے بخلاف مسئلہ اقامت جمعہ فی جواثا کے کہ نص جواز جمعہ فی القریٰ تو اس کے موافق کہاں موجود ہوگی اور الٹا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض روایات حدیث اور تعامل صحابہ اہل عوالی وغیرہ اور اقوال صحابہ صریح اس کے مخالف موجود ہیں اور ادھر اہل جواثا معدودے چند آپ کی خدمت میں چند روز کے لئے شرف اندوز مصاجت ہوئے تھے اور ان صاحبوں نے جا کر جواثا میں جمعہ قائم فرمایا جس

سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اقامت چند حضرات کا تعامل تھا عامہ صحابہ اس تعامل میں ہرگز شریک نہ تھے بلکہ مخالف تھے پھر اس تعامل کو جس میں ہر دو شرائط مذکورہ بالا سے ایک بھی شرط موجود نہیں بلکہ ان کی ضد محقق ہے باب عزل پر قیاس فرمانا کہ جس میں دونوں شرطیں با کمل الوجوہ موجود ہیں کیا عرض کروں کہ ایسے علاموں سے کس قدر مستبعد معلوم ہوتا ہے مگر انصاف بالائے جملہ طاعات ہے اہل انصاف بغور و تامل ملاحظہ فرمالیں کہ تقریر اوثق العری کے سمجھنے کے بعد ان عذرات کی برودت کس قدر محسوس ہوتی ہے، اب اس تحقیق اوثق العری پر جو ہمارے ہر دو مجیب نے مواخذات کئے ہیں ان کو عرض کرتا ہوں محدث بنارسی نے تو اس تمام تحقیق و تفصیل سے تعجب خیز اعراض و اغماض فرما کر صرف ہر دو نظائر بیان فرمودہ اوثق العری پر مواخذہ کیا ہے جس سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ محدث موصوف نے جب ۱۸ر شوال یوم جمعہ کو اوثق العری کا جواب لکھنا شروع کیا تھا اس وقت کسی وجہ سے یہ بھی دل میں قرار دے لیا تھا کہ ۲۳ر شوال یوم پنجشنبہ کو ضرور جواب سے فارغ ہو جاؤنگا خیر اللہ اعلم بحال عبادہ مگر ہمارے مجیب بنارسی نے صرف اتنی بات پر اکتفا فرمایا کہ تمام تقریر کے اقرار و انکار سے سکوت اختیار کر کے اتنا فرما کر کہ حافظ ابن حجر نے جو جواب دیا ہے بہت ٹھیک ہے ہر دو نظائر اوثق العری پر نکتہ چینی شروع کر دی چنانچہ فرماتے ہیں۔

جواب از مجیب بنارسی

قولہ آپ[1] نے اس کے جواب میں دو واقعہ نقل کئے ہیں اول یہ کہ صحابہ نے جمعہ مدینہ منورہ میں قائم کر لیا تھا اس کے جواب میں گزارش کرتا ہوں بے شک مگر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو جمعہ کی فرضیت کی خبر دے دی اگر اس جمعہ کا قائم کرنا عند اللہ منع ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہرگز بذریعہ وحی فرضیت اس کی نازل نہ فرماتا یہ مثال تو ہمارے قول کی تائید کرتی ہے، یہ اور حافظ ابن حجر نے جو نقل کیا ہے اس کی ایک نظیر یہ بھی ہے۔ انتہی

اقول مجیب سلمہ نے شروع رسالہ سے اب تک صریح اور سید ہے امور میں غلط فہمی کا وہ جو ہر و کمال جا بجا ظاہر فرمایا ہے کہ جس کو دیکھ کر نہایت استعجاب و تحیر ہوتا ہے مگر الحمد للہ کہ مجیب ممدوح کی ایسی تقاریر پے در پے دیکھنے کے بعد وہ تحیر و خلش اب بہت کم ستاتی ہے اس لئے اظہار تاسف اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں کے بیان کرنے سے بھی طبیعت میں کاہلی محسوس ہوتی ہے مجیب نے اپنی عادت کے موافق جو اس موقع پر غلطی کھائی ہے یا مغالطہ دینا چاہا ہے وہ ایسا امر ہرگز نہیں کہ اہل فہم اس کو ملاحظہ فرما کر کسی کے جواب دہی

[1] کسر العریٰ ص ۱۴

کے منتظر رہیں مگر اس ناکارہ کو چونکہ اس تمام خامہ فرسائی سے یہی مقصود ہے کہ کسر العریٰ مصنفہ محدث بنارسی کی اصل کیفیت سب پر ظاہر اور روشن ہو جائے اس لئے یہ عرض کرتا ہوں کہ اوثق العری کو ملاحظہ فرما لیجئے اور جو کچھ یہ احقر تفصیل کے ساتھ عرض کر چکا ہے اس کو دیکھ لیجئے کہ یہ امر نہایت وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کے مواخذہ کے کل دو جواب دیئے تھے اول یہ کہ بغیر امرو اجازت شارع علیہ السلام کسی فعل کو کرنا عادت صحابہ کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ اہل جواثا کا اقامت جمعہ فرمانا اگر ناجائز امر ہوتا تو اس کی ممانعت بذریعہ وحی ضرور ظہور میں آتی اوثق العری میں امر اول کے جواب کے ذیل میں قصہ اسعد بن زرارہ کی نظیر پیش فرمائی تھی جس کی نسبت علامہ ابن حجر قاضی صاحب وغیرہ سب کو اقرار ہے کہ اہل مدینہ نے اپنے اجتہاد سے اقامت جمعہ فرمائی تھی دوسرے امر کے جواب میں قصہ حرمت متعہ کو بیان فرمایا ہے اور مجیب سلمہ کی تقریر سے یوں مفہوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی خوش فہمی یا ہماری خوش قسمتی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ ہر دو نظائر جواب ثانی کی ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ اس مختصر عرض کے سمجھ لینے کے بعد ہمارے مجیب کی تمام تقریر کی لغویۃ ایسا امر ہرگز نہیں جو کوئی کم فہم بھی اس میں متامل ہو اب ہم جملہ فضولیات سے قطع نظر کرنے کے بعد مجیب کی خدمت میں ملتمس ہیں کہ بے شک حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو جمعہ کی فرضیت کی خبر دے دی اور اگر اس جمعہ کا قائم کرنا عند اللہ منع ہوتا تو حق جل وعلی ہرگز بذریعہ وحی فرضیت اس کی نازل نہ فرماتا مگر یہ امر بالبداہتہ آپ کے اقرار سے خوب ظاہر ہو گیا کہ حضرات صحابہ کرام نے بلا صدور حکم شریعت اپنے اجتہاد سے جمعہ قائم کیا تھا جس سے اوثق العری کا یہ مضمون خوب واضح ہو گیا کہ حضرات صحابہ بہت سے افعال بلا اذن صریح واجازت آپ کے بھی کر لیا کرتے تھے وہو المطلوب سو اگر اہل جواثا نے بھی آپ کے بلا اذن اپنے قریہ میں جمعہ قائم فرما لیا ہو تو باعث تعجب اور موجب انکار کیا ہے بلکہ بہ نسبت اقامت انصار اہل جواثا کی اقامت بلا اطلاع حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اقرب الی الفہم اور احق بالتسلیم ہے انصار مدینہ نے تو جو کچھ کیا بالکل اپنے اجتہاد سے کیا شرائط وغیرہ تو درکنار اصل صلوٰۃ جمعہ ہی کا اس وقت تک شریعت میں پتا نہ تھا اور اہل جواثا تو مدینہ میں حاضر ہو کر صلوٰۃ جمعہ اور اس کے تمام حالات وکیفیات خوب مشاہد اور معلوم کر گئے تھے صرف اتنی بات ان کو معلوم نہ ہوئی کہ محل اقامت جمعہ خاص امصار ہیں نہ قریٰ جو مشاہدہ کے متعلق ہی نہیں پھر تماشا ہے کہ ہمارے حضرات محدثین ایسی بدیہی اور جلی امر کو بھی ملاحظ نہیں فرماتے بلکہ فہم سے دور اور انصاف سے نفور ہو کر فرماتے ہیں یہ مثال تو ہماری تائید کرتی ہے کسی بے چارہ نے سچ کہا ہے کہ سمجھے سو باؤلا اب ہم بجز اس کے اور کیا عرض کریں کہ خدا کرے ہمارے مجیب علامہ کی پردۂ غیب سے ایسی ہی تائیدات ہوتی رہیں

بالجملہ قصہ اسعد بن زرارہ امر اول بیان فرمودہ علامہ ابن حجر وغیرہ کے جواب میں بطور نظیر اوثق العری میں مذکور ہے جس کو ہمارے مجیب نے اپنی فہم سے کچھ کا کچھ سمجھ کر طوفان بے تمیزی کا مشاہدہ کرادیا۔

اعتراض مجیب بنارسی

اب نظیر ثانی یعنی قصہ متعہ جس کی تفصیلی کیفیت اوپر عرض کرآیا ہوں اس کی نسبت جو محدث بنارسی تحریر فرماتے ہیں اس کو سنئے قولہ[1] دو چار صحابہ کو اس کی نہی نہیں معلوم ہوئی مگر انہوں نے نزول وحی کے زمانہ میں متعہ کو کیا ہی نہیں اگر کرتے تو بے شک اللہ تعالیٰ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی خبر دیتا جب نہی ان صحابہ کو پہنچی تو انہوں نے بھی رجوع کیا لہٰذا کوئی مثال آپ کی ٹھیک نہیں، انتہی۔

اقول مجیب سلمہ نے تو جلی قلم سے لفظ جواب تحریر فرما کر عبارت مذکورہ بیان کردی جس سے سردست ہر ایک ناظر یہی سمجھ لے گا کہ مجیب نے اوثق العری کی نظیر کی ضرور تردید فرمائی ہے مگر ہم جہاں تک غور کرتے ہیں تو عبارت جواب کا خلاصہ صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے متعہ کو قیامت تلک حرام فرمادیا تو یہ امر تو مسلم ہے کہ بعض اصحاب بوجہ عدم علم تحریم متعہ کی حلت کے قائل اور معتقد رہے مگر متعہ کے کرنے کی نوبت کسی کو ہرگز نہیں آئی اگر کسی صاحب کو فعل متعہ کی نوبت آتی تو ضرور بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دی جاتی لیکن اول تو اس فرق بیان کردۂ مجیب کی کوئی دلیل ہونی چاہئے کہ اگر حضرات صحابہ کو اعتقاد و علم میں غلطی واقع ہو اور امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط فتوی بھی دیتے رہیں اور اہل اسلام ان فتوؤں خلاف شرع پر عمل بھی کرتے رہیں چنانچہ در بارہ متعہ یہ جملہ امور مصرح روایات میں مذکور ہیں تو اس صورت میں اس کی اصلاح بذریعہ وحی ضرور نہیں اور اگر کوئی صحابی احیاناً بھی بوجہ عدم علم کوئی فعل خلاف حکم شرع کرلے تو اس کی اصلاح بذریعۂ نزول وحی ضروری ہے مجیب سلمہ کے ذمہ ضروری ہے کہ اس فرق مخترع کی دلیل معتبر تحریر فرمادیں دوسرے مجیب کا بطور یقین یہ فرمانا کہ بعض صحابہ حلت متعہ کے تو قائل تھے مگر زمانہ نزول وحی میں کسی کو متعہ کرنے کی ہرگز نوبت نہیں آئی ایسا یقین ہے کہ جس کی کوئی دلیل مجیب نے بیان نہیں کی اور نہ آئندہ بیان کرنے کی امید بلکہ ظاہر الفاظ حدیث کے مخالف ہے حضرت جابر فرماتے ہیں[2] **کنا نتمتع بالقبضة من التمر و الدقیق الایام علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و ابی بکر حتی نهی عنه عمر فی شان عمرو بن حریث** حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے اور حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں متعہ کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عمر نے عمرو بن حریث

---

[1] کسر العریٰ ص ۱۴

[2] مسلم جلد اول، باب نکاح المتعۃ ص ۴۵۱ (رشیدیہ دہلی)

کے قصہ میں سب کو اس سے روک دیا اور جب خود عمرو بن حریث کا صحابی ہونا بھی ملحوظ ہو تو اور بھی مجیب کے دعوی بلا دلیل کی بے اصلی آنکھوں سے نظر آتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بوجہ عدم علم تحریم بعض صاحبوں کو آپ کے اور ابوبکر وعمر کے زمانہ میں متعہ کی نوبت آئی اور اس امر کی نقل فرمانے والے بھی صحابی ہیں اور اخیر قصہ جس کے بعد حضرت عمر نے اہتمام کے ساتھ سب کو حرمت متعہ سے مطلع فرما کر اس قصہ کو بالکل روک دیا وہ بھی صحابی ہی تھے پھر تعجب ہے کہ ان ظاہر اور بدیہی امور کو بالکل نظر انداز فرما کر ہمارے مجیب بے دلیل اپنی تخصیصات و قیود جاری کرتے ہیں اور اس کی بنیاد پر حق اور مسلم بات کی تغلیط و تردید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں لہٰذا کوئی مثال آپ کی ٹھیک نہیں علاوہ ازیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت عمرو بن سلمہ کے پیچھے ایک جماعۃ صحابہ نے بحالت کشف عورت نماز پڑھی اور عمرو بن سلمہ نے ایسی حالت میں نماز پڑھائی اور یہ نمازیں ان سب حضرات کے نزدیک صحیح سمجھی گئیں اور اس کے بارے میں کوئی نص ممانعت بھی نازل نہ ہوئی ہمارے مجیب کے قاعدے کے موافق ضرور تھا کہ اس بارے میں بذریعہ نزول وحی ان کو متنبہ کیا جاتا علامہ قسطلانی اور فتح الباری شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں **ولا[1] یستدل علی عدم شرط ستر العورۃ فی الصلوٰۃ لانھا واقعۃ حال فیحتمل ان یکون ذلک قبل علمھم بالحکم** اور دیکھئے عبداللہ بن انیس کو آپ نے خالد بن سفیان کے قتل کی غرض سے جو روانہ فرمایا اس قصہ میں وہ فرماتے ہیں **فانطلقت[2] امشی وانا اصلی اومی ایماء** اس کی شرح میں علامہ شوکانی تحریر فرماتے ہیں **لا یتم[3] الاستدلال علی ذلک بحدیث عبداللّٰہ بن انیس الاعلی فرض ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قررہ علی ذلک والا فھو فعل صحابی لا حجۃ فیہ قال ابن المنذر کل من احفظ عنہ العلم. یقول ان المطلوب یصلی علی دابتہٖ یومی ایماء وان کان طالبا نزل فصلی بالارض** ان ہر دو قصوں سے صاف ظاہر ہے کہ فعل صحابہ کو جمہور علماء نے اس موقع پر قابل استناد وعمل نہیں سمجھا اور دیگر دلائل وقواعد شرعیہ کی وجہ سے ان کو ترک فرمایا اور یہی عذر پیش کیا کہ ان امور کے بارے میں آپ کی اجازت وتقریر چونکہ ثابت نہیں ہوئی اس لئے ان قواعد ودلائل مسلمہ کے معارض نہیں ہو سکتی اور خود حافظ ابن حجر اور قاضی صاحب بھی اس عذر میں جمہور کے شریک حال ہیں حالانکہ ان دونوں واقعوں میں وحی ممانعت نازل نہیں ہوئی بعینہٖ یہی حال اقامت جمعہ فی جواثا کا ہے کہ چونکہ اقامت مذکور تعامل زمانہ نبوی وغیرہ کے صریح مخالف ہے اور اس کے بارے میں

---

۱ فتح الباری جلد ثامن، حدیث ۴۳۰۲ ص ۲۳ (مطبوعہ مصر)

۲ بیہقی جلد ۹ ص ۳۸ ۔ نیل الاوطار الجزء الرابع، باب الصلوٰۃ فی شدۃ الخوف بالایماء وھل یجوز تاخیرھا ام لا؟ ص ۱۱، دار الجیل لبنان

۳ بحوالہ مذکورہ

اجازت وتقریر کا پتہ بھی نہیں تو اس لئے حسب ارشاد قاضی صاحب یہاں بھی وہی عذر کیا جائے گا کہ بمقابلہ دلیل یقینی و عادت مستمرہ اس دلیل احتمالی کو ہم قبول نہیں کر سکتے تاوقتیکہ کسی دلیل قوی سے اس کا حقیقتاً یا حکماً مرفوع ہونا ثابت نہ کیا جائے اور عذر عدم نزول وحی اور عدم صدور نہی حسب ارشاد قاضی صاحب وعلامہ ابن حجر جیسا امور مذکورہ بالا میں قابل قبول نہیں ایسا ہی در بارۂ جمعہ جواثا یہ عذر بالکل بارد اور لنگ ہے اور قاضی صاحب اوران کے اتباع سے بالخصوص ہم کو نہایت تعجب ہے کہ قصہ جواثا کو صرف اس خیال سے اپنا مستدل بنائیں کہ برتقدیر مخالفت وخطا اس کا تخطیہ بذریعۂ نزول وحی ضرور کیا جاتا کیونکہ اول تو ان کا یہ ارشاد اس ارشاد کے صریح مخالف ہے جو عبداللہ ابن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں منقول ہو چکا دوسرے قاضی صاحب اپنی تالیفات میں قول وفعل صحابی کو مطلقاً ليس بحجة فرماتے ہیں باوجود ان تمام باتوں کے جو قصہ جواثا کو مستدل بنایا جاتا ہے اور اپنے مذہب اور قول کی موافقت اور مخالفت کا بھی خیال نہیں کیا جاتا بشرط انصاف اس سے زیادہ ثبوت مجبوری کے اور کیا دلیل ہوگی بالجملہ علامہ بنارسی کے کلام سے ظاہر ہے کہ وہ زمانۂ نزول وحی میں فعل صحابی کو مطلقاً حجت تسلیم فرماتے ہیں سو ان کو لازم ہے کہ اول اس دعوی کی اثبات کے لئے کوئی دلیل قابل قبول بیان فرمائیں اور اگر خاص کسی کی تقلید اس کا باعث ہے تو اکابر میں سے کسی کا نام بتلائیں جس کا یہ مذہب ہو کہ فعل صحابی مطلقاً حجت ہے اور قصہ متعہ اور واقعہ عمرو بن سلمہ اور عبداللہ بن انیس جو معروض ہو چکے ہیں ان کا جواب معقول عنایت ہو اور علامہ ابن حجر اور قاضی صاحب کہ جن کا امر متنازع فیہ میں مجیب سلمہ اتباع اور تقلید کررہے ہیں ان کی ہر دو قول میں وجہ توافق بھی ارشاد ہو قصہ جواثا کو تو واقعہ عزل پر محمول فرما کر دونوں صاحبوں نے در بارۂ اقامت جمعہ فی القریٰ اپنا خاصہ استدلال حنفیہ کے مقابلہ میں بنالیا اور عمرو بن سلمہ اور عبداللہ بن انیس کے واقعہ کو عزل پر قیاس فرما کر جواز کشف عورت اور صلوٰۃ طالب کے بارے میں حجت نہ بنایا بلکہ جو عذر حنفیہ نے روایت جواثا میں کیا تھا بعینہٖ وہی عذر ان حضرات نے ان واقعات میں پیش فرمایا سو اس فرق بلاسبب کی کیا وجہ؟

جواب مجیب بنارسی

اس کے بعد مجیب بنارسی ارشاد فرماتے ہیں اور دو شرطیں[1] جو آپ نے جواز کی نکالی ہیں تو وہ شرطیں دونوں جمعہ میں پائی جاتی ہیں جمعہ فی القریٰ میں کوئی ممانعت کی نص نہیں بلکہ خلاف میں اس کی نصوص ہیں

[1] کسر العریٰ ص ۱۴

جیسی ہم نے اوپر لکھی ہیں اور فعل اور قول آپ کا اس میں موجود ہے لہٰذا جو جواب حافظ ابن حجر اور علامہ شوکانی نے دیا ہے بہت ٹھیک ہے۔

جواب

اقول مجیب بنارسی کا مقصد یہ ہے کہ اوثق العری میں یہ فرمایا تھا کہ صحابہ کرام جو فعل بلا اطلاع اور بدون حکم شارع علیہ السلام اپنی رائے سے کریں اور اس کی ممانعت میں نزول وحی نہ ہو تو اس امر کو مطلقاً جائز کہہ دینا اور صرف عدم نزول ممانعت سے اس کو دلیل اباحۃ و جواز بنا لینا درست نہیں بلکہ تاوقتیکہ اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں گی اس وقت تلک امر مذکور کو بوجہ عدم نزول ممانعت جائز نہیں کہہ سکتے ایک یہ کہ دربارۂ امر مذکور کوئی نص ممانعت موجود نہ ہو دوسرے عامہ صحابہ اس پر تعامل فرمائیں نہ چند حضرات اگر ان دونوں شرطوں میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو اس امر مذکور کا جواز دعویٰ بلا دلیل سے زائد وقعت نہ رکھے گا اس پر ہمارے مجیب محدث ہر دو شرط مذکورہ بالا کو تسلیم فرما کر ارشاد کرتے ہیں کہ یہ دونوں شرطیں جمعہ جواثا میں موجود ہیں تو اب حسب بیان اوثق العری قصہ جواثا سے اقامت جمعہ فی القریٰ کا جواز ثابت ہونا مسلم ہونا چاہئے مگر ہم کیا جو مجیب کی اس عبارت کو دیکھے گا نہایت متعجب ہوگا کیونکہ مجیب کا دعویٰ تو یہ کہ دونوں شرطیں مذکورۂ اوثق العری جمعہ جواثا میں موجود ہیں اور عبارت میں فقط شرط اول یعنی نص ممانعت کا موجود نہ ہونا مجیب نے بیان کیا ہے شرط ثانی یعنی عامہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اس پر تعامل فرمانا اس کا کہیں نشان تک بھی نہیں اور یہ ہم بھی عرض کر آئے ہیں کہ اگر ہر دو شرائط مذکورہ بالا سے ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو جواز امر مذکور قابل قبول نہ ہوگا نظر بریں ہم کو مجیب کے کسی بات کے جواب دینے کی ہرگز ضرورت نہیں مجیب کو لازم ہے کہ شرط ثانی یعنی اقامت جمعہ فی القریٰ کو عامہ صحابہ کا معمول بہا ہونا ثابت فرمائیں اس وقت البتہ مطالبہ جواب ہم سے ہوسکتا ہے اور فقط ایک شرط کو بیان کر کے ہم پر الزام قائم کرنا اور جواب کا منتظر ہونا کھلم کھلا اپنے عجز وقصور کا اعتراف کرنا ہے لیکن محض بترعاً ہم یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ شرط اول یعنی دربارۂ جمعہ فی القریٰ کسی نص ممانعت کا نہ ہونا یہ بھی مجیب سلمہ کا بالکل خیال خام اور خلاف واقع امر ہے بعض روایات حدیث اور فعل نبوی اور تعامل اہل عوالی و دیگر اصحاب اور قول حضرت علی و حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جو اوراق سابقہ میں منقول ہو چکے ہیں بتمامہا جمعہ فی القریٰ کے مخالف اور وحی ممانعت کے قائم مقام ہیں جس سے بوضاحت تام معلوم ہوگیا کہ دونوں شرطوں میں سے ایک شرط بھی جمعہ فی القریٰ میں موجود نہیں پھر اس پر بھی قصہ اہل جواثا سے اقامت جمعہ فی القریٰ کی توقع رکھنا ہمارے مجیب

کی بہت واضح اور بیّن کرامت ہے باقی ان کا یہ فرمانا کہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل دربارۂ اقامت جمعہ فی القریٰ موجود ہے اس کی حقیقت مفصلہ معروض ہو چکی ہے بار بار عرض کرنے کی حاجت نہیں اور اخیر میں علامہ ابن حجر اور قاضی صاحب کے جواب مذکورہ بالا کی مکرر توثیق فرمانا بناء فاسد علی الفاسد سے کسی طرح کم نہیں کما مر تفصیلہ اب یہ عرض ہے کہ محدث بنارسی نے جو کچھ تحقیق فرمائی تھی بحمد اللہ اس کی جواب دہی سے تو نجات ملی اب مولانا ابوالمکارم نے جو اس بارے میں جد وجہد کی ہے اس کی بھی حقیقت کسی قدر عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

جواب از ابوالمکارم

مولانا ابوالمکارم تحریر فرماتے ہیں کہ قبل اس[1] کے کہ میں آپ کی تقریرات پر بحث کروں تقریرات مندرجۂ ذیل کو ملاحظ فرمالیں اور یہ کہہ کر جو علامہ موصوف نے ایک صفحہ سے زائد تحریر فرمایا ہے اس تمام تقریر کا لب لباب یہ ہے کہ افعال صحابہ دو طرح کے ہیں ایک تو وہ افعال ہیں جو زمانہ نبوت میں واقع ہوئے اور اس کی پھر دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ ان افعال کی نسبت آپ کی اطلاع اور عدم اطلاع کچھ ظاہر نہ ہو دوسری صورت یہ ہے کہ ان افعال کی نسبت آپ کی عدم اطلاع ثابت ہو اور دوسری قسم میں وہ افعال داخل ہیں جو حضرات صحابہ سے بعد زمانہ نبوت واقع ہوئے اس کی بھی دو صورتیں ہیں مدرک بالرای ہوں یا غیر مدرک بالرای اول قسم کی پہلی صورت جس کی نسبت اطلاع وعدم کا ثبوت نہیں حکماً مرفوع ہے اور اس کی اثبات کے لئے مجیب نے فتح الباری تدریب الراوی وغیرہ کی عبارتیں بھی نقل فرمائے ہیں اور قسم اول کی صورت ثانیہ جس کی نسبت عدم اطلاع حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے گو اصطلاح میں اس قسم کو حکماً مرفوع نہ کہیں لیکن صحت احتجاج میں صورت اول کے مساوی ہے کیونکہ وہ افعال اگر ناجائز ہوتے تو زمانہ نزول وحی میں ان کی ممانعت ضرور نازل ہوتی اب باقی رہی قسم ثانی سو اس کی صورت اولی یعنی افعال مدرک بالرای کو البتہ موقوف کہا جاتا ہے اور صورت ثانی یعنی افعال غیر مدرک بالرای حکماً مرفوع ہوتے ہیں۔

جواب

اب ہماری عرض سنئے مجیب کی تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ افعال صحابہ کی جملہ اقسام میں سے فقط وہ

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص۹

افعال جو بعد زمانہ نبوت ہوئی ہوں اور رائے اور قیاس کو ان میں دخل بھی ہو مرفوع اور حجت نہیں سمجھی جائیں گی اور اس صورت کے ماسوا سب صورتیں افعال صحابہ حکما مرفوع اور قابل احتجاج ہونگی خواہ ان کی نسبت آپ کا عدم علم ہی کیوں نہ محقق ہو جائے سو ہم بخوف طول سب باتوں پر خاک ڈال کر اپنے مجیب ابوالمکارم سے اول تو یہ دریافت کرتے ہیں کہ تقسیم و تفصیل مذکورہ اور اس کے احکام جو مجیب نے تحریر فرمائے ہیں کتب واقوال معتبرہ میں کہیں اس کا پتہ ہے یا نہیں اگر تفصیل مذکورہ بتمامہا کہیں موجود ہو تو براہ عنایت ہم کو بھی مطلع فرمانے میں بخل نہ کریں اور اگر کہیں کا سر اور کہیں کا پیر لے کر ہمارے مجیب نے بمقابلہ عبارت اوثق العری صرف اظہار کمال کے لئے اور بقول شخصے تیلی بے تیلی تیرے سر پر کولھو ہمارے بوجھ میں دابنے کی غرض سے یہ تک بندی کی ہے تو اس کا یہی جواب ہے شعر۔

نگفتہ ندارد کسے با تو کار ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

مگر مجیب غالبًا کیا بلکہ یقیناً یہ فرمائیں گے کہ دلائل مقبولہ معتبرہ ہمارے کلام میں صریح موجود ہیں لیکن اہل فہم اول نظر میں انشاء اللہ معلوم کرلیں گے کہ اقوال علماء مثل حافظ ابن حجر اور امام نووی رحمہم اللہ جو آپ نے نقل فرمائے ہیں وہ بے شک مقبول و معتبر ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ آپ کے مدعی کے لئے ہرگز دلیل نہیں ہوسکتی اور جو بات دلیل آپ کی ہوسکتی ہے وہ مقبول نہ معتبر۔ الحاصل جو امر مقبول ہے وہ آپ کی دلیل نہیں اور جو دلیل ہے وہ مقبول نہیں پھر اثبات مدعی ہو تو کیونکر ہو خیر زوائد امور سے قطع نظر کر کے یہ گزارش ہے کہ یہ امر تو بدیہی ہے کہ مجیب نے جو افعال صحابہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے مقصود بالبحث اور ہماری غرض کے متعلق صرف قسم اول ہے یعنی وہ افعال جو حضرات صحابہ کرام نے زمانہ نزول وحی میں کئے قسم ثانی سے ہم کو نہ کوئی غرض نہ اس میں نزاع سو ہمارے مجیب نے قسم اول کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ ان افعال کی نسبت آپ کی اطلاع اور عدم اطلاع سے کوئی جانب معلوم نہ ہوئی ہو دوسرے وہ افعال اصحاب کہ جن کی بابت آپ کی عدم اطلاع ظاہر ہو اور ان دونوں صورتوں میں علی الاطلاق افعال مذکورہ کو حکما مرفوع اور قابل احتجاج فرما چکے ہیں جس میں نہ صرف ہم کو بلکہ سب کو خلاف ہے مگر مجیب سلمہ نے ہر دو صورت میں وہی دلیل بیان فرمائی ہے صورت اولی کے ثبوت حکم کے لئے تو علامہ ابن حجر وغیرہ کے کلام نقل کی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابی کا **کنا نفعل کذا** اور **کنا نقول کذا** وغیرہ فرمانا علی الاصح حکماً مرفوع شمار ہوتا ہے مگر بشرط فہم یہ امر نہ مجیب کو مفید اور نہ ہم کو مضر بلکہ ان ارشادات اکابر کا تو وہی مطلب ہے جو شرط ثانی مذکورۂ اوثق العری کا مقصد تھا یعنی عامہ صحابہ کا اس پر تعامل فرمانا کما مر۔

اہل فہم تو میری اس عرض کو عبارات و امثلۂ احادیث منقولہ مجیب ہی ملاحظہ فرما کر بلا تامل تسلیم فرما

لینگے تمام امثلہ میں وہی امور مذکور ہیں جن پر بالبداہتہ عامہ اصحاب کا عمل تھا اور فیما بین صحابہ بلانکیر وہ امور مسلم تھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان امور کی اطلاع تھی اور بعض امثلہ تو ایسے ہیں کہ احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بالیقین ان امور کی اطلاع تھی اور آپ کے ارشاد سے ہی ان امور پر صحابہ کرام عمل درآمد کرتے تھے سو ایسے افعال صحابہ کے مرفوع کہنے میں کس کو تامل ہوسکتا ہے اور ہمارے نزاع کو ایسے امور سے کیا تعلق جو مجیب بے سوچے ان کو ہمارے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں مگر مجیب کی تنبیہ کی غرض سے اتنا اور عرض کئے دیتا ہوں کہ جملہ امثلہ مذکورہ میں ملاحظہ فرمالیں کہ صیغہ جمع اور ضمیر جمع صاف موجود ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عامہ صحابہ ایسا کیا کرتے تھے یا عامہ صحابہ ایسا فرمایا کرتے تھے علی ھذا القیاس دیگر امثلہ کو خیال فرمالیجئے سو یہ امر ہرگز ہمارے مخالف نہیں بلکہ بعینہٖ یہ وہی امر ہے جو اوثق العری میں مذکور ہو چکا اور ہم بھی اس کی تفصیل عرض کر چکے ہیں اب ہمارے مجیب کم سے کم اتنا تو ضرور کریں کہ احادیث میں سے بھی کوئی ایسی مثال تلاش فرمائیں کہ جس میں صیغہ مفرد اور ضمیر مفرد موجود ہو اور حضرات علماء نے صرف اس وجہ سے اس کو مرفوع بتلایا ہو اور اگر آپ اتنا بھی نہ کرسکیں تو پھر مقتضائے تدین وانصاف یہ ہے کہ اپنی ان ایجادات بے سود سے یکسو ہو کر ارشاد اوثق العری کو تسلیم فرمایا جائے بالجملہ مجیب سلمہ نے جو عبارات نقل فرمائی ہیں وہ سب ہم کو مقبول و مسلم ہیں لیکن بجائے اس کے کہ عبارات مذکورہ مجیب کی مدعی کے لئے دلیل اور حجت ہوں سراسر اوثق العری کے مضمون کی موید اور مطابق ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ ہمارے مجیب انصاف ہی نہ فرمائیں اور فہم مطلب کا ارادہ بھی نہ کریں۔

ہمارا تجربہ یہ بتلا رہا ہے کہ مجیب نے سہل امر یعنی محض نقل عبارات تو اپنے حصہ میں لے رکھا ہے اور دشوار امر یعنی ان عبارات کا مطلب سمجھنا بے انصافی سے ہمارے ذمہ لازم کر دیا ہے اب صورت ثانی یعنی جن افعال کی نسبت آپ کی عدم اطلاع ثابت ہو اس کے قابل احتجاج اور واجب التسلیم ہونے کے لئے مجیب یہ استدلال بیان فرماتے ہیں کہ گو ان افعال کی آپ کو اطلاع نہیں ہوئی لیکن وہ افعال ناجائز ہوتے تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی ممانعت میں وحی نازل فرماتا سو یہ دلیل بے شک مثبت مدعائے مجیب ہے مگر بالکل غیر مقبول اور محض غیر معتبر ہے، افسوس کہ مجیب نے اپنے اس ارشاد کے لئے کوئی دلیل قوی ضعیف بیان ہی نہیں فرمائی جو اس کی نسبت کچھ عرض کیا جاتا، یا تو مجیب کو کوئی دلیل ملی ہی نہیں یا بدیہی الثبوت سمجھ کر اس طرف توجہ نہیں فرمائی والظاہر ہو الاول پہلی صورت میں موافقت اور عدم موافقت سے قطع نظر فرما کر کتب معتبرہ کی چند عبارات تو نقل فرمادی تھیں یہاں معلوم ہوتا ہے کہ اتنی بھی گنجائش نہیں ملی حالانکہ متنازع فیہ دراصل یہی بات تھی کہ عدم نزول ممانعت کس موقع میں حجت ہوسکتا ہے اور کس موقع میں نہیں

بہر حال مجیب کو لازم ہے کہ اپنے اس دعوی پر کہ مطلقاً افعال صحابہ واقعہ زمانہ نزول وحی بشرط عدم نزول ممانعت حکماً مرفوع اور حجت اور واجب التسلیم ہوتے ہیں بیان فرمائیں دلیل نقلی میسر نہ ہوتو کوئی دلیل عقلی ہی سہی مگر محض خیالی نہ ہواور اگر کسی روایت حدیث سے اپنے مدعی کو مستنبط فرمائیں تو وہ امثلہ ایسے نہ ہوں جیسے فتح الباری وغیرہ کے حوالہ سے بلا تدبر یہاں نقل کی گئی ہیں جن کی کیفیت عرض کر چکا ہوں بلکہ ایسی مثال ہونی چاہئے کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ باوجود نص ممانعت یا بدون تعامل عامہ صحابہ صرف بعض صحابہ کا عمل حکماً مرفوع اور قابل احتجاج ہوتا ہے بالجملہ ہر دو شرائط مذکور اوثق العری کے عدم تحقق کی صورت میں کسی حدیث سے فعل صحابی کا صرف اس وجہ سے مستدل ہونا ثابت اور مستنبط کیا جائے کہ اگر وہ امر ناجائز ہوتا تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی ممانعت میں وحی نازل فرماتا کیونکہ دوصورت تحقق ہر دو شرط معلومہ، تو ہم کو بھی یہ بات مسلم ہے کہ فعل مذکور جواز کے لئے حجت ہوتا ہے اور آپ نے جتنے امثلہ نقل فرمائے ہیں جن سے تعامل صحابی کا دلیل جواز ہونا معلوم ہوتا ہے ان سب میں ہر دو شرط یعنی عدم نص ممانعت اور عامہ صحابہ کے تعامل کے سوا بعض امثلہ میں امر اور تقریر نبی علیہ السلام تک موجود ہے چنانچہ یہ تمام امور مفصلاً معروض ہو چکے ہیں مگر مجھ کو خوش فہمی ابنائے روزگار سے اندیشہ ہے کہ دیکھئے بلا تدبر حقیقۃ الحال کیا کیا گل کھلائے جاتے ہیں واللہ الموفق والمعین۔

ہم کو اس امر پر تاسف کے ساتھ تحیر بھی ہوتا ہے کہ مجیب ابوالمکارم نے کسی ضرورت سے یہاں ایسی باتیں تو بیان فرمائیں کہ جس سے حاطب اللیل کی بھی وقعت جاتی رہی یا یوں کہئے کہ بڑھ گئی مگر اصل مدعی یعنی حافظ ابن حجر وغیرہ کا قصہ جواثا کو قصہ عزل پر قیاس فرما کر حنفیہ کے اعتراض کا جواب دینا اس کی نسبت یہ بھی نہ فرمایا کہ یہ قصہ ان کے صور اربعہ میں سے کونسی صورت میں داخل ہے بلکہ اس کے بعد دوسرے قول میں جو کچھ مجیب تحریر فرماتے ہیں اس میں صاف اقرار کرتے ہیں کہ تقریر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم در بارۂ عزل موجود ہے جس سے یہ امر اظہر من الشمس ہو گیا کہ مجیب کے صور اربعہ میں سے کسی صورت میں بھی قصہ عزل داخل نہیں جس پر ہم کو مجیب کی خامہ فرسائی پر جس قدر افسوس اور اپنے اوراق سیاہ کرنے پر جتنا دل دکھے تھوڑا ہے مجیب کو لازم ہے کہ ان بلند پروازیوں کو چھوڑ کر اوثق العری میں جو علامہ ابن حجر کے قیاس کا تحقیقی جواب تحریر فرمایا ہے اس کا کوئی جواب قابل قبول اہل علم بیان فرمائیں اور اوثق العری میں اپنے اثبات مدعی اور تائید مطلب کے لئے جو قصہ متعہ کو پیش کیا ہے اس سے بھی رستگاری کی کوئی صورت نکالیں، تماشہ ہے کہ مجیب سلمہ اتنی دیونِ لازمہ سے قطع نظر فرما کر تبرع بے سود فرمانے کو تیار ہو گئے اور ان سے مہلت مل جائے تو چند امثلہ حدیث جو بجواب محدث بنارسی معروض ہو چکے ہیں ان کی بابت

بھی کچھ ارشاد فرمائیں اورانہیں امثلہ پر بس نہیں بلکہ امر متنازع فیہ کی مثالیں آپ اور آپ کے معتمد علیہم کے مذہب اوراقوال کے موافق روایات حدیث میں بکثرت موجود ہیں، چونکہ مجیب نے اس موقع پر تبرع کوامر واجب سے بھی بڑھا دیا ہے اس لئے امثلہ مذکورہ کے ماسوا ایک دومثال علامہ شوکانی کے کلام سے اور بھی تبرعاً عرض کئے دیتے ہیں صحیح بخاری میں ہے وعن[1] جابر قال دفن مع ابی رجل فلم تطب نفسی حتی اخرجته فجعلته فی قبر علی حدة اور بخاری کی دوسری روایت میں فاستخرجتهٗ[2] بعد ستة اشهر موجود ہے اور یہ قصہ غزوۂ اُحد کا ہے جس سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ فعل حضرت جابر زمانۂ نزول وحی کا ہے جو مجیب ابوالمکارم کے قاعدۂ مخترعہ کی موافق حکماً مرفوع اور بلا تامل معمول بہ ہونا چاہئے اب اس کی شرح میں قاضی صاحب علیہ الرحمۃ نیل الاوطار میں ارشاد فرماتے ہیں فیه[3] دلیل علی انه یجوز بنش المیت لامر یتعلق بالحی لانه لاضرر علی المیت فی دفن میت اٰخر معه و قد بین جابر ذٰلك بقوله فلم تطب نفسی ولکن هذا ان ثبت ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اذن له بذٰلك اوقرره علیه والا فلاحجة فی فعل الصحابی ، انتھٰی اب اہل انصاف اور خود حضرت مجیب ملاحظہ فرمائیں کہ قاضی صاحب کس کی موافقت فرماتے ہیں اور فعل صحابی حاضر باش خدمت جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس صراحۃ کے ساتھ والا فلاحجة فی فعل الصحابی فرما کر ساقط الاحتجاج بتلا رہے ہیں اور فعل بھی وہ جس کا تحقق زمانۂ نزول وحی میں متیقن اور مسلم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی عدم اطلاع اہل جواثا کے فعل کی عدم اطلاع سے بدرجہا مستبعد اور لیجئے عن[4] شریح بن عبید الحضرمی ان رجالا قبروا صاحباً لهم لم یغسلوه ولم یجدوا له کفناً ثم لقوا معاذ بن جبل فاخبروه فامرهم ان یخرجوه فاخرجوه من قبره ثم غسل وکفن وحنط ثم صلی علیه ، انتھٰی اس کی شرح میں قاضی صاحب فرماتے ہیں فیه[5] انهٗ یجوز بنش المیت لغسله وتکفینه والصلوٰة علیه وهذا وان کان قول صحابی ولا حجة فیه ولٰکن جعل الدفن مسقطا لما علم من وجوب غسل المیت او تکفینه اوالصلوٰة علیه محتاج الی دلیل ولا دلیل .

---

[1] بخاری جلد اول، باب ہل یخرج المیت من القبر واللحد لعلۃ، ص ۱۸۰ (رشیدیہ دہلی)

[2] بخاری جلد اول، باب ہل یخرج المیت من القبر واللحد لعلۃ، ص ۱۸۰ (رشیدیہ دہلی)

[3] نیل الاوطار جلد ثالث، باب ماجاء فی المیت ینقل اوینبش تعرض صحیح، ص ۳۵۷ (مکتبہ خیریہ مصر)

[4] حوالہ بالا

[5] حوالہ بالا

ہر چند یہ ارشاد معاذ بن جبل آپ کے زمانہ سے بعد کا ہو مگر قاضی صاحب قول صحابی کی نسبت مطلقاً **لا حجۃ فیہ** فرما رہے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ قاضی صاحب کے نزدیک قول صحابی کسی حالت میں بھی حجت نہیں اور ہمارے مجیب ابوالمکارم نے جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس سے قاضی صاحب بمراحل بعید ہیں قصہ جواثا میں تو ایک ضرورت خاص سے حافظ و قاضی رحمۃ اللہ علیہما نے قصہ عزل کو پیش فرما کر اس پر قیاس کیا ورنہ ہر دو حضرات اس قاعدہ کو کلیتہً ہرگز تسلیم نہیں کرتے چنانچہ امثلہ سابقہ ولاحقہ جو ہم نے عرض کی ہیں بالتصریح ہماری گذارش پر دال ہیں تعجب ہے، کہ ہمارے مجیب تصریحات کثیرہ کو پس پشت ڈال کر ان کی صریح مخالف تائید مشرب کی ضرورت سے ایسے قواعد اختراع فرماتے ہیں کہ جن کا تسلیم کرنا مجیب سلمہ کے سوا کسی سے متوقع نہیں مجیب ابوالمکارم کی تقریرات جو بطور تمہید انہوں نے بیان فرمائی تھیں ان کی حقیقت تو معلوم ہو چکی اب مجیب موصوف اصل مدعی کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں جب یہ تمام باتیں ممہد و منقح ہو چکیں تو میں آپ کی تقریرات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں آپ نے جو اپنی صورت اولی میں عامہ صحابی کے تعامل کی قید لگائی ہے یہ قید غلط ہے اس واسطے کہ اس صورت کے افعال بدون اس قید کی حجت ہیں، انتہی ۔ اقول یہ امر تو پہلے معروض ہو چکا ہے کہ اقامت جمعہ فی جواثا اور عدم نزول ممانعت ان ہر دو امر کو علامہ ابن حجر اور قاضی شوکانی نے اقامۃ جمعہ فی القریٰ کے لئے مستدل بنایا ہے اور اس کی نظیر میں واقعہ عزل کو پیش فرمایا ہے جس کے جواب میں اوثق العریٰ میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ فعل صحابہ بدون علم و ارشاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً ثبوت امر مذکور کے لئے حجت نہیں ہوتا بلکہ فعل مذکور کی مستدل ہونے کے لئے دو شرطیں ضرور ہیں ایک یہ کہ اس میں کوئی نص ممانعت موجود نہ ہو دوسرے یہ کہ عامہ صحابہ اس پر تعامل فرمائیں نہ چند حضرات ۔ چنانچہ یہ تمام تقریرات تشریح و توضیح کے ساتھ یہ احقر بھی عرض کر چکا ہے مگر مجیب ابوالمکارم نے ہر دو شرط مذکورۂ بالا کی نسبت تو کسی قسم کی گفتگو نہیں فرمائی بلکہ ایک تقریر طبعزاد بطور تمہید تحریر فرما کر جس کا حال مفصلاً عرض کر چکا ہوں ارشاد فرماتے ہیں کہ صورت[1] اول میں عامہ صحابہ کی قید لگانا غلط ہے کیونکہ اس صورت کی افعال بدون اس قید کے حجت ہیں ہمارے مجیب کا اس کو صورت اولی سے تعبیر فرمانا اور اس کے آگے افعال کے قبل لفظ اس صورت زیادہ کر کے افعال کی تخصیص فرما دینا ایسا خرابطہ ہے کہ باعلی ندا یہ کہہ رہا ہے کہ مجیب علام نے اوثق العریٰ کی عبارت پر اعتراض کرنے کا ایسا عزم مصمم فرما لیا ہے کہ خواہ عبارت اوثق العری کا مطلب بھی سمجھ میں نہ آئے مگر اعتراض ضرور کرینگے سو ہم بھی اس خرافات سے قطع نظر کر کے ان کے اصل اعتراض کا جواب عرض کرتے ہیں ۔

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۷

اوثق العری میں تحریر فرمایا تھا کہ جس فعل کو صحابہ نے معمول بہ بنایا اور بذریعۂ نزول وحی اس کی ممانعت کی نوبت نہ آئی تو فقط اتنی بات سے اس امر کا جواز ثابت نہ ہوگا تاوقتیکہ دو شرطیں نہ پائی جائیں اول یہ کہ امر مذکور کی نسبت کوئی نص ممانعت موجود نہ ہو دوسرے وہ امر عامہ صحابہ کا معمول بہ ہو نہ چند حضرات اصحاب کا اور اس کی نظیر میں قصہ متعہ اوثق العری میں پیش فرمایا تھا مگر مولانا ابوالمکارم نے تمام امور سے قطع نظر کر کے ایک تمہید بیان کی جس میں یہ دعویٰ کیا کہ حضرات صحابہ خواہ ایک دو ہی کیوں نہ ہوں زمانۂ نبوت میں جب کوئی فعل کرینگے اور نص ممانعت اس کے بارے میں نازل نہ ہوگی تو وہ فعل صحابی حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا اور اس پر عمل کرنا لازم ہوگا، مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ مجیب کا یہ اختراع بلا دلیل ہی نہیں بلکہ روایات حدیث و مذہب علماء سب کے مخالف ہے **کما مر مفصلاً** اب اسی امر مخترع کے بھروسے پر مجیب موصوف تحریر فرماتے ہیں (کہ[1] اس صورت کے افعال بدون اس قید کے حجت ہیں) حالانکہ افعال مذکور کا بدون قید معلوم کے حجت ہونا بالکل غلط ہے کیونکہ یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ تاوقتیکہ کوئی فعل عامہ صحابہ کے نزدیک معمول بہ نہ ہو صرف بعض اصحاب کے معمول بہ فرمالینے اور اس کے بارے میں نزول ممانعت نہ ہونے سے فعل مذکور جائز نہ سمجھا جائے گا مجیب کو چاہئے کہ اپنے دعوی کے لئے دلیل معتبر بیان فرمائیں اور یہ نہ ہو سکے تو اس کے بارے میں جو کچھ اوثق العری میں تحریر فرمایا ہے اور جو کچھ اوراق گذشتہ میں ہم عرض کر چکے ہیں انہیں کا جواب ارشاد ہو بدون غور و تامل فقط بنائے فاسد علی الفاسد سے بجز نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ کوئی منفعت متصور نہیں ہم مکرر سہ کرر بحوالہ اوثق العری عرض کر چکے ہیں کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا کوئی فعل فقط اتنی بات سے کہ اس کی ممانعت میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی حجت جواز نہیں ہو سکتا بلکہ ضرور ہے کہ فعل مذکور عامہ صحابہ کا معمول بہ بھی ہو، آپ کو لازم تھا کہ ہر دو شرط مرقومہ اوثق العری میں سے کسی شرط کی تغلیط پر کوئی دلیل پیش کرتے آپ نے اس کے مقابلہ میں البتہ یہ دعوی تو کیا کہ فعل صحابہ زمانۂ نزول وحی میں مطلقاً حجت اور حکماً مرفوع سمجھا جاتا ہے تاوقتیکہ اس کی ممانعت میں کوئی وحی نازل نہ ہو مگر یہ دعوی بالکل بے اصل اور سب کے نزدیک قابل انکار اور مخالف روایات و اقوال ہے کما بینا مراراً اور اگر اب بھی آپ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں اور تمام دلائل و بدیہیات و مسلمات سے بلا وجہ آنکھیں بند کر کے محض خود غرضی اور سینہ زوری سے یہی فرمائے جائیں کہ فعل صحابہ زمانہ نبوی میں ایک دو ہی کا فعل کیوں نہ ہو مطلقاً حجت اور حکماً مرفوع سمجھا جائے گا تاوقتیکہ کوئی نص اس کی ممانعت میں نازل نہ ہو تو ہر چند ایسی لغویات و خرافات کی تردید و ابطال کرنے کے ادنیٰ عاقل کو بھی

[1] ہدایۃ الوریٰ، ص ۷

حاجت نہیں مگر یہ خوب یاد رہے کہ ہمارا مطلب پھر بھی انشاء اللہ فوت ہونے سے محفوظ ہے البتہ آپ کے مشرب میں اتنے رخنے خود بخود پیدا ہو جائینگے کہ شمار کرتے کرتے آپ اور آپ کے کل اخوان الصفا عاجز آجائیں گے اور ہماری ایک جزوی مضرت کی امید موہوم پر آپ اپنا تمام گھر منہدم اور مسمار کر بیٹھیں گے بہ نظر فہم وانصاف دیکھ لیجئے کہ آپ کی اس بے ہودگی کو جو بالکل بے اصل اور باطل محض ہے اور کوئی ایک بھی اس کے تسلیم کرنے میں آپ کا موافق نہیں حتی کہ قاضی شوکانی کے نزدیک بھی یہ آپ کا قاعدہ مخترعہ غلط ہے **کما بینا مفصلاً** اگر اس کو تمام امور سے قطع نظر کر کے ہم مان بھی لیں تو یہ ہوگا کہ اس قاعدہ کے موجب اقامۃ جمعہ فی جواثا کو مرفوع کہا جائے گا مگر اتنی بات سے یہ نہیں ہوسکتا کہ مطلقاً اقامۃ جمعہ فی القریٰ جو ہمارے مجیب کا مقصود اصلی ہے ثابت ہو جائے کیونکہ یہ بات ہم مفصلاً عرض کر چکے ہیں کہ قصہ جواثا ہمارے مجیب کے حق میں حجت اور مفید جب ہوسکتا ہے کہ دو باتیں ثابت ہو جائیں اول یہ کہ اس کو مرفوع مان لیا جائے دوسرے جواثی کا قریہ بلکہ قریہ صغیرہ ہونا ثابت ہو جائے اگر ایک بات کے ثبوت میں بھی تردد رہے گا تو قیامت تلک بھی اس سے اثبات مدعائے مجیب نہیں ہوسکتا سو مجیب کے قاعدہ مخترعہ مردودہ عندالکل کے تسلیم کی صورت میں قصہ مذکورہ کا فقط مرفوع ہونا تو مسلم ہو گیا مگر امر دویم یعنی جواثی کا قریہ بالمعنی المراد ثابت ہونا کسی طرح قابل تسلیم نہیں تاوقتیکہ امر دویم کو مجیب محقق نہ فرمالیں اس وقت تلک فقط ایک امر کے ثبوت سے اثبات مدعی کی امید رکھنی ایسی امید ہے کہ جس کے پورے ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی علاوہ ازیں قصہ جواثی جو ایک واقعہ خاص ہے تعامل مستمرہ زمانہ نبوت وزمانہ خلافت کے جو تمام عوالی وسوافل وغیرہ میں برابر جاری تھا کیونکر معارض ہوسکتا ہے جملہ فقہا ومحدثین اس امر کو بالتصریح بیان فرماتے ہیں کہ واقعہ خاص امر کلی شائع متعارف کے مقابل ومعارض نہیں ہوسکتا۔

بالجملہ یہ امر تو خوب واضح ہو گیا کہ مجیب کے اس اختراع سے ہم کو تو کوئی نقصان نہیں ہوا یعنی ان کے قصہ جواثی کو مرفوع ماننے سے بھی ہمارے مطلب میں کوئی فرق اور خلل نہیں آیا اور مجیب کو جس نفع کی ضرورت جزئی سے اس قاعدہ خلاف عقل ونقل کے گھڑنے کی نوبتہ آئی تھی وہ اب ہمارے اس مدعی میں خلل انداز اور مجیب کو مفید نہ ہوا، باقی رہی یہ بات کہ مجیب اور ان کے ہم مشرب صاحبوں کے بہت سے مسائل جن پر ان کو وثوق بلکہ خاص ناز واعتماد تھا مجیب کے اس قاعدہ مخترعہ کی بدولت تار عنکبوت ہو جائیں گے اور سب ناز واعتماد خاک میں مل جائے گا سو انصاف وفہم سے ملاحظہ فرمالیجئے کہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام جس کی فرضیت کے صلوٰۃ سریہ وجہریہ میں یہ حضرات بڑے طمطراق سے قائل ہیں اور حنفیہ پر بڑے منہ بھر بھر کر طعن وتشنیع کیا جاتا ہے اور متعصبین بدفہم حنفیہ کے سلف وخلف کی نمازوں کی علی الاعلان باطل محض

نہایت اصرار اور ضد کے ساتھ بتلا رہے ہیں اس قاعدہ مخترعہ کی بدولت حنفیہ کی طرف سے بلا تکلف اس کے بہت سے جوابات شافی ہو جائیں گے اور اپنے قاعدہ مخترعہ کی پابندی کی ضرورت سے مجیب کو جھک مار کر سب کو تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ اول تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتوی اور ان کا فعل اصح الاسانید یعنی عن مالک عن نافع عن ابن عمر کے ذریعہ سے موطا امام مالک وغیرہ میں موجود ہے کہ وہ خود بھی خلف الامام قرأۃ نہیں فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے منع فرمایا کرتے تھے اور ہمارے مجیب کو اپنے قاعدہ مخترعہ مسلمہ کے مطابق یہ ماننا ضرور پڑے گا کہ یہ روایت مرفوع ہے باقی یہ بات کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی اور عمل مذکور زمانہ بعثت کا قصہ ہے یا بعد کا سوا یسے توہمات لایعنی کو کوئی عاقل قابل التفات نہ سمجھے گا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ خیال کرنا کہ شاید زمانہ نبوت میں قراءت خلف الامام کیا کرتے ہوں اور بعد زمانہ نبوت پھر ترک فرمادی ہو سب جانتے ہیں کہ کس قدر بے ہودہ خیال ہے کچھ بھی فہم وانصاف ہو تو بالبداہتہ یہ امر متیقن نظر آتا ہے کہ جب کسی صحابی سے کوئی فتوی منقول ہوگا تو ان کا عمل بھی ظاہر ہے کہ اسی کے مطابق ضرور ہوگا علی ھذا القیاس جب کسی صحابی کا کوئی فعل دربارۂ مسائل شرعیہ محقق ہوگا تو بالبداہتہ یہی کہنا پڑے گا کہ زمانہ حیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان کا وہی عمل ہوگا یہ نہیں کہ بلا دلیل معتبر محض اپنے توہم سے کوئی نادان یہ کہنے لگے کہ شاید زمانہ نزول وحی میں ان کا عمل درآمد کچھ اور ہوگا اور اب کچھ اور ہو گیا ہو ہاں اگر دلیل معتبر سے کسی صحابی کا رجوع ثابت ہو جائے جو قلیل الوجود امر ہے تو مضائقہ نہیں علاوہ ازیں اگر مجاراۃ للخصم کوئی اس امر کو تسلیم بھی کرے کہ شاید ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ کے زمانہ میں قراءۃ خلف الامام کیا کرتے ہوں اور آپ کے بعد چھوڑ بیٹھے ہوں اور دوسروں کو بھی منع فرمانے لگے ہوں تو ہم کو تو یہ خیال کچھ مفید ہی ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہی نکلے گا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بوجہ عدم اطلاع ایسا کیا کرتے ہوں جب ان کو اور احادیث معلوم ہوئیں تو اس وقت قول اول سے رجوع فرمایا چنانچہ اس کے متعدد نظائر موجود ہیں کہ بعض صحابہ بوجہ عدم اطلاع کسی امر کے قائل رہے بعد میں جب ان کو حدیث پہنچ گئی تو امر اول سے رجوع فرمایا اور سب جانتے ہیں کہ امر مرجوع الیہ مرجوع سے قوی اور صحیح ہوتا ہے یہ نہ ہو تو پھر امر اول کو ترک اور ثانی کو قبول ہی کیوں کیا جائے دوسرے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس رجوع فرمانے سے تو ہر عاقل کے نزدیک مجیب کا قاعدہ مخترعہ مذکورہ صاف لغو باطل ہو گیا اور کسی ابطال وتردید کی حاجت ہی نہ رہی کیونکہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جملہ افعال جو زمانہ نزول وحی میں ان سے کیف ما اتفق صادر ہوئے تاوقتیکہ ان کی ممانعت میں کوئی وحی نازل نہ ہو ہمارے مجیب لبیب اصرار کے ساتھ جب ان افعال کے مرفوع اور معتبر ہونے کے مدعی ہیں تو

پھر رجوع کے کیا معنی اور اطلاع وعدم اطلاع سے کیا بحث کیونکہ جب کوئی صحابی آپ کے زمانہ میں کسی فعل کو خواہ بوجہ عدم اطلاع ہی کرتے رہے مگر نص ممانعت اصلا نازل نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ اب تو فعل مذکور عند المجیب حکم شارع اور نص مرفوع ہو گیا اب بوجہ عذر عدم اطلاع اس سے رجوع فرمانا واجب بلکہ جائز بھی کیونکر ہوسکتا ہے اس صورت میں تو بعد وفات رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جس صحابی کو کسی نص پر مطلع کیا جائے گا تو بجائے رجوع وہ یہی فرمادیں گے کہ جب ہم نے یہ فعل گو بوجہ عدم علم وعدم اطلاع ہی آپ کے زمانہ میں کیا اور وحی ممانعت نازل نہیں ہوئی تو یہ ہمارا فعل تو نص مرفوع ہو گیا اگر ہمارا یہ فعل ممنوع ہوتا تو ضرور تھا کہ بذریعہ وحی من اللہ اس کی اطلاع فرمائی جاتی اور بقول مجیب خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں نہی نازل فرماتا اور جب تمام زمانہ نزول وحی میں اس کی ممانعت کا حکم نازل نہ ہوا تو اب تو ہمارا یہ فعل جو بوجہ بے خبری اور عدم اطلاع ہم نے کیا تھا نص مرفوع اور واجب الاتباع ہو گیا اس سے رجوع ہم کو کیونکر جائز ہوسکتا ہے اور اس پر کوئی صاحب یہ نہ فرمائیں کہ جب نص ممانعت موجود تھی تو اگر کسی صحابی نے بوجہ عدم اطلاع خطاء سے اس کے خلاف کرلیا تو وہ فعل صحابی بمقابلہ نص کیونکر مقبول ہوسکتا ہے اور پھر مکرر اس کی ممانعت نازل ہونے کی کیا حاجت ہے اور بار بار نزول ممانعت کی کیا ضرورت کیونکہ یہ بات تو ہر چند بہت صحیح اور عین حق ہے اور اوثق العری میں یہی مضمون ارشاد فرمایا تھا مگر ہمارے مجیب اس کو ہرگز نہیں تسلیم فرماتے اور مطلقاً فعل صحابی کو جس کے بعد میں ممانعت نازل نہ ہو حجت مرفوع فرمارہے ہیں پہلے ممانعت ہوچکی ہو یا نہیں اور اگر اب کسی معذوری سے مجبور ہو کر ہمارے جواب میں یہی کہیں کہ بوجہ عدم اطلاع علی النص اگر صحابی نے اس کے خلاف عمل کیا تو وہ عمل حجت نہ ہوگا تو مرحبا بالوفاق مگر یہ یاد رہے کہ اقامت جمعہ فی جواثی کے مخالف خود فعل نبی کریم صلی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور تعامل مستمرہ زمانۂ نبوت وخلافت موجود ہے جو اقامت جمعہ فی القریٰ کی ممانعت پر نص صریح ہے تو اسی قاعدہ کی رو سے فعل اہل جواثا بھی قابل قبول ہرگز نہ رہے گا اور معترض شیخ چلی کا بنا بنایا گھر گر جائے گا بلکہ مجیب سادہ لوح کے مطلب کی موافق تو حضرت عبداللہ بن مسعود کی تطبیق جو رکوع میں برابر کرتے رہے غیر منسوخ اور قابل قبول ماننی پڑے گی کیونکہ وہ برابر اس کو کرتے رہے اور ان کو اپنے اس فعل کی ممانعت نہیں پہنچی بقول مجیب اگر یہ ممنوع ہوتی تو وہ ضرور روک دیئے جاتے بالجملہ اثر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جو بذریعۂ اصح الاسانید منقول ہوچکا ہے اور ہمارے مدعی یعنی ممانعت قراءۃ خلف الامام پر دال بالتصریح ہے ہمارے مجیب فہیم کی اس عنایت بے اختیاری کی بدولت جو تمام رسالہ میں ہمارے حال پر مبذول رہی ہے اب اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کسی طرح قابل التفات نہ ہوگا کہ یہ اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے مرفوع ہرگز نہیں

بلکہ حسب قاعدہ مسلمہ مجیب یہ اثر جو صحیح وصریح تھا مرفوع بھی ہو گیا والحمدللہ دیکھیں ہمارے مجیب اس کے جواب میں کیا جوہر انصاف ظاہر فرماتے ہیں اور اپنے مخترعہ قاعدہ کی کہاں تک پابندی فرماتے ہیں۔

اس کے سوا موطا اور ترمذی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے من[1] صلی رکعۃ لم یقرء فیھا بام القرآن فلم یصل الاوراء الامام علیٰ ھذا القیاس حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب سے یہی منقول ہے اور ان سب حضرات کا یہی مسلک ہے بلکہ خلف الامام قراءۃ کرنے والوں پر وعیدات شدیدہ اور زجر بلیغ تک ان حضرات سے منقول ہیں تو حسب قاعدہ مجیب اور موافق معروضات احقر جو اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ذیل میں عرض کر چکا ہوں یہ جملہ آثار مرفوع اور حنفیہ کے لئے حجت ودلیل ہونگے اب ہمارے مجیب خواب غفلت سے بیدار ہو کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کریں کہ ان کے اس قاعدہ مخترعہ سے ان پر کیسی قیامت برپا ہوگئی اور ان کی عنایت سے حنفیہ کو کہ جن کے اوپر اسی مسئلہ کی بابت کیسے زور شور سے سب وتبرا تلک نوبت پہنچائی جاتی تھی کتنے نصوص مرفوعہ حسب قرارداد مجیب نہایت سہولت کے ساتھ بہم پہنچ گئے واللہ یحق الحق اور تماشا یہ ہے کہ ان کو اس اختراع سے کوئی نفع ادنی بھی نصیب نہ ہوا کما مر، مگر ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ مجیب بحاث اصل مطلب کو چھوڑ کر آثار حضرات صحابہ بے سوچے سمجھے ہمارے مقابلہ میں نقل فرمانے بیٹھ جائیں گے اور فرمادیں گے کہ ہماری طرف بھی بہت سے آثار موجود ہیں اور وہ بھی ہمارے قاعدہ کے موافق مرفوع ہیں لیکن اہل فہم پر روشن ہے کہ ہمارے مدعی کو اس سے کوئی مضرت نہیں کیونکہ ہمارا مطلب تو اس موقعہ پر صرف یہ ہے کہ حسب قاعدہ مجیب جب حنفیہ کے مذہب کے موید اس قدر افعال واقوال حضرات صحابہ کبار یعنی نصوص مرفوعہ صحیحہ معتبرہ موجود ہیں تو پھر اگر کوئی متعصب مذہب حنفیہ کو اس بارے میں اقوی اور احق بالقبول بھی نہ کہے گا تو قابل طعن وملامت وابطال وتغلیط بھی تو کسی طرح نہیں سمجھے گا وبس اور گر فرط تعصب وعناد ہمارے مجیب کو فہم وانصاف کی مہلت ہی نہ دے اور باوجود اس قدر تنبیہ خواہ مخواہ سرخروی حاصل کرنے کی ضرورت سے ہمارے مقابلہ میں آثار صحابہ یا احادیث مرفوعہ جزء القراءۃ وغیرہ سے بیان فرمانے پر آمادہ ہی ہو بیٹھیں تو ہر چند اس موقعہ پر ہم کو اس کی طرف توجہ کرنا فضول ہے مگر ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس امر کا مشاہدہ کرادینگے کہ ان کا قاعدہ مخترعہ تو ایسی باتوں

---

[1] ترمذی، جلد اول، باب ماجاء فی ترک القرأۃ خلف الامام اذا جہر بالقرأۃ، ص ۴۳، رشیدیہ دہلی، مؤطا امام مالک، باب ما جاء فی ام القرآن، ص ۲۸، مکتبہ اشرفی دیوبند

سے کیا درست ہو سکے گا انشاء اللہ تعالیٰ فرضیت قراءۃ خلف الامام بھی ان آثار واحادیث سے ثابت نہ کر سکیں گے مگر یہ امر ضرور ملحوظ رکھیں کہ آثار بیان کریں تو صحت کے ساتھ مطلب مجیب یعنی فرضیت قراءۃ علی المقتدی پر دال بالتصریح ہوں یہ نہ ہو کہ کسی صحابی کے فعل یا صرف ان کی اجازت واستحسان قراءۃ سے فرضیت مذکورہ کو ثابت کرنے بیٹھ جائیں ورنہ بجز ندامت و ناکامی کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور احادیث بیان فرمائیں تو ان میں بھی انہیں امور کی رعایت رکھیں حماقت اور سینہ زوری کا تو ذکر نہیں ورنہ مجیب خود دیکھ لیں گے کہ ایک دو اثر اور ایک دو حدیث بھی ان کو ایسی ملنی دشوار ہو جائے گی اور ہمارے موید آثار واحادیث کثیرہ کے موازنہ کے بعد تو انشاء اللہ بہت سے نادانوں کو بھی حقیقت الامر روشن ہو جائے گی بلکہ ہدایۃ المعتدی فی قراءۃ المقتدی مولفہ حضرت مولی المسلمین مدفیوضھم علی العالمین جو ایک عرصہ سے مشتہر ہو چکا ہے اور جس کی وجہ سے آج تک بہت سے اہل علم اس امر کے شائق اور منتظر ہیں کہ حضرات اہل حدیث رسالہ موصوفہ کے جواب میں آخر دیکھیں کیا ارشاد فرماتے ہیں اگر رسالہ موصوف کو ہمارے مجیب فہم و انصاف سے ملاحظہ فرمالینگے تو پھر انشاء اللہ ان خیالات کے پیچھے ہرگز نہ پڑیں گے بلکہ روایات جزء القراءۃ وغیرہ جمیع کتب متداولہ حدیث کی عبارات ہمارے مقابلہ میں پیش فرمانے سے ضرور رک جائیں گے خیر ہم کو یہاں اس قصہ سے کیا مطلب فقط مجیب کی غلط فہمی کے خوف سے بات دور جا پڑی ہمارا مدعی تو صرف یہ ہے کہ مجیب کے قاعدہ مخترعہ کی وجہ سے حنفیہ کو در بارۂ ممانعت قراءت مقتدی بہت سے دلائل قویہ واجب التسلیم ہاتھ آ گئیں کیونکہ جس قدر اقوال وافعال صحابہ کرام اس بارے میں موجود ہیں وہ سب کے سب حسب قرارداد مجیب مقبول ومرفوع ہیں اور بوجہ عدم نزول وحی ممانعت تقریر شارع نے ان آثار موقوفہ کا مقرر ومسلم مقبول ومعمول ہونا ثابت فرمادیا اور اتنی بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا وھو المطلوب آئندہ ہمارے مجیب اپنی رستگاری کی جو صورت نکالیں گے دیکھا جائے گا ببرکت کفش برداری وخوشہ چینی حضرات اکابر اس قدر اطلاع واطمینان ان امور میں ہم جیسوں کو بھی میسر ہے کہ متعصبین کے خدشات و نکتہ چینیوں سے کسی قسم کا خوف اور اندیشہ محسوس نہیں ہوتا وگرنہ ماہمان خاکیم واللہ **ولِلّٰہ الحمد ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔**

اور دور جانے کی کیا ضرورت ہے خاص مسئلہ مجوث عنہا یعنی جمعہ فی القریٰ ہی میں ملاحظ فرمالیجئے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا فتوی **لا جمعۃ ولا تشریق الخ** صاف موجود ہے اور ہر مجمع اصحاب میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ عیدین میں اہل عوالی کو بدون ادائے صلوٰۃ جمعہ مراجعت کی اجازت دی جس سے امام مالک لاجمعۃ فی العوالی مستنبط فرماتے ہیں چنانچہ یہ امور بالتفصیل معروض ہو

چکے ہیں اور دیگر بعض اصحاب رضی اللہ عنہم سے مثل حضرت حذیفہ وغیرہ سے بھی ممانعت جمعہ فی القریٰ ثابت ہے اور اس بارے میں کوئی نص ان کے مخالف نازل بھی نہیں ہوئی تو اب ان جملہ ارشادات کو مرفوع اور واجب التسلیم ماننا پڑے گا اور انصاف و تدین سے متنفر ہوکر یہ کہنا کہ زمانہ نزول وحی میں ان حضرات مذکورین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا قول و عمل ایسا نہ ہوگا بعد وفات حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ اقامۃ جمعہ فی القریٰ کو ممنوع سمجھتے اور فرماتے ہونگے بے ہودہ گوئی اور ہزیان سرائی ہے بالبداہتہ ہر عاقل جانتا ہے کہ ان حضرات کا فتوے اور عمل درآمد زمانہ نبوی میں بھی اسی کے مطابق ہوگا من **خالف البداهته فعليه البيان** چنانچہ ابھی اثر ابن عمر کے ذیل میں کسی قدر بسط سے یہ مضمون معروض ہو چکا ہے پھر تماشا ہے کہ فعل اہل جواثی کو تو صرف اس وجہ سے کہ ان کے بارے میں کوئی وحی ممانعت نازل نہیں ہوئی مرفوع مانا جائے اور حضرت علی اور حضرت عثمان وغیرہما رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات کو کہ علاوہ قرب تام اور حاضر باشی شب و روز اور اعلم وافقہ ہونے کے ان کے بارے میں بھی کوئی وحی مخالف نازل نہیں ہوئی شوخ چشمی کے ساتھ پس پشت ڈالا جائے مجیب کے قاعدہ کے موافق ضرور تھا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قریٰ میں خود جمعہ نہ پڑھنا یا اوروں کو اس سے منع فرمانا درست نہ ہوتا تو وہ ضرور بذریعہ وحی اس امر سے روک دیئے جاتے اور سنئے ابوداؤد میں موجود ہے عن[1] **جابر قال قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واصحابہ لاربع خلون من ذی الحجة فلما طافوا بالبیت وبالصفا والمروة قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اجعلوها عمرة الا من کان معه الهدی فلما کان یوم الترویة اهلوا بالحج فلما کان یوم النحر قدموا فطافوا بالبیت ولم یطوفوا بین الصفا والمروة** اس سے صاف ظاہر ہے کہ متمتعین نے حج وعمرہ دونوں کے لئے صرف ایک سعی کی اور دیگر روایات سے ثابت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی متمتع تھے تو اب یا تو متمتع کے لئے صرف ایک سعی کو کافی فرمایئے یا اپنے نو ایجاد قاعدہ کو کسی دیوار بلکہ پتھر پر ماریئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو حجت الوادع میں قارن تھے قارن کے لئے دوطواف اور دوسعی کے قائل ہیں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ان کے موافق ہیں تو اب یا تو اس کے قائل ہوجئے ورنہ قاعدہ مخترعہ پر لاحول پڑھیئے عدم رفع یدین، آمین بالسر، قنوت فی الصبح صلوٰۃ الجمعہ فی یوم العید نقض وتر چہار روز کی اقامت سے مسافر کے مقیم ہوجانے میں، بست رکعات تراویح میں اقوال وافعال صحابہ موجود ہیں اب یا تو ان جملہ احکام کو سر پر رکھئے ورنہ اس قاعدہ دشمن دین پر لات ماریئے بالجملہ مجیب کے قاعدہ مخترعہ میں اس قدر جزئیات خلل

[1] ابوداؤد جلد اول، باب فی افراد الحج، ص ۲۴۹۔ مختار اینڈ کمپنی دیوبند

انداز نکلتے چلے آئیں گے کہ ان کا احاطہ دشوار ہے اور ان کی جواب دہی کی صعوبت تو خود مجیب کو معلوم ہو جائے گی بتلانے کی حاجت نہیں، یہ بات کون نہیں جانتا کہ اجماع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خلاف کرنا بالاتفاق باطل ہے تو اب جو امام اور مجتہد کوئی قول کہے گا وہ ہرگز اجماع صحابہ کے خلاف ہرگز نہیں کہہ سکتا جس سے بالاجمال جمیع ائمہ کے جملہ اقوال کی نسبت یہ معلوم ہو گیا کہ کسی نہ کسی صحابی کا قول اس امام کے قول کے موافق ضرور ہونا چاہئے تو اب مجیب ابوالمکارم کے قاعدہ کی موافق کسی امام کے کسی قول کو بے اصل اور بے دلیل نہیں کہہ سکتے اور نہ اس کو مطعون بنا سکتے ہیں کیونکہ جب جملہ اقوال وافعال صحابہ علی الاطلاق حسب ارشاد محدث ابوالمکارم مرفوع ہو گئے چاہے ان امور میں قیاس کو دخل ہو یا نہ ہو اور خواہ صحابی کے پاس کسی قسم کی دلیل شرعی موجود ہو یا نہ ہو بلکہ صرف اسی خیال سے اس فعل کو کر لیا ہو کہ ممنوع ہو گا تو بقول ابوالمکارم خداوند کریم خواہ مخواہ وحی ممانعت نازل فرمائے گا اس وقت رک جائیں گے۔

صاحبو! یہ امر کس قدر حیرت ناک اور شرمناک ہے کہ محدثین زمانۂ حال کو جب کسی ضرورت سے اتباع سنت علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ کا ولولہ اُٹھتا ہے تو حضرات خلفائے راشدین و دیگر اکابر صحابہ تلک کی بدعات کی فہرست مرتب ہونے لگتی ہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا اور جب اپنی کوئی غرض دامن گیر ہوتی ہے تو خلاف جمیع علماء بے دلیل حضرات صحابہ کے ہر ایک قول و فعل کو حجت اور حدیث مرفوع بتلاتے ہیں اس برعکسی کا کیا ٹھکانا ہے، مجیب نے اس قاعدہ سے اگر تخصیص کی ہے تو صرف ان افعال کی تخصیص کی ہے جو حضرات صحابہ سے بعد زمانۂ نبوت صادر ہوں اور ان میں قیاس کو بھی دخل ہو یعنی فعل صحابی میں جب یہ دو شرطیں پائی جائیں گی کہ بعد زمانۂ نبوت واقع ہو اور اس میں قیاس کو بھی دخل ہو وہ فعل تو البتہ مرفوع نہ سمجھا جائے گا اس کی سوا جملہ افعال صحابہ بمنزلۂ نص مرفوع ہونگے مگر یہ دونوں شرطیں لایعبا بہ ہیں اول شرط یعنی زمانۂ نبوت کی قید لگانی ہمارے مجیب کا اجتہاد ہے کوئی دلیل عقلی یا نقلی قابل قبول بیان کریں تبرکا نقل عبارات سے بجز ندامت و ناکامی اور کوئی نفع متصور نہیں۔

دیکھ لیجئے امام نووی رحمۃ اللہ مقدمہ مسلم میں صاف بیان فرماتے ہیں کہ قول و فعل صحابی مطلقاً یعنی بلا تخصیص زمانۂ نبوت وغیرہ موقوف شمار ہوتا ہے اور اس قول و فعل کی حجت شرعی ہونے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول نقل کئے ہیں قول جدید جس کو اصح فرماتے ہیں یہ ہے کہ وہ حجت شرعی نہیں اور تابعی محض قیاس سے اس کو چھوڑ سکتا ہے اور اگر صحابی کا کوئی قول یا فعل مشتہر بین الناس ہو اور اس میں اوروں نے خلاف کیا ہو تو اس کا حال بھی بعینہٖ وہی ہے جو قول غیر مشتہر کا مذکور ہو چکا ہاں جو قول و فعل صحابی ایسا ہو کہ مشتہر بین الناس بھی ہو اور اس میں اختلاف بھی موجود نہ ہو اس میں البتہ پانچ قول فرماتے ہیں، مشہور قول

یہ ہے کہ وہ قول یا فعل حجت اور اجماع سمجھا جائے گا اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ صحابی کا وہ قول وفعل بھی حجت نہ ہوگا اور یہی ہر سہ اقسام قول وفعل تابعی میں بھی بیان فرمائے ہیں یعنی تابعی کا قول وفعل بھی مشتہر ہوگا یا غیر مشتہر اور مشتہر میں اختلاف ہوگا یا نہیں اور قول وفعل صحابی کا اقسام سہ گانہ میں جو حکم ہے وہی حکم قول وفعل تابعی کے اقسام میں بیان فرمایا ہے چنانچہ **ولا[1] فرق فی هذا بین الصحابی والتابعی** صاف موجود ہے اب دیکھ لیجئے کہ دو چار اصحاب کے قول وفعل کو امام نووی حجت شرعی بھی نہیں مانتے چہ جائیکہ اس کو حدیث مرفوع کہا جائے البتہ صرف قول مشتہر غیر مختلف فیہ کو اکثر کے نزدیک حجت بتلاتے ہیں جو مضمون اوثق العری کے سراسر موافق ہے اور امام غزالی تو قول وفعل مشتہر کو بھی حجت شرعی نہیں تسلیم کرتے اور اسی عبارت سے دو امر اور بھی معلوم ہو گئے ایک تو یہ کہ ان حضرات کے نزدیک صحابی کے قول وفعل اور تابعی کے قول وفعل کا یکساں حال ہے دوسرے جو حال فعل صحابی کا ہے وہی بعینہٖ قول صحابی کا حال ہے ان دونوں باتوں کو خوب ملحوظ رکھ کر جو کچھ اس بارے میں فرمانا ہو فرمایئے باقی رہی شرط ثانی یعنی اس فعل میں قیاس کو بھی دخل ہو تو اس وقت وہ فعل مرفوع نہ ہوگا تو یہ شرط مسلم مگر مجیب کو اس سے کیا نفع بلکہ مضر ہے کیونکہ اہل جواثی کا جمعہ ادا فرمانا بالکل قیاس کے موافق ہے کما مر؛ البتہ ارشاد حضرت علی **لا[2] جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع** کی نسبت اگر یہ کہا جائے کہ اُس میں قیاس کو دخل نہیں بلکہ مخالف قیاس ہے اس لئے حکماً مرفوع ہے تو عین حق ہے تمام اہل علم پر روشن ہے کہ اقوال و افعال صحابہ کی رعایت اور عظمت امام ابوحنیفہ کے برابر نہ محدثین نے کی نہ امام شافعی نے وہ تو ان کے بارے میں **نحن رجال وهم رجال** فرماتے ہیں ہمارے مجیب سادہ لوح امام نووی وغیرہ کی عبارتیں بے سمجھے ہمارے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں جناب من افعال صحابہ کا حدیث مرفوع ہونا تو درکنار حنفیہ کو چھوڑ کر کسی کی عبارت سے ان کا حجت شرعی ہونا تو ثابت کر دیجئے افسوس آپ کو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں ؎

گر یہی بے خبری حضرت والا ہوگی تار پور پدری سب تہ وبالا ہوگی

کما بینا مرارا. اس کے بعد مجیب ابوالمکارم عبارت اوثق العری پر دوسرا خدشہ پیش فرماتے ہیں قولہ علی[3] ہذا القیاس آپ نے جو اپنی صورت ثانیہ میں یہ قید لگائی ہے کہ اس پر انکار کیا گیا ہو یہ قید بھی غلط ہے اس واسطے کہ جب خود نص صحابہ کی عمل کے خلاف صادر ہو چکی ہے تو انکار کیا جائے یا نہ کیا جائے وہ عمل صحابہ بوجہ نص کے حجت نہ ہوگا انتہی ،اقول مجیب سلمہ کے اس تغلیط بے محل اور تخطیۂ بے اصل کا مطلب صرف یہ

۱؎ مقدمہ مسلم، جلد اول، ص ۱۸، مختار اینڈ کمپنی دیوبند، مطابق اصح المطابع دہلی

۲؎ مصنف عبدالرزاق ۵۱۷۷، ص ۱۶۸ (بیروت) التلخیص الحبیر ص ۱۳۲ (مکتبہ القاری دہلی)

۳؎ ہدایۃ الوریٰ ص ۷

ہے کہ عبارت مذکورہ اوثق العری میں جو یہ قید لگائی ہے کہ (اس پر انکار کیا گیا ہو) یہ قید غلط ہے کیونکہ جب اس فعل کی نسبت اول سے نص ممانعت موجود ہے تو فعل مذکور قابل اعتماد واحتجاج ہرگز نہیں ہوسکتا اب انکار کی نوبت آئے یا نہ آئے چنانچہ خود عبارت اوثق العری میں یہ مضمون اگلے جملوں میں صاف موجود ہے سو ظاہر نظر میں تو مجیب ابوالمکارم کی یہ تقریر کسی قدر بدیہی اور درست معلوم ہوتی ہے ہاں عبارت اوثق العری کے مطلب سمجھنے کے بعد مجیب کے اس مواخذہ پر اندہے کی ٹیڑھی کھیر کا مشہور قصہ یاد آتا ہے۔ انصاف سے دیکھئے یہ امر تو خود معلوم ہے کہ قصہ اقامت جمعہ فی جواثا کہ جس کے قابل احتجاج ہونے کی کوئی صورت نہ تھی حافظ ابن حجر اس کو قصہ عزل پر قیاس فرما کر قابل استدلال بنانا چاہتے ہیں کما مر، اس کا جواب اوثق العری میں یہ دیا تھا کہ کسی فعل صحابہ کے بعد وحی ممانعت کی نازل نہ ہونے سے اس فعل کا جواز مطلقاً سمجھ لینا صحیح نہیں بلکہ جواز مذکور کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں اول یہ کہ اس میں کوئی نص ممانعت موجود نہ ہو دوسرے یہ کہ عامہ صحابہ اس پر تعامل فرمائیں نہ چند اصحاب چنانچہ اس مضمون کو بحوالہ اوثق العری تشریح کے ساتھ ہم بھی عرض کر چکے ہیں اور حافظ ابن حجر کی بات کا جواب اسی حد پر پورا ہو گیا تھا اس کے بعد شق اول کی توضیح کی غرض سے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی نص ممانعت موجود ہو تو ہرگز تعامل صحابہ معتبر نہ ہوگا بمقابلہ نص صریح صحیح کے الخ جس سے شرط اول کا نفع اور اس کا محترز عنہ خوب معلوم ہو گیا لیکن اس عبارت میں چونکہ لفظ صحابہ مجمل تھا اقل اکثر کی تشریح نہ تھی اس لئے بطور ترقی ومزید توضیح یہ ارشاد فرمایا (اور اگر بدون اطلاع نص کے اکثر صحابہ نے بھی کوئی عمل کیا اور اس پر انکار کیا گیا تو وہ بھی قابل اعتماد نہ ہوگا الخ) یعنی بوجہ عدم اطلاع نص ممانعت اگر اکثر صحابہ بھی اس فعل پر عمل فرما دیں گے تو بھی قابل اعتماد نہ ہوگا اور بوجہ مخالفت نص جیسا بعض صحابہ کا فعل قابل اعتماد واستناد نہ ہوتا تھا ایسا ہی اکثر صحابہ کا عمل بھی اس صورت میں غیر قابل اعتماد ہوگا ہاں یہ بات ظاہر ہے کہ اگر بوجہ عدم اطلاع نص اکثر صحابہ فعل مذکور پر عمل کرینگے تو ضرور ہے کہ وہ بعض جن کو نص مذکور کی اطلاع ہے بوجہ مخالفت نص ضرور ان اکثر پر انکار و اعتراض فرما دیں گے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قید مذکور یعنی (اور اس پر انکار کیا گیا ہو) قید لازم اور قید عادی ہے قید احترازی ہرگز نہیں، مجیب سلّمہٗ اگر عبارت سابقہ اور لاحقہ کو بغور ملاحظہ فرماتے تو غالباً ان کو اس اعتراض کی نوبت نہ آتی خیر انہوں نے سمجھ بوجھ کر بالقصد ایسا کیا ہو یا بوجہ عدم فہم اس اعتراض کی نوبت آئی ہو وہ جانیں ہم نے اصل مطلب عبارت اوثق العری کا وضاحت کے ساتھ عرض کر دیا ہے جس سے ان کے اعتراض کا بے اصل ہونا ہر منصف سمجھ لے گا اور عبارت اوثق العری سے بالبداہتہ معلوم ہوتا ہے کہ فعل صحابہ کے بعد عدم نزول ممانعت کی وجہ سے اس فعل کا جواز صرف اسی حالت میں ثابت ہوگا جب

دونوں شرطیں مذکور بالا وہاں موجود ہوں اور تعامل صحابہ کے غیر معتبر ہونے کے لئے دونوں شرطوں میں سے ایک شرط کا عدم بھی کافی ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ تعامل صحابہ کے معتبر ہونے کی تو صرف ایک صورت ہے البتہ غیر معتبر ہونے کی دو صورتیں ہیں تو اب علامہ ابوالمکارم نے جو اپنے کلام میں صورت اولی اور صورت ثانیہ کو بیان فرمایا ہے اس کو بتلائیں کہ یہ اولی اور ثانیہ تعامل مذکور کے معتبر ہونے کی صورتیں ہیں یا غیر معتبر ہونے کی یا ایک معتبر ہونے کی اور دوسری غیر معتبر ہونے کی، علی ہذا القیاس آپ نے جو پہلے عبارت میں فرمایا ہے کہ اس صورت کے افعال بدون اس قید کی حجت ہیں اس کی نسبت بھی یہ ارشاد ہو کہ اس صورت سے کونسی صورت مراد ہے؟ ہم تو پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ مجیب علام بلافہم عبارت اوثق العری بزور قوۃ رادّہ تردید فرما رہے ہیں اور اگر بزعم خود مطلب اوثق العری خوب سمجھے ہوئے ہیں تو ہمارے استفسار کا جواب مشرح بیان فرمائیں اس وقت کم فہموں پر بھی انشاء اللہ ہمارے مجیب کی مطلب فہمی خوب واضح ہو جائے گی، ہم کس کس بات پر تعجب وافسوس ظاہر کریں مجیب موصوف نے اس قدر تطویل اور جدو جہد پر نہ اپنے مفید مدعی کوئی عبارت نقل فرمائی نہ اصل مدعاء اوثق العری پر کوئی اعتراض کر سکے عبارتیں نقل فرمائیں تو بے سود، اعتراض کیا تو بے محل اور فضول، مجیب کو لازم تھا کہ ہر دو شرط مذکورۂ اوثق العری کی نسبت کچھ ارشاد فرماتے اور جب ان سے ہر دو شرط مذکورہ کی نسبت کچھ نہیں ہو سکا تو اب بروئے انصاف تجویز بیان فرمودۂ علامہ ابن حجر ان کو کیا مفید ہو سکتی ہے باقی اصل مدعی کو چھوڑ کر بے سوچے سمجھے یہ فرما دینا کہ صورت اولی میں تعامل عامہ صحابہ کی قید اور صورت ثانیہ میں انکار کرنے کے قید لگائی، غلط ہے۔ اپنی خوش فہمی کا ثبوت اور بے انصافی کا اقرار کرنا ہے اول تو امر مطلوب اور متنازع فیہ سے سکوت کر کے محض زوائد وتوابع میں ردّ و انکار کرنا بے سود وفضول ہے، دوسرے وہ بھی بے اصل اور غلط کما مر تفصیلہ۔ ملاّ کی تعریف لوگوں میں آنکہ چپ نشود مشہور ہے۔ اب ناظرین باانصاف ملا معترض کی کیفیت کو خود اس سے سمجھ لیں کہ کیا ہونی چاہئے بقول مشہور کریلا اور نیم چڑھا بالجملہ قصہ جواثا کو اپنا مستدل بنانے کے لئے جو علامہ ابن حجر نے ایک تجویز نکالی تھی اور اس کو قصہ عزل پر قیاس فرمایا تھا اور قاضی شوکانی اور محدثین زمانۂ حال کو بھی اس کو دانتوں سے پکڑنے کی نوبت آرہی ہے اور تحقیق مذکورہ اوثق العری سے تجویز مذکور غیر مقبول اور عزل پر قیاس فرمانا قیاس مع الفارق ثابت ہو چکا ہے اس کی نسبت ہمارے ہر دو مجیب نے جو کچھ سعی اور عرق ریزی فرمائی تھی اس کا بے سود ہونا ہماری معروضات سے خوب معلوم ہو گیا والحمد للہ اب مجیب اور ان کے موافقین پر لازم ہے کہ اتنی بات تو ضرور کریں کہ کسی دلیل سے بھی ثابت فرما دیں کہ فعل صحابہ مطلقاً درصورت عدم نزول

ممانعت حجت جواز اور دلیل ثبوت ہوتا ہے اور اگر اتنا بھی نہ ہو سکے تو پھر مقتضائے فہم وانصاف یہی ہے کہ اس بارے میں حسب قول مشہور ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

صبر فرماویں اور تحقیق اوثق العری کی ملاحظہ کے بعد تجویز مذکور سے امید بہبودی نہ رکھیں اور اگر اب بھی کچھ ہوس باقی ہو تو اس کو بھی نکال لیجئے، دیکھیں تجویز مذکور کے ذریعہ سے ہمارے مجیب قصہ جواثی کو کیونکر مستدل اور حکماً مرفوع بناتے ہیں ۔

یوں خدا کی خدائی برحق ہے پر ہمیں تو اثر کی آس نہیں

مگر جو کچھ ہو ہماری معروضات اور انصاف کو پیش نظر رکھ کر ارشاد ہو تعریف ملا میں داخل ہونے کے لئے تو جو کچھ یہاں تحقیق فرما چکے ہیں وہ بھی کافی ہے، اس کے بعد اوثق العری میں دربارۂ عزل جس کو علامہ ابن حجر نے مقیس علیہ بنایا تھا یہ مضمون تحریر فرمایا ہے کہ باب عزل میں صرف یہی بات نہیں کہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحریم وممانعت سے سکوت فرمایا ہے اور فقط اتنی ہی بات سے عزل کا جواز حضرات صحابہ نے سمجھ لیا بلکہ سکوت عن التحریم کے ساتھ نص جواز بھی موجود ہے جس کے راوی خود حضرت جابر ہیں بخلاف اقامت جمعہ فی القریٰ کے کہ بجائے دلیل جواز روایات تعامل زمانۂ نبوی وزمانۂ اصحاب اس کے مخالف ومتضاد موجود ہیں تو اب اس بون بعید کے ہوتے ہوئے اقامت مذکورہ کو عزل کے قصہ پر قیاس کرنا ایسے علامہ محقق سے بہت ہی بعید ہے اس تقریر سراسر حق اور قابل تحسین وقبول کے جواب میں مجیب ابوالمکارم محض تعریف مشہور لفظ ملا کی جامعیت قائم رکھنے کی غرض سے یا یوں کہئے کہ افراد ملا میں داخل رہنے کی ضرورت اور خارج ہو جانے کی خوف سے جو ارشاد فرماتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ ایک روایت میں فرماتے ہیں **کنا[1] نعزل علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم والقر آن ینزل** اس[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدون استفسار وبغیر اطلاع عزل ہوتا رہا کیونکہ روایت مذکورہ استفسار واطلاع سے بالکل ساکت ہے دوسری روایت میں حضرت جابر ارشاد فرماتے ہیں **کنا[3] نعزل علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فبلغ ذلك نبی الله صلی الله علیه وسلم فلم ینهانا عنه** اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کو اطلاع کی نوبت آئی اور تیسری روایت حضرت جابر کی وہ ہے جو اوثق العری میں پیش فرمائی ہے اور جس سے مجیب

---

[1] ابن ماجہ باب العزل، ص ۱۳۸۔ (رشیدیہ دہلی)

[2] ہدایۃ الوریٰ ص ۷

[3] ترمذی، باب ماجاء فی العزل، ص ۲۱۵۔ (رشیدیہ دہلی)

فہام نجات کی فکر فرما رہے ہیں وہو ھذا قلنا[1] یا رسول اللّٰہ کنا نعزل فزعمت الیھود انه الموؤدة الصغری فقال کذبت الیھود الخ اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ حضرات صحابہ نے آپ سے دربارۂ حکم عزل استفسار کیا اور آپ نے اجازت فرمادی جس سے امر متنازع فیہ کے لئے قصہ عزل کو مقیس علیہ بنانے میں صریح سقم پیدا ہوگیا چنانچہ بحوالہ اوثق العری اس کی تفصیل معروض ہوچکی ہے بالجملہ حضرت جابر کے ہر سہ روایات میں اتنا تفاوت ہے کہ اول روایت جس کو علامہ ابن حجر نے مقیس علیہ بنایا ہے استفسار و اطلاع مذکور یں دونوں سے ساکت ہے اور روایت ثانی منقولہ مجیب میں اطلاع کی تصریح موجود ہے اور روایت ثالث جس کو اوثق العری میں پیش فرمایا ہے اس میں استفسار کھلم کھلا مذکور ہے اور یہ بات سب پر روشن ہے کہ ساکت و ناطق میں تعارض ممکن نہیں بلکہ ساکت کو ناطق کے موافق سمجھنا ضروری ہوتا ہے اور یہ امور ایسے نہیں کہ جن کے تسلیم میں کسی کو تامل ہو تو اب حضرت جابر کی روایات مذکورہ میں کوئی تعارض نہ ہوگا بلکہ حدیث اول جس کو ساکت کہنا چاہئے بالضرور اور بلا تامل ہر دو حدیث باقیہ کے موافق اور ان پر محمول ہوگی چنانچہ اوثق العری میں اس موافقت کو ظاہر فرمادیا ہے جس کے سمجھنے میں اہل فہم کو تامل نہ ہوگا اب ہمارے مجیب کی دقیقہ سنجی قابل دید ہے جس کا مدعی یہ ہے کہ روایت پیش فرمودہ اوثق العری جس میں استفسار و اجازت مذکور ہے دوسری روایتوں کے کہ جن میں آپ کی اطلاع مذکور نہیں بے شک مخالف ہے مگر ان روایات کو دو وقتوں مختلف پر محمول کرنے سے دفع تخالف ہوجائے گا چنانچہ بجنسہٖ ان کی عبارت یہ ہے (اگرچہ خود حضرت جابر سے جواز عزل کی روایت مروی ہے لیکن روایات ذیل سے صاف واضح ہوتا ہے کہ پہلے[2] اس فعل کو حضرت جابر وغیرہ نے بلا اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شروع کردیا تھا اور برابر اس فعل کو اس خیال سے کہ اگر یہ فعل ناجائز ہوگا تو خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں نہی نازل فرمائے گا کرتے رہے، انتھی) اہل انصاف وفہم ملاحظ فرمالیں کہ اول تو مجیب کا ان روایات کو باہم مضاد و مخالف سمجھنا ایک سطحی امر ہے اور پھر تعدد اوقات پر اس کو محمول فرما کر روایات مذکورہ کو منطبق کرنا، اوسی جڑ کی شاخ اور اوسی شاخ کا پھل ہے۔ واقعی اور تحقیقی بات وہی ہے جو اوثق العری میں مذکور ہے اور جس کو ہم عرض کرچکے ہیں کہ روایت اول مجمل و ساکت ہے اور دوسری روایت مفصل و ناطق، روایت اول جس کو حافظ ابن حجر نے مقیس علیہ بنایا ہے اس میں استفسار و اطلاع کا ذکر نہیں اور دیگر روایات میں استفسار و اطلاع مذکور ہے والناطق یقضی علی الساکت قضیہ مسلم ہے اس لئے روایات حضرت جابر میں کسی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، باب المباشرۃ ص ۲۷۵ بحوالہ مسلم (رشیدیہ دہلی)

[2] ہدایۃ الوریٰ ص ۷

قسم کا تعارض نہ ہوگا جو اس کے ازالہ کی ضرورت ہو بلکہ بے تکلف جملہ روایات بدون التزام تعدد اوقات باہم موافق ومتحد سمجھے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ بے شک عزل آپ کے زمانہ میں ہوتا رہا اور قرآن میں اس کی ممانعت نازل نہیں ہوئی اور باوجود اطلاع آپ نے بھی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ آپ سے استفسار کیا گیا تو آپ نے عزل کی اجازت فرمائی۔ ہمارے خیال میں نہیں آیا کہ مجیب نکتہ رس کو تعارض کا خلجان کہاں سے پیدا ہو گیا کہ تعدد اوقات پر حمل فرما کر اس کے ازالہ کی فکر فرما رہے ہیں اور زیادہ افسوس کے قابل یہ بات ہے کہ عبارت اوثق العری جس میں یہ مضمون مصرح موجود ہے اس کو بھی نہ دیکھا اور بلا تدبر ایجاد بندہ فرمانے کو موجود ہو گئے اور سب سے بڑھ کر یہ غضب کیا کہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر وغیرہ نے بلا اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی عزل کو اس خیال سے شروع کر دیا تھا کہ اگر یہ فعل ناجائز ہوگا تو خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں نہی نازل فرمائے گا، کاش کوئی ہمارے مجیب کی خدمت میں یہ عرض کر دے کہ آپ کیوں خواہ مخواہ ان امور میں اپنی ٹانگ اڑا کر ناحق چوٹ کھاتے ہیں بڑوں کی نصیحت ہے ؏

اذا لم تستطع شيئا فدعه

جناب من اوثق العری کا جواب لکھنا آپ پر فرض نہیں مستحب نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ جائز بھی نہیں پھر آپ کیوں اپنے آپ کو کسی نفسانی خیال سے اس مخمصہ میں ڈالتے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ اکابر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں آپ نے کیا کہا؟ حق تعالیٰ آپ کو سمجھ دے انصاف دے اپنے قول سے توفیق انابتہ وتوبہ نصیب کرے آمین ہماری نظر سے ایک تذکرہ میں گذرا کہ کسی لڑکے نے معلم کو قرآن سناتے وقت پڑھا **عليها ملائكة غلاظ شداد يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يومرون** معلم نے بحالت غضب گالی دے کر کہا کہ یہ تو غارت گروں اور لٹیروں کی شان ہے ملائکۃ الرحمٰن کی یہ شان ہرگز نہیں سو اور تو میں کچھ کہنے کا استحقاق نہیں رکھتا البتہ اتنا کہتا ہوں کہ آپ نے جوامر حضرت جابر وغیرہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے **حاشا و کلا** ان کی شان بمراحل اس سے ارفع ہے یہ تو بے پروا، بیباک، مداہن، بددین لوگوں کا کام ہے، اہل علم تو درکنار جن کو فہم سلیم سے حصہ ملا ہے وہ کبھی ایسے بے ہودہ خیالات حضرات صحابہ کی شان میں نہیں کر سکتے اور باتوں کو جانے دیجئے ارشاد **المتقي من يتقي الشبهات** اور **دع**[1] **ما يريبك الى مالا يريبك** اور **فمن تركها استبراءً لدنيه وعرضه فقد سلم ومن واقع شيئا منها يوشك ان يواقع الحرام** وغیرہ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، ص ۲۴۲۔ (اصح المطابع دہلی)

[2] ابن ماجہ، باب العزلۃ، ص ۲۸۷ (اصح المطابع دہلی)

تو مجیب کے ملاحظہ میں آئے ہونگے تو اب بروئے ایمان وانصاف حضرات صحابہ جو تمام متقین ومتورعین کی مقتدا اور پیشوا ہیں کیا ان کی شان نعوذ باللہ یہی ہونی چاہئے کہ جس امر مشتبہ غیر مشتبہ کو چاہا بلا استفسار و بدون تحقیق کیف ما اتفق اس خیال پر کر بیٹھتے تھے کہ اگر یہ فعل ناجائز ہوگا تو بقول مجیب ابوالمکارم اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ اس بارے میں وحی نازل فرمائے گا، جنابِ من اہل علم وفہم سے دریافت فرمایئے وہ تو آپ کے اس قدر شناسی پر جو آپ نے حضرات صحابہ کی نسبت ظاہر فرمائی ہے تعوذ واستغفار کے بعد یہی فرمائیں گے کہ یہ قائل کے سراسر ناواقفی اور بیباکی ہے حضرات صحابہ تو اپنے اہل وعیال کے ساتھ بھی امور مباحہ بے دھڑک نہیں کرسکتے تھے اور اپنے اہل کے ساتھ انبساط واختلاط ظاہر کرنے میں بھی نزول وحی اور ظہور عتاب سے سخت خائف رہتے تھے اور حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے ادنی احتمال اور توہم پر آسمان سے پتھر برسنے کا ڈر ان کو خائف ومضطرب بنا دیتا تھا ہمارے محدثین کی نیرنگی بھی قابل تماشا اور حیرت افزا ہے کہ یا تو قصہ جواثا میں اکابر واصاغر سب یہ فرمارہے تھے کہ یہ ظاہر ہے کہ عبدالقیس نے بغیر امر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اقامت جمعہ نہیں کیا کیونکہ صحابہ کرام کوئی فعل بغیر امر شارع کے نہیں کیا کرتے تھے، خصوصاً زمانہ وحی میں چنانچہ اوراق سابقہ میں یہ قصہ مفصلاً گذر چکا ہے اور یا ہمارے مجیب ابوالمکارم اب یہ فرمارہے ہیں کہ اکابر صحابہ زمانہ نزول وحی میں مدینہ طیبہ کے اندر بھی بلا استفسار و بلا تحقیق اس اعتماد پر جو چاہتے تھے کر لیتے تھے کہ ناجائز ہوگا تو خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں نہی نازل فرمائیگا اس وقت فعل مذکور کو ترک کردیں گے امید ہے کہ مجیب اس تعارض واختلاف کے جواب سے جو ان کے دونوں کلاموں میں صریح موجود ہے مطلع فرمانے میں بخل نہ کریں گے، مجیب کے اس ارشاد بے بنیاد سے صحابہ کرام کی تنقیص تو بالبداہتہ معلوم ہوتی ہی ہے مگر کلام مذکور کا خلاف عظمت وجلال خداوندی ہونا بھی ایسا امر نہیں کہ اہل فہم اس میں متامل ہوں حق تعالیٰ کے جملہ اقوال اور تمام احکام سراسر حق اور مطابق حکمت اور رحمت ہیں اس کے کسی ارشاد کو خواہ مخواہ کہنا خواہ مخواہ اپنی کم فہمی اور بے ادبی کی گواہی دینا اور **بئس الخطیب انت** کا مصداق بننا ہے علاوہ ازیں مجیب کا **کنا نعزل** کے بھروسے یقینی طور پر مکرر یہ فرمانا کہ حضرت جابر نے عزل کیا ان کی ظاہر پرستی کا ثمرہ ہے اہل علم جملہ مذکورہ کی وجہ سے حضرت جابر کی طرف عزل کے یقیناً منسوب کرنے کو تسلیم نہیں کرسکتے **کما لا یخفی**۔

بالجملہ اس بحث طویل سے بحمد للہ خوب ظاہر ہوگیا کہ علامۂ ابن حجر وغیرہ کا قصہ عزل کو مقیس علیہ بنا کر اقامت جمعہ فی جواثی سے قریٰ کو محل اقامت جمعہ قرار دینا بشرط غور وانصاف ہرگز قابل قبول نہیں اور اوثق العریٰ میں جو استدلال ابن حجر کا جواب دیا تھا وہ سراسر حق بالقبول اور اس پر ہر دو مجیب کا اعتراض

کرنا اور استدلال ابن حجر کی تائید فرمانا بالکل بے سود وفضول ہے **کما مر مفصلاً**. اور مجیب ابوالمکارم نے بظاہر اس قصہ میں زیادہ جانفشانی کی ہے اور ابن حجر کے استدلال کو خدشات سے پاک کرنے میں بہت ہمت صرف کی ہے چنانچہ اس کی کل کیفیت عرض کر چکا ہوں مگر مجیب ابوالمکارم بھی باوجود اس شدت تعصب اور جوش حمایت کے غالباً خوب جانتے ہیں کہ اوثق العری کے ارشاد کا جواب اب تک نہیں بن پڑا اس لئے سب کچھ رطب ویابس کہہ سن کر اخیر میں فرماتے ہیں قولہ[1] لیکن میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کو اتنی دور جانے کی ضرورت ہی کیا تھی اس واسطے کہ یہ کہہ دینا کیا کم ہے کہ جمعہ جواثی کی روایت حکماً مرفوع ہے جیسا کہ اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے بلکہ یہ تقریر میرے نزدیک جمعہ جواثا کی نسبت حسب امور منقحہ بالا زیادہ موزون ہے، انتہی۔

ہمارے مجیب نے خیر اس امر کا اقرار تو صاف کر لیا کہ علامۂ ابن حجر بہت دور نکل گئے اور جواب بعید دیا باقی ان کا یہ فرمانا کہ ہماری تقریر بالا زیادہ موزون ہے محض مجیب کا خیال ہے اور وہ بھی خام بلکہ بدیہی البطلان افعال صحابہ کو علی العموم حکماً مرفوع کہنا علامہ ابوالمکارم کے سوا کوئی نہ کہے گا چنانچہ مفصلاً اس کی کیفیت گذر چکی ہے اور لیجئے اوثق العری میں جو فرمایا تھا کہ باب عزل میں خود جواز کی نص موجود ہے اور یہ فعل باجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے اور کوئی وحی اس کے ترک کی نہیں آئی اس پر ہمارے مجیب فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں بلکہ حرمت عزل کی حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے **ثم[2] سئلوه عن العزل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلك الواد الخفی وهی اذا المؤدة سئلت** مگر یہ روایت اول تو عند البعض ضعیف ہے چنانچہ قاضی شوکانی فرماتے ہیں **ومنهم[3] من ضعف حديث جذامة هذا لمعارضته هو اكثر منه طرقا** آگے چل کر پھر فرماتے ہیں **وقد[4] ضعف ايضاً حديث جذامة اعنى الزياده التى فى آخره بانه تفرد بها سعيد بن ايوب عن ابى الاسود ورواه مالك و يحيیٰ بن ايوب عن ابى الاسود فلم يذكرها وبمعارضتها بجميع احاديث الباب وقد حذف هذا الزيادة اهل السنن الاربع** دوسری یہ روایت ابوسعید اور ابوہریرہ اور جابر کی معارض ہے جن روایات میں کہ عزل کی نسبت یہود کی موءدۂ صغری کہنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف تکذیب فرمادی تیسرے یہ کہ ایک جزوی مشابہت کی وجہ سے آپ کا عزل کو واد خفی

---

۱ ہدایۃ الوریٰ: ص ۸

۲ مشکوٰۃ، باب المباشرۃ، ص ۲۷۶، حدیث جذامہ بنت وہب (رشیدیہ دہلی)

۳ نیل الاوطار الجزء السادس، باب ماجاء فی العزل، ص ۱۱۷ (مکتبہ خیریہ مصر، لبنان)

۴ حوالہ بالا

فرمانا حرمتہ عزل کو مقتضی نہیں **کما لا یخفی علی المتفطن** حتی کہ قاضی صاحب بھی نیل الاوطار میں اس روایت کی نسبت صاف نقل فرماتے ہیں انہٗ[1] **حدیثھا لیس بصریح فی المنع اذ لا یلزم من تسمیتہ واد خفیا علی طریق التشبیہ ان یکون حراما**، انتہٰی اسی وجہ سے امام نووی اور حافظ ابن حجر اور بیہقی وغیرہ وغیرہ محققین کے نزدیک راجح اور مقبول یہ ہے کہ حدیث جذامہ کو کراہت تنزیہی پر حمل کیا جائے تاکہ جملہ روایات مثبت جواز عزل اور روایت جذامہ میں تعارض اور اختلاف باقی نہ رہے چنانچہ عبارت نووی اور نیل الاوطار میں صاف اس تطبیق کو نقل فرمایا ہے اور اس صورت میں حدیث جذامہ نہ کسی روایت کے مخالف و معارض ہوگی اور نہ مذہب جمہور کے بلکہ تمام امور بے تکلف متفق و منطبق ہو جائیں گے اور حدیث جذامہ کی تضعیف کی بھی اصلا ضرورت نہ ہوگی والحمد للہ۔

مگر ہمارے مجیب نے جو محض عبارت اوثق العری پر ایک اعتراض کرنے کی غرض سے اگرچہ ان کی اصل مدعی کو نافع نہ سہی یہ دعوی کیا تھا کہ حدیث جذامہ منقولۂ مسلم سے حرمت عزل ثابت ہوتی ہے وہ دعوی ایسا نکلا کہ انشاء اللہ کسی دلیل معتبر سے ثابت نہ کر سکیں گے بلکہ قاضی صاحب اور حافظ ابن حجر وغیرہ جملہ محققین کے ارشاد کے صریح مخالف ہے اور اگر ہمارے مجیب کچھ تامل فرمائیں گے تو احادیث میں متعدد امثلہ ایسے ضرور ملیں گے کہ بعض امور پر بوجہ مشابہت و مشارکت کسی امر حرام یا فرض کا اطلاق شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے جیسا کہ اس موقع پر عزل کو بوجہ مشابہت واد خفی فرمایا ہے مگر اس اطلاق کی وجہ سے ان امور کو حرام یا فرض کوئی بھی نہیں کہتا چنانچہ بحوالۂ نیل الاوطار یہ مضمون ابھی گذر چکا ہے پھر معلوم نہیں ہمارے مجیب نے کونسی حجت معتبرہ سے اس روایت کے بھروسے پر عزل کو حرام فرمادیا اس کے بعد ناظرین کی خدمات میں یہ التماس ہے کہ اوثق العری میں جو حافظ ابن حجر کے قصہ جواثا کو عزل پر قیاس فرمانے کا جواب تحریر فرمایا تھا اور قیاس مع الفارق ہونا ثابت کیا تھا کما مر سابقا، تو اس موقع پر اوثق العری میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے، بخلاف مسئلہ اقامت جمعہ کے اس میں کوئی دلیل جواز جمعہ کی موجود نہیں ہے بلکہ نص صریح فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعامل صحابہ اہل عوالی وغیرہ سے اس کی ممانعت بدیہی وصریح ہے انتہی، اس پر ہمارے مجیب ابوالمکارم نے غالبًا بنظر تخفیف خفتہ اور بغرض اظہار تصدیق لقب چند مواخذات لفظی اور فضول ایسے تحریر فرمائے ہیں کہ ان کی جواب دہی تو درکنار ان کا رغبت کے ساتھ سن لینا بھی کسی لطیف المزاج اور سلیم الطبع سے متوقع نہیں، اور عبارت منقولہ کے بعد کی عبارت پر بھی مجیب نے اسی قسم کے مواخذات تحریر فرما کر اپنا کمال علم و انصاف ظاہر کیا ہے طبیعت کی نفرت اور اہل علم کی جانب

---

[1] نیل الاوطار الجزء السادس، باب ماجاء فی العزل، ص ۱۱۷۔ فتح الباری کتاب النکاح، باب العزل ص ۳۰۹

سے اندیشہ ملامت اسی امر کو متقاضی تھا کہ ایسے بے اصل امور کو یک لخت نظر انداز کر دیا جائے مگر تامل کے بعد یہی امر خیال میں آیا کہ جو شخص عقل اور اہل عقل کا ایسا پابند ہو اس کو مجیب سلمہ کی تحریرات کے جواب دینے ہی کی کیا ضرورت ہے بقول شخصے ع

جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

چنانچہ مجیب نے اپنے اسی رسالہ کے اخیر میں جو اپنی مولفات کی فہرست درج کی ہے اس میں لکھا ہے کہ دقائق الاسرار کے جواب میں آج پندرہ برس ہو گئے کہ اس کا جواب نہ ہو سکا، علی ھذا القیاس۔ لوامع الانوار کو بارہ برس اور فراسۃ المؤمنین کو تیرہ برس اور کواکب درّی کو پانچ برس اور مطلع القمرین کو چار برس ہوئے کہ ان کا جواب مخالفوں کی طرف سے شائع نہیں ہوا، سو ہمارے مجیب کا یہ تحریر فرمانا خلاف واقع تو ہے ہی نہیں ہونہ ہو تالیفات مولانا ابوالمکارم صاحب میں کوئی ایسا امر ضرور ہے کہ جس کی وجہ سے ہر کسی سے اس کی تردید ممکن نہیں ہے اور وہ امر ظاہر ہے کہ فضولیات اور لغویات کی بھاری بوجھ میں دابنے کے سوا اور کیا ہے اور مجیب ممدوح کی مؤلفات کی جواب دہی کی صعوبت خاص جس کو ہم مشاہدہ کر رہے ہیں اس پر نظر کر کے تو ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ مجیب سلمہ کو تردید و ابطال سے آئندہ کو بھی مطمئن رہنا چاہئے غالبًا آگے کو بھی کسی سے رسائل مذکورہ کی جواب دہی میں قلم اٹھانے کی توقع نہیں ہوتی یہ امر جدا رہا کہ کوئی ہم جیسا مبتلا شامت اعمال نوشتہ تقدیر کو پورا کرنے کے لئے مجیب کی کسی تحریر کا جواب لکھنے کو تیار ہو جائے بالجملہ امور معروضہ کو خیال کر کے یہی مناسب نظر آیا کہ مجیب کے مواخذات لفظی سطحی کی نسبت حسب موقع کسی قدر عرض کر دیا جائے تاکہ مجیب کے ناز بے جا کی حقیقت خوب روشن ہو جائے سو عبارت اوثق العری جو نقل کر چکا ہوں۔

اعتراض ابوالمکارم

اس پر مجیب ابوالمکارم نے اول ہی یہ مواخذہ فرمایا کہ فقط[۱] اقامت جمعہ لکھنا درست نہیں بلکہ اقامت جمعہ کے بعد فی القریٰ کی قید ضرور لگانی چاہئے تھی کیونکہ بحث جمعہ فی القریٰ میں ہی نہ مطلق اقامت جمعہ میں اس کے بعد حیا سے اعراض کر کے فخر و ابتہاج کے ساتھ فرماتے ہیں کہ عبارت اوثق العری کا نہ عنوان درست اور نہ تقریر صاف بلکہ جابجا ادائے مطلب میں قاصر ہے چنانچہ افعال صحابہ کی نسبت آپ کی اور میری تقریریں موجود ہیں موازنہ کر لیا جائے۔

---

۱ ہدایۃ الوریٰ ص ۸

جواب

اقول خلاصہ اعتراض حضرت معترض یہ ہے کہ عبارت اوثق العری میں کلمہ اقامت جمعہ کے بعد فی القریٰ کی قید اور لگانی چاہیے اوثق العری میں قید مذکور کے نہ ہونے کی وجہ سے عبارت اوثق العری پر قاصر ہونے کا طعن کیا جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اوثق العری کی تحریر جا بجا ادائے مطلب میں قاصر ہے نہ عبارت درست نہ عنوان مناسب نہ تقریر صاف سو اہل انصاف وفہم تو خود سمجھ لیں گے کہ ایسے نامعقول مواخذات قائل کی کم فہمی اور کم حوصلگی اور عجز پر برہان شافی اور حجت کافی ہیں لیکن بنظر مزید توضیح اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ اس صورت میں معترض کا الزام صرف عبارت اوثق العری ہی پر نہ ہوگا بلکہ جملہ اہل لسان وعلماء نحو و بلاغت پر بلکہ کلام الٰہی اور احادیث حضرت رسالت پناہی تلک بے تکلف اس الزام کی نوبت پہنچے گی فضلات اور قیود زائدہ کا تو ذکر کیا ہے عمدہ اور رکن کلام یعنی مسند اور مسند الیہ کے حذف و ترک کو بعض مواقع میں جائز اور بعض جگہ مستحسن اور ضروری بیان کرتے ہیں اور کبھی تمام جملہ اور کبھی زائد از جملہ کو متروک فرما دیتے ہیں کتب نحو و معانی و بیان کو ملاحظہ فرمائیے اور عبارت بلغاء اور ارشادات قرآن وحدیث کو آنکھیں کھول کر دیکھ لیجئے انشاء اللہ اس کثرت سے اس کی امثلہ ملیں گے کہ معترض بحاث نے اپنی تمام تصنیفات میں بھی اس قدر غلطیاں نہ کھائی ہوں گی ایجاز بالحذف جس کو علمائے بلاغت موجب بلاغتہ کلام بتلاتے ہیں اور قرآن واحادیث اور کلام بلغاء سے اس کے امثلہ نقل فرماتے ہیں اہل اجتہاد زمانہ حال اس پر قصور اور کوتاہی کا الزام بڑے طمطراق کے ساتھ لگانے کو موجود ہیں اور اس خوبی پر اکابر سلف اور خلف کے مقابلہ اور مخالفت پر نہایت فخر ومسرت کے ساتھ امادہ اور کمر بستہ کیوں نہ ہو ارشاد **اذا لم تستحیی فاصنع ما شئت** حضرات انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا متفقہ قول ہے قرآن و حدیث وکلام بلغا کی مثالیں بیان کرنے کی تو حاجت نہیں علوم مروجہ سے تو تھوڑی مناسبت رکھنے والے بھی اس سے بخوبی واقف ہیں بلکہ اُردو فارسی وغیرہ ہر ایک زبان کا واقف جانتا ہے کہ بہت سے مواقع میں اس قسم کے حذف وترک ہر ایک زبان میں شائع وذائع ہیں علاوہ ازیں ہمارے معترض بحاث کو شاید ان امثلہ کے سمجھنے میں کچھ دقت بھی پیش آئی اور سمجھ بھی لیں تو اپنے پاس سخن سے غالباً اس کے تسلیم میں متامل ہوں اس لئے امثلہ مذکورہ سے اعراض کر کے ان کی ہی پشتو میں ان کو سمجھا دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، سو دیکھ لیجئے معترض ممدوح اسی اعتراض سے چھ سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں، رہا یہ قول کہ واقعہ جواثا سے جواز جمعہ نکلتا ہے نہ وجوب جمعہ سو اس پر کیا دلیل ہے یہ امر بدیہی ہے کہ عبارت مذکورہ میں جواز جمعہ

اور وجوب جمعہ دونوں کے بعد فی القریٰ کی قید ہونی چاہئے معترض صاحب صاحبِ حیا وانصاف اعتراض کی مسرت اور جوش میں اتنی جلدی اپنے آپ مواخذہ شدید کو فراموش فرما کر خود ہی اس میں ماخوذ ہو گئے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا ‏ ‏ اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

جس قید کی ترک پر اوروں کی نسبت یہ طعن و تشنیع تھا ایک چھوٹی سی عبارت میں اس قید کو دو جگہ ہضم کر بیٹھے اور طرفہ یہ کہ عبارت اوثق العری جس کا مطلب معترض صاحب نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے اس میں قید فی القریٰ صاف موجود ہے تو یہ عذر بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ عبارت تو اوثق العری کی ہی۔ ہم پر اس کی وجہ سے الزام کیسا کیونکہ معترض موصوف نے عبارت اوثق العری کو بالمعنی نقل کیا ہے اور اصل عبارت میں قید فی القریٰ موجود ہے معترض صاحب نے اس قید کو اپنی عبارت میں متروک فرمایا ہے اس کے بعد کچھ ضرورت تو نہیں مگر معترض کے مزید اطمینان کی نیت سے ایک جملہ جو ان کے شیخ الکل حجت السلف والخلف مولانا سید نذیر حسین نے اسی فتوے میں تحریر فرمایا ہے نقل کئے دیتا ہوں جو اسی مختصر سے فتوی کی پانچویں سطر میں موجود ہیں فرماتے ہیں اور عدم نزول وحی اقوی ادلہ جواز سے ہے جن کی تقدیر اور پوری تقریر یہ ہے اور عدم نزول وحی ممانعۃ دربارۂ اقامت جمعہ فی جواثا اقوی ادلہ جواز اقامت جمعہ فی القریٰ سے ہے دیکھئے عبارت اوثق العری پر تو فقط ایک قید کے ذکر نہ کرنے پر یہ لن ترانیاں تھیں شیخ الکل نے یہ غضب کیا کہ جس قدر کلام کو ذکر فرمایا اس سے زائد کو اپنے ذہن مبارک میں رکھا اور اگر معترض بحاث یہ ارشاد فرمائیں کہ جو امر سباق و سیاق کلام سے بالبداہت سمجھ میں آتا ہو اس کی ذکر نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے ان کے کلام اور شیخ الکل کے ارشاد پر کوئی مواخذہ نہیں ہوسکتا تو چشم ما روشن دل ماشاد مگر اس صورت میں عبارت اوثق العری پر بھی کسی قسم کا مواخذہ نہ ہوسکے گا اور طعن معترض خود بخود ایسا لغو اور فضول سمجھا جائے گا کہ کسی قسم کی جواب دہی کی حاجت نہ ہوگی اور بجائے اس کے کہ عبارت اوثق العری میں کوئی قصور نکالا جائے معترض کا قصور فہم اظہر من الشّمس ہوگا کیونکہ عبارت اوثق العری کے سباق و سیاق سے قید مذکورہ کا بدیہی التسلیم ہونا ایسا امر بدیہی ہے کہ کم فہم بھی اس میں متامل نہ ہوگا، دیکھ لیجئے قید مذکور کے فہم میں تو ہمارے معترض ابوالمکارم کو بھی کسی قسم کا تامل نہیں ہوا اس سے زیادہ دلیل بداہت اور کیا ہوسکتی ہے صاحبو یہ امر تو اول ہی معلوم ہو گیا تھا کہ معترض علام نے علم وفہم کے خون کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اگر کچھ بھی فہم سے کام لیتے تو یہ بے ہودہ اعتراض اس فخر کے ساتھ ہرگز ہرگز پیش نہ فرماتے لیکن ابھی تک ہم کو اس کا انتظار باقی ہے کہ دیکھیں ہمارے معترض باکمال کچھ انصاف کی بھی رعایت فرماتے ہیں یا انصاف کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرتے ہیں جو علم وفہم کے ساتھ فرما چکے ہیں اگر الانصاف خیر الاوصاف پر

نظر فرما کر عبارت اوثق العری کو اور اپنے شیخ الکل اور اپنے کلام کو ایک نظر سے ملاحظہ فرمائیں تو فہو المراد اور اگر انصاف کو بھی اسی نگاہ سے دیکھا جائے کہ جس خون ریز نگاہ سے علم وفہم کو دیکھ چکے ہیں تو یا قسمت یا نصیب یا بخت خیر، بے چارہ انصاف کی جان پر معترض کی پرزور ہمت سے جو کچھ پیش آئے سو آئے مگر ارشاد اکابر ؎ شعر

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　میلش اندر طعنہ نیکان پاکاں برو

کی تصدیق تو معترض بحاث کے دل نشین ہو جائے گی کہ انشاء اللہ قیامت تک نکالے نہ نکلے گی والغیب عند اللہ اس فضول اور شرمناک تقریر کے بعد معترض علام نہایت فخر کے ساتھ فرماتے ہیں افعال صحابہ کی نسبت آپ کی اور میری دونوں کی تقریریں آپ کے سامنے ہیں دونوں کو موازنہ کرلیں، سو ہم تو معترض صاحب کے ارشاد کی تعمیل کر چکے ہیں اگر ہمارے موازنہ کا اعتبار ہے تو ہم حلفیہ عرض کرتے ہیں کہ آپ تو اس مبحث میں کچھ بھی نہیں سمجھے آپ تو علامہ ابن حجر کے ارشاد کو بھی غالباً بخوبی نہیں سمجھے اور جو عبارات آپ نے نقل فرمائی ہیں ان سے آپ کی مطلب برآری بالکل خیالِ خام ہے اور اوثق العری کی تحقیق سے تو آپ بمراحل دور ہیں چنانچہ یہ جملہ امور تفصیل کے ساتھ اوراق گذشتہ میں عرض کر چکا ہوں معترض کی تقریر کے ملاحظہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے فہم کو اوثق العری کے مطلب تک رسائی ہی نہیں ہوئی ورنہ ایسی باتیں دوراز کار ہرگز تحریر نہ فرماتے اب اہل فہم وانصاف کی خدمت میں عرض ہے کہ عبارت اوثق العری میں اور معترض بحاث کی تقریر میں موازنہ کرنا تو زمین وآسمان میں موازنہ کرنا ہے جو اہل عقل سے بعید نظر آتا ہے البتہ اہل فہم کی شان کے مناسب یہ امر ہے کہ علامہ ابن حجر اور قاضی شوکانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس بارے میں تحریر فرمایا ہے اس میں اور تحقیق اوثق العری میں غور وانصاف کے ساتھ موازنہ کریں اس موازنہ کا انجام یہی ہوگا کہ اہل فہم کو تو انشاء اللہ کم ترک الاول للآخر کا عین الیقین ہو جائے گا کم فہم ناانصاف جو چاہیں سو فرمائیں اور مولانا ابوالمکارم کو اگر شوق موازنہ ہے تو ان کے موازنہ کے لئے ہم حاضر ہیں ہماری تقریر جو مفصلاً معروض ہو چکی ہے اس کا موازنہ ان کی تقریر مابہ الافتخار کے ساتھ کرلیا جائے یہ دعوی کرنا تو فضول ہے کہ یہ ننگ اہل علم تحقیق بیان فرمودۂ اوثق العری کے **کما ھو حقہ** توضیح کر چکا ہے مگر اتنی بات انشاء اللہ ضرور ہے کہ معروضات احقر احق بالقبول ہیں اور علامہ ابوالمکارم کے مجتہدانہ ارشادات دوراز مطلب اور فضول ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ مولوی ابوالمکارم تحقیق اوثق العری کے فہم سے بالکل قاصر رہے اور بجائے اس کے کہ اپنے قصور فہم کے معترف ہوتے الٹا یہ فرمانے کو مستعد ہیں کہ تقریر اوثق العری صاف اور درست نہیں سو اپنا قصور اوروں پر عاید کرنا کونسی انصاف کی بات

ہے وما اصدق ما قیل ؎ شعر

فہم سخن گر نکند مستمع قوۃ طبع از متکلم مجوئے

البتہ یہ امر مسلم ہے کہ تحقیق مذکورہ اوثق العری میں فی الجملہ غموض و دقّت بے شک ہے جس کی وجہ سے معترض موصوف اس کے فہم سے معذور رہے مگر کجا دقت مضمون اور کجا خرابی تقریر مدعی علم ہو کر ان دونوں باتوں میں فرق نہ کرنا کس قدر امر عجیب ہے اہل فہم ملاحظہ فرمالیں کہ عبارت مذکورۂ اوثق العری کس قدر صاف اور واضح ہے مگر صفائی تقریر سے مضمون کی دقت اصلی تھوڑا ہی زائل ہوسکتی ہے جو ہر کوئی کیف ما اتفق اس کو بسہولت سمجھ لے سو جب ہمارے معترض بحاث مطلب ہی نہ سمجھے پھر دونوں تقریروں کی صفائی میں موازنہ کیا کراتے ہیں ان کو چاہیئے کہ اول فہم و عدم فہم کا موازنہ کریں اس کے بعد جو کچھ فرمانا ہو فرمادیں۔

اعتراض ابوالمکارم

اس کے بعد معترض موصوف ایک اور اعتراض عجیب عبارت مذکورہ پر بزور قوت رادّہ پیش فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اوثق العری میں جو تحریر فرمایا ہے بخلاف مسئلہ اقامت جمعہ کے کہ اس میں کوئی دلیل جواز جمعہ کی موجود نہیں تو اس پر معترض خوش فہم فرماتے ہیں کہ اس[1] قول سے متبادر یہ ہے کہ افعال صحابہ کے معتبر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان افعال کے ساتھ نص جواز بھی موجود ہو حالانکہ کلام سابق میں افعال صحابہ کے جواز کی نسبت جو افعال کہ بدون اطلاع و علم حضرت فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ نے اپنی رائے سے کیئے ہوں کل دو شرطیں بیان کی ہیں پھر یہ یعنی نص جواز کا ہونا تیسرے شرط بے موقع کیسے بڑھائی گئی ہے۔ انتہی

جواب

واقعی اعتراض تو ایسا ہے کہ جو فہیم دیکھے گا ضرور کچھ دیر تلک نہایت متعجب رہے گا مگر معترض ممدوح سے ایسے امور کا صادر ہونا چونکہ کوئی نئی بات نہیں اس لئے معترص علام سے ایسے نکات و لطائف کا ظہور کہ جن کی بدولت آج ابوالمکارم ہونا ان کو نصیب ہوا ہے کوئی عجب بات نہیں ؎ شعر

عجیب فی الزمان وما عجیب اتی من آل سیار عجیبا

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۹

مگر ہم کو یہ دشواری ہے کہ حضرت معترض سے تو کوئی توقع نہیں ہوتی اور اہل فہم کو ایسے فضولیات کی جواب دہی کی حاجت نظر نہیں آتی پھر ایسے امور کا جواب دیا جائے تو کس غرض سے دیا جائے لیکن یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ آخر حضرات اہل فہم اور ہمارے معترض صاحب کے مابین بھی تو کوئی درجہ ضرور نکلے گا بلکہ مراتب متعددہ نکلیں تو کچھ عجب نہیں اس لیئے ان کے خیال سے اور نیز اس خیال سے کہ اگر معترض کے اس قسم کے اعتراضات کا جواب نہ دیا جائے تو معلوم نہیں کہ اپنے لیئے کونسی کنیت اور لقب تجویز فرمانے کو آمادہ ہوجائیں گے، جواب دینا محض فضول نہیں معلوم ہوتا، اس لیئے عرض ہے کہ تیسری شرط جو ہمارے علامہ معترض اس عبارت سے سمجھ رہے ہیں یہ محض وہم اور خیال بے اصل ہے اور سب نتیجہ اس امر کا ہے کہ وہ فہم اصل مطلب سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے خبط عشوا کی نوبت آرہی ہے اصل بات یہ ہے کہ عبارت ماسبق میں یہ مضمون ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حضرات اصحاب کرام کے افعال مذکورہ کے معتبر ہونے اور جائز ہونے کے لیئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس میں کوئی نص ممانعت موجود نہ ہو دوسری یہ کہ عامہ صحابہ اس پر تعامل فرمائیں نہ چند صحابہ۔ اب فرماتے ہیں کہ مسئلہ اقامت جمعہ فی جواثا جس میں نزاع ہو رہا ہے وہ اس کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اہل جواثا کے جمعہ ادا فرمانے میں ہر دو شرائط جواز مذکورہ بالا میں سے ایک شرط کا بھی پتہ نہیں کیونکہ اول تو تعامل زمانہ نبوی یعنی عوالی میں جمعہ کا کبھی قائم نہ ہونا جو بالتصریح منصوص ہے اس کی ممانعت پر دال ہے دوسرے اہل جواثا کا یہ فعل چند حضرات کا فعل تھا نہ عامہ اصحاب کا، سو جب ہر دو شروط مذکورہ جواز میں سے ایک کا بھی پتہ نہیں تو پھر قصہ جواثا سے فقط اتنی بات پر کہ اس کے بارے میں کوئی نص ممانعت نہیں وارد ہوئی اقامت جمعہ فی القریٰ پر استدلال فرمانا اور قصہ جواثا کو باب عزل پر قیاس فرمانا ایسے علامہ محقق سے بہت بعید اور ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ اب اہل فہم خود ملاحظہ فرمالیں کہ تمام عبارت اوثق العری کس قدر صحیح اور درست ہے اور تیسری شرط جو ہمارے معترض متبادر بتلا رہے ہیں وہ کہاں ہے معترض فہیم اس جملہ کو دیکھ کر (اس میں کوئی دلیل جواز جمعہ کی موجود نہیں ہے) بمقتضائے ظاہر پرستی یہ سمجھ گئے کہ افعال مذکورہ کے ثبوت جواز کے لیئے علاوہ شرطیں مذکورین کی یہ بھی ضرور ہے کہ کوئی دلیل جواز بھی وہاں موجود ہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ نہ سمجھے کہ دلیل جواز سے وہی دونوں شرطیں تو مراد ہیں جو اوپر مذکور ہو چکیں ہیں پھر اس خوبی وکمال پر لمن الملک کہنے کو موجود ایک کو دو دیکھنا تو مرض قدیم ہے کہ عالم میں چلا آتا ہے مگر دو کو تین دیکھنا آج تلک یہ مرض کسی نے نہ دیکھا ہوگا اور نہ سنا ہوگا اس کے بعد عرض ہے کہ اوثق العری کی عبارت مذکورہ میں جو ارشاد تھا کہ صریح فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اہل عوالی وغیرہ کے تعامل سے اقامت جمعہ فی القریٰ کی ممانعت بالبداہت معلوم

ہوتی ہے اس کی نسبت علامہ ابوالمکارم فرماتے ہیں اس کی بحث اوپر گذر چکی ہے اس سے استدلال صحیح نہیں مگر ان کے اس ارشاد سے بجز اس کے کہ علامہ موصوف کا عجز اور غلط بیانی ظاہر ہو اور کوئی نفع نہیں ہو سکتا دیکھئے اس استدلال مذکورہ اوثق العری کا جواب معترض صاحب بحاث نے اوراق گذشتہ میں دو جگہ دینا چاہا ہے صفحہ بیالیس پر تو صرف اتنا کہا ہے (عوالی[1] میں جمعہ کا نہ ہونا عہد نبوی میں مسلم ہے لیکن یہ دعوی کہ عوالی محل اقامت جمعہ نہ تھی اس پر کیا دلیل ہے) اس کے بعد جو اسی صفحہ کے اخیر میں پھر جواب دینی کی ہمت کی ہے تو یہ فرمایا ہے (کہ یہ ساری باتیں من قبیل بناء فاسد علی الفاسد ہیں کیونکہ یہ استدلال اس پر مبنی ہے کہ جمعہ کی فرضیت قبل الہجرت تسلیم کی جائے اور یہ امر صحیح نہیں اس لئے استدلال بھی صحیح نہیں) لیجئے ہمارے مجیب علام کی بحث و تحقیق جس کا حوالہ دیا گیا تھا ختم ہو چکی اہل انصاف تو انشاء اللہ ان بحثوں کو ملاحظہ فرما کر قابل جواب بھی نہ سمجھیں گے مگر اوراق گذشتہ میں ہم تفصیل کے ساتھ ان امور کا جواب بھی ان کے موقع پر عرض کر چکے ہیں۔

تقریر اوثق العری

اب سنئے اوثق العری میں جواثا کی بحث سے فراغت پا کر اور علامہ ابن حجر نے جو عدم نزول ممانعت سے قصہ جواثا کو استدلال بنایا تھا اس کی تحقیق اور جواب سے فارغ ہو کر **کما مر مفصلا** علی وجہ التسلیم والتنزل یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی علامہ ابن حجر کی رائے کو باوجود عدم صحت تمام امور مذکورہ سے قطع نظر کر کے قبول بھی کر لے تو پھر بھی استدلال مذکور سے اقامت جمعہ فی القریٰ کا صرف جواز نکلتا ہے نہ فرضیت تو اب اس صورت میں مجیب صاحب کو کہ فقط دو آدمی کے قریہ پر بھی جمعہ فرض فرماتے ہیں یہ روایت کیا خاک مفید ہو سکتی ہے۔

اعتراض ابوالمکارم

اس کے جواب میں مولانا ابوالمکارم تحریر فرماتے ہیں۔ (رہا یہ قول کہ[2] واقعہ جواثا سے جواز جمعہ نکلتا ہے نہ وجوب جمعہ سو اس پر کیا دلیل ہے)

جواب

افسوس مولانا محمد علی صاحب کو جو زبردستی ابوالمکارم بن بیٹھے ہیں اب تلک یہ بھی خبر نہیں کہ اس

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص۴

[2] ہدایۃ الوریٰ ص۹

بارے میں مدعی کون ہے اور بیان دلیل کس کے ذمہ واجب ہے ادنی عاقل بھی جانتا ہے کہ اول تو ہمارے
مجیب اس بارے میں مدعی ہیں اور قصہ جواثا سے ثبوت مدعی یعنی وجوب اقامت جمعہ فی القریٰ کو ثابت کر
رہے ہیں اور اوثق العری میں ان کے اس استدلال کے دو جواب مرقوم ہوئے۔ اول یہ کہ ادھر تو جواثا کا
قریہ صغیرہ ہونا غیر مسلم اور ادھر چند اصحاب اہل جواثا کا یہ فعل بوجوہ مذکورہ بالا قابل احتجاج نہیں دوسرے
اگر ان جملہ امور سے قطع نظر کر کے مان بھی لیا جائے تو قصہ مذکورہ سے وجوب نکالنا محض خیال خام ہے
غایت مافی الباب جواز نکلے گا جو مجیب کو مفید نہیں ہوسکتا اب حسب قاعدہ اہل عقل واہل نقل مدعی یعنی مجیب
کو لازم ہے کہ قصہ مذکورہ سے اقامت جمعہ فی القریٰ کا وجوب ثابت کر کے دکھلائیں دوسرے اگر ہم ان
کے مدعی ہونے سے قطع نظر کر کے بترعاً ان سے طلب استدلال نہ کریں بلکہ خود اپنا استدلال ان کے
طلب بے جا کے موافق بیان کرنا چاہیں تو ہمارا استدلال ایسا ظاہر ہے کہ اس کا منکر علامۂ ابوالمکارم کے سوا
انشاء اللہ کوئی نہ نکلے گا، ظاہر ہے کہ چند اصحاب کے فعل سے وجوب کیونکر نکل سکتا ہے اگر ہمارے مجیب کا
سارے جہاں کے خلاف یہ مذہب ہے تو بیان فرمائیں مگر مدلل اور یہ بھی بتلائیں کہ حضرات محدثین کی
اس بارے میں کیا رائے ہے اگر ہمارے مجیب بزور قوت اجتہادیہ وجوب مذکور کے قائل بھی ہو گئے تو انشاء
اللہ نہ کوئی دلیل ملے گی اور نہ کوئی ان کے موافق نکلے گا البتہ اپنی دوانگشت کی زبان سے تنہا بلا دلیل جو
چاہیں کہے جائیں کون نہیں جانتا کہ فعل صحابی کے قابل احتجاج ہونے ہی میں تفصیل وخلاف ہو رہا ہے
کما مر سابقا اس پر فعل صحابی کو مثبت وجوب کہنا انہیں کا کام ہے کہ جن کو کہنے کے لئے سمجھنے کی حاجت
نہ ہو بالجملہ قصہ جواثا سے وجوب سمجھنا بالکل بے دلیل بلکہ مخالف دلیل ہے مجیب کو لازم ہے کہ اس کا
معقول جواب بیان فرمادیں فقط اس فرمانے سے (اس پر کیا دلیل ہے) بجز کم فہمی و بے انصافی و عجز اور
کوئی نفع نہیں اس کے بعد مجیب مذکور نے اوثق العری کے ڈیڑھ صفحہ تک کوئی امر بیان نہیں فرمایا صرف دو
ایک جگہ پر بے ہودہ اور مختصر سا مواخذہ فرمایا ہے جس کا ذکر اس کے موقع پر آجائے گا اور یہ فرمادیا کہ ان
کے جواب کی ہم کو ضرورت نہیں کیونکہ بعض تقریریں اوپر گذر چکیں اور بعض کا جواب بجواب رسالۂ شوق
مفصلاً مشرحاً ہو چکا ہے البتہ علامہ بنارسی نے ان امور میں بحث کی ہے اس لئے عرض ہے کہ اب ہم بھی
مولانا محمد سعید کے ارشادات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو انہوں نے اس موقع پر بیان فرمائے ہیں اور اس
کے ضمن میں مولانا ابوالمکارم کے مطالب بھی آجائیں گے وباللہ التوفیق۔

تقریر اوثق العری

سو سنئیے کہ اوثق العری میں عوالی اور جواثا کی بحث سے فراغت پا کر جب یہ امر بحمد للہ محقق ہو گیا کہ آپ کے زمانہ میں قریٰ میں جمعہ کبھی قائم نہیں ہوا اور قصہ جواثا سے جو اقامت جمعہ فی القریٰ ثابت کی جاتی ہے اس کے جواب بھی شافی ہو چکے اور علامہ ابن حجر اور قاضی صاحب نے جو اس بارے میں ارشاد فرمایا تھا اس کا جواب بھی بالتفصیل والتحقیق قابل قبول اہل فہم واضح ہو چکا تو اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا تھا کہ روایات مرفوعہ سے تو مذہب احناف خوب ثابت ہو گیا اب ہمارے مجیب محدثین زمانہ حال وغیرہ جو آثار حضرت عمر اور حضرت عثمان وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف دوڑتے ہیں اور ان سے ثبوت مدعی یعنی اقامت جمعہ فی القریٰ کے طالب ہیں تو یہ ان کو مفید نہیں کیونکہ آثار مذکورہ میں ان حضرات کے مدعی کی بڑی حجت اور قوی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد **جمعوا**[1] **حیث ما کنتم** ہے مگر حنفیہ کی طرف سے اس تعمیم کا جواب بھی ہے کہ اس عموم سے مراد عموم مُدُن ہے نہ عموم جمیع امکنہ، قریٰ ہوں یا مدن اور اس عموم سے خاص عموم مدن ہونے کے لئے چند دلیلیں اوثق العری میں بیان فرمائیں تھیں جن کی نسبت مولانا ابوالمکارم معترض بحاث نے تو کچھ لب کشائی ہی نہیں فرمائی بلکہ ادھر ادھر کے حوالہ فرما کر چلتے ہوئے۔

جواب از مجیب بنارسی

البتہ مجیب بنارسی نے دلائل مذکورہ اوثق العری پر دو ورق لکھ ہی ڈالے تفصیل مطلوب ہے تو سنئیے اوثق العری میں تعمیم مذکور کی مخصوص بالمدن ہونے کے ثبوت میں اول امر تو یہ بیان کیا تھا کہ اگر اس عموم کو مختص بالمدن نہ کہا جائے بلکہ حسب رائے مجیب عموم امکنہ مراد لیا جائے تاکہ مدن اور قریٰ دونوں کو شامل رہے تو اس صورت میں صحاریٰ و بحار بھی اس عموم میں ضرور داخل ہوں گے حالانکہ صحاریٰ و بحار میں اقامت جمعہ کا کوئی بھی قائل نہیں تو اب جس طرح صحاریٰ و بحار کی تخصیص ہمارے مجیب کریں گے اسی طرح ہم بھی قریٰ صغیرہ کو عموم **حیث ما کنتم** سے مخصوص کریں گے **اعنی بالنص المرفوع** اب اس کے جواب میں فاضل بنارسی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ کل دو امر ہیں اول تو یہ کہ حضرت[2] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے **معناه فی ای قریة کنتم لان مقامهم بالبحرین انما کان**

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۰۱-۱۰۲، باب من کان یری الجمعة فی القری وغیرها (بیروت)

[2] کسر العریٰ ص ۱۶

فی القریٰ یعنی قیام ابو ہریرہ وغیرہ جنہوں نے حضرت عمر سے سوال کیا تھا گاؤں میں تھا تو قرینہ سوال سے معلوم ہوا کہ حیث ما کا عموم صحاریٰ وبحار کو شامل ہی نہیں جس کے نکالنے کی ضرورت ہو۔ انتہی

جواب

مگر اس کا جواب اول تو یہی ہے کہ تمام جہاں کے نزدیک عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ خصوص موارد کا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس تخصیص بلا دلیل کو اگر ہم تسلیم بھی کرلیں تو احکام بیان فرمودۂ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کہ جن کے بیان فرمانے کی نوبت سفر یا حضر میں یا دوسری کسی حالت خاصہ میں آپ کو آئی ہے کیا ان احکامات کو بھی حالات مذکورۂ کے ساتھ قرینہ مذکورہ کی وجہ سے مخصوص مان لینگے اور جس قدر احکام آپ نے بحالت قیام مدینہ منورہ اہل مدینہ کو ارشاد فرمائے ہیں ان کو حالت حضر کے ساتھ یا شہروں کے ساتھ مختص کہا جائے گا اگر یہی تخصیصات ہیں تو اس کے مقابلہ میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ عموم حیث ما کنتم مدن کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ بوقت تحریر اس ارشاد کے حضرت عمرؓ کا قیام مدینہ طیبہ میں تھا، تیسرا جواب یہ ہے کہ جب عموم صریح کے جو کہ ارشاد حیث ما کنتم سے مستفاد ہے فقط اس وجہ سے کہ سائلین قریٰ میں موجود تھے اہل قریٰ کے ساتھ تخصیص کی جاتی ہے تو تعامل زمانۂ نبوی اور زمانۂ خلفاء راشدین اور ارشاد حضرت علیؓ وغیرہ سے اگر عموم مذکور کی تخصیص مدن کے ساتھ ہم بھی کرلیں بلکہ فاضل بنارسی کے ارشاد کے موافق یوں کہیں کہ قرینہ تعامل مذکور وارشادات حدیث واقوال صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حیث[1] ما کنتم کا عموم قریٰ کو سرے سے شامل ہی نہیں جس کے نکالنے کی ضرورت ہو تو اہل انصاف فرمائیں کہ کیا بے جا ہے بلکہ ہر طرح احق بالقبول ہے کیا تعامل وارشادات مذکورہ کا اتنا بھی اعتبار نہیں جس قدر سائلین کے قریٰ میں موجود ہونے کا اعتبار کیا گیا تھا علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں معناہ[2] جمعوا حیث ما کنتم من الامصار الاتری انها لا تجوز فی البراری جس کا مطلب بعینہ وہ ہی ہے جو اوثق العری میں مذکور ہے اور ہم اس کی تشریح کر چکے ہیں علامہ بنارسی کے اس جواب سے تو فراغت ہوئی مگر قابل عرض یہ امر ہے کہ ہمارے مجیب علامہ ابوالمکارم نے بجواب مولانا ظہیر احسن اس عبارت عینی پر کچھ مواخذات فرمائے ہیں مگر بالکل فضول خیر ہم کو ان سے تو کسی قسم کا تعرض کرنے کی حاجت نہیں۔

---

[1] کسر العریٰ ص ۱۶

[2] عمدۃ القاری عینی جلد ۶، ص ۱۸۸، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن، مکتبہ رشیدیہ پاکستان۔

اعتراض ابوالمکارم

البتہ مجیب ابوالمکارم ایک بات پر مکرر زور آزمائی فرما رہے ہیں وہ یہ ہے کہ (امصار میں تو اقامت جمعہ ایسا متفق علیہ امر ہے جس میں اختلاف ممکن ہی نہیں اس لئے حضرت ابوہریرہ امصار کی نسبت تو کیا حضرت عمر سے سوال کرتے ہو نہ ہو اقامت جمعہ فی القریٰ سے سوال کیا ہوگا جس کے جواب میں حضرت عمر نے جمعوا حیث ما کنتم ارشاد فرمایا، سو اس صورت میں عموم مذکور کو مختص بالامصار فرمانا ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ کما ہو ظاہر۔

جواب

مگر مجیب کی اس تقریر کا خلاصہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اپنے قصور نظر کی وجہ سے دوسرا احتمال تو ان کو نظر نہیں آتا اس لئے انہوں نے محض اپنے خیال سے اسی احتمال کو پختہ کرلیا کہ حضرت ابوہریرہ نے ضرور اقامت جمعہ فی القریٰ کا سوال کیا ہوگا اس کے جواب میں حضرت عمر نے جمعوا حیث ما کنتم فرما کر جملہ قریٰ کی تعمیم فرمادی لیکن اہل فہم سے پوچھئے کہ ان کو اور احتمال بھی نظر آتے ہیں ممکن ہے کہ حضرت ابوہریرہ کو یہ خلجان ہوا ہو کہ منجملہ قریٰ کس قریہ میں اقامت جمعہ کی جائے اور کس قریہ میں اقامت مذکور ناجائز ہے اس پر حضرت عمرؓ نے فرمادیا جمعوا حیث ما کنتم اور حضرت ابوہریرہ چونکہ بحرین میں والی اور عامل تھے اس لئے خطاب کنتم ولاۃ اور قضاۃ کی طرف تھا یعنی جس قریہ میں والی و قاضی ہوں وہاں اقامت جمعہ کرنی چاہئے اور قریٰ صغیرہ کہ جہاں قاضی وغیرہ کوئی نہ ہو وہاں اقامت نہ چاہئے یا یہ کہا جائے کہ حضرت ابوہریرہ نے اقامت جمعہ فی الامصار ہی کی نسبت سوال کیا تھا نہ قریٰ کی مگر یہ مطلب نہیں کہ اقامت جمعہ فی الامصار کے جواز و عدم جواز کو دریافت کیا تھا جس پر مجیب ابوالمکارم کو یہ کہنے کی نوبت آئی کہ یہ تو متفق علیہ بات ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے بلکہ اقامت جمعہ فی الامصار کے بارے میں خلیفۃ المؤمنین سے اذن اور اجازت طلب کی تھی کیونکہ ہمارے نزدیک اقامت جمعہ کے لئے جیسے مصر شرط ہے ویسے ہی اذن امیر بھی ضرور ہے اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے علی العموم اقامت جمعہ فی الامصار کا اذن فرمادیا یہ بات جدی رہی کہ یہ تفسیر ہمارے مجیب کے مذہب کے بالکل مخالف ہو سو ہماری بلا سے بلکہ چشم ما روشن دل ماشاد کہ اس صورت میں مجیب ابوالمکارم کا اعتراض بھی خاک میں مل گیا اور حنفیہ کی ایک دوسری شرط کی تائید بھی ہوگئی والحمدللہ، بالجملہ علامہ عینی کا ارشاد اور اوثق العری کی تقریر دونوں احق بالقبول

ہیں یعنی تعمیم بیان فرمودہ حضرت عمرؓ حنفیہ کے مخالف نہیں کیونکہ تعمیم مذکور مخصوص بالامصار ہے اور جو صاحب اس تعمیم کے منکر ہوں اور ظاہر الفاظ پر جمنا چاہیں ان کو لازم ہے کہ صحاریٰ و بحار جن کی تخصیص متفق علیہ ہے اول ان کی تخصیص کی دلیل بیان فرمائیں انشاء اللہ ہم بھی اسی دلیل بلکہ اس سے ارجح اور اقوی دلیل سے تخصیص قریٰ کی صورت عرض کر دیں گے مگر ہر دو مجیب کی تقریروں سے خوب واضح ہوتا ہے کہ وہ اثبات تخصیص صحاریٰ و بحار سے بالکل معذور ہیں اور کوئی دلیل اس بارے میں بیان نہیں کر سکتے بالآخر فاضل بنارسی نے تو ہمت کر کے یہ کہا کہ صاف اقرار کر لیا کہ صحاریٰ و بحار بھی مخصوص نہیں بلکہ جمعہ صحاریٰ و بحار وغیرہ ہر جگہ پر ادا ہو سکتا ہے اور اس پر نہایت مسرت وفخر کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں (اب[1] آپ کا اعتراض کفر و ہو گیا وباللہ التوفیق) باقی رہے علامہ اعظم گڈھی سو انہوں نے اوثق العری کے جواب میں تو اس بارے میں کوئی لب کشائی نہیں کی البتہ مولانا ظہیر احسن صاحب کے جواب میں کچھ دبے دبے کہنا چاہا مگر غالباً کچھ خیال کر کے رک گئے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ دل میں ان کی بھی وہی سما رہا ہے جو فاضل بنارسی کی زبان پر آ گیا۔

الحاصل یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان حضرات کے نزدیک اقامت جمعہ ہر جگہ جائز بلکہ واجب ہے حتی کہ نہ قریہ کی ضرورت اور نہ آبادی کی حاجت چلو قصہ ہی انفصال ہوا واقعی آدمی جرأت کرے تو پھر پوری ہی طور سے کرے اس جرأت سے ہمارے مجیب صاحبوں کو سر دست اتنا نفع ہو گیا کہ اوثق العری میں جو عموم حیث ما کنتم سے صحاریٰ و بحار کی تخصیص کی وجہ پوچھی گئی تھی اس کے بیان میں ظاہر ہے کہ ان حضرات کو فقط دشواری ہی نہیں تھی بلکہ احادیث مرفوعہ سے مایوس ہو کر جو ایک دلیل اپنے مدعی کے موافق ملی تھی وہی ہاتھ سے نکلی جاتی تھی اب اس صورت میں بحمداللہ وہ دلیل قائم رہی اس لئے جنگل و پہاڑ وغیرہ سب مواقع میں اقامت جمعہ کے قائل ہو گئے اور تخصیص کا نشان بھی باقی نہ رکھا مگر اوثق العری میں اس موقع پر دو جملہ دو ضرورت سے بیان فرمائے ہیں جن کا جواب شافی دینا ہمارے ہر دو مجیب کے ذمہ لازم تھا تعجب ہے کہ مجیب صاحبوں نے ان سے بالکل اعراض فرما کو جو چاہا سو فرما دیا۔ اوثق العری میں بدین خیال کہ شاید کوئی بے قید دریا پہاڑ جنگل میں بھی اقامت جمعہ کا قائل ہو کر اس تخصیص سے جان بچانے کو مستعد ہو جائے یہ فرمایا تھا (کہ ان مواقع میں کسی کے نزدیک بھی جمعہ ادا نہیں ہوتا) سو مجیب صاحبوں کے ذمہ ضرور تھا کہ وہ یا تو اس عدم صحت جمعہ کے مجمع علیہ ہونے کے منکر ہوتے اور اکابر سلف میں سے دو چار کے تو نام بتلاتے کہ ان کا بھی یہی مذہب ہے کہ جنگل پہاڑ وغیرہ میں اقامت جمعہ درست ہے یا یہ فرماتے

[1] کسر العریٰ ص ۱۶

کہ یہ اجماع فلاں وجہ سے ہم پر حجت نہیں، افسوس کہ صریح عبارت کو جو خاص اسی وجہ سے لکھی گئی تھی اس کی طرف اصلا توجہ نہ کی بلکہ اس سے قطع نظر فرما کر ایک صاحب نے دب کر اور دوسرے صاحب نے صاف طور پر فرما دیا کہ ان مواقع میں اہل حدیث کے یہاں جمعہ جائز ہے اور اس کا اصلا خیال نہ کیا کہ تمام کتب معتبرہ میں ان مواقع میں جمعہ نہ ہونے کو متفق علیہ تحریر فرمایا جاتا ہے بہر حال مجیب صاحبوں کے ذمہ واجب ہے کہ دونوں شق مذکورہ بالا میں سے ایک کو اختیار فرما کر دلیل قابل قبول سے اس کو ثابت کریں۔

اٹکل کے تیر نہ ہوں بالجملہ جملہ سابقہ اوثق العری میں بغرض ممانعت کے عدم تخصیص صحاری و بحار ذکر کیا تھا جس کا کوئی جواب ان صاحبوں نے نہ دیا اور دوسرا جملہ اخیر میں اپنی تخصیص کے اثبات کے لئے تحریر فرمایا تھا جس سے عموم **حیث ما کنتم** وغیرہ سے قریٰ کا مخصوص ہونا اہل فہم کو معلوم ہو جائے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح صحرا اور دریا وغیرہ کی عموم مذکور سے تخصیص کی جاتی ہے اسی طرح ہم قریٰ صغیرہ کی تخصیص کریں گے **اعنی بالنص المرفوع** یعنی عموم مذکور سے قریٰ صغیرہ کی تخصیص کے بارے میں ہمارے پاس نص مرفوع موجود ہے اور نص مرفوع کے ذریعہ سے تخصیص کرنے کو کون منع کر سکتا ہے اور نص مرفوع سے مراد فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ علی الاستمرار والدوام جمعہ تمام عوالی میں آپ کے زمانہ میں متروک رہا ایک دفعہ بھی کسی موقع پر اقامت کی نوبت نہ آئی اور حضرت عمر بھی خود اس قصہ کو ہمیشہ مشاہدہ فرماتے رہے اور اسی پر ان کا عمل درآمد رہا کہ کبھی ان کے زمانہ میں عوالی میں جمعہ نہیں ہوا تعجب ہے کہ پھر بھی ہمارے مجیب لبیب ان کے کلام کو ان کی معمول دائمی کے خلاف پر کیسے حمل کر رہے ہیں۔

ہمارے مجیب صاحبوں کے ذمہ فرض تھا کہ ایسی قوی حجت تخصیص کا کچھ تو جواب دیتے مگر فاضل بنارسی نے تو ایسا سکوت محض فرمایا کہ خبرے نباشد اور مجیب ثانی نے بجائے جواب یہ تحریر فرمایا۔

اعتراض ابوالمکارم

قولہ (آپ[۱] کے اعنی بالنص المرفوع پر ہم کو بے ساختہ ہنسی آتی ہے اس وجہ سے کہ آپ نے نہ معلوم کتنی جگہ پر اس واقعہ سے استدلال فرمایا ہے حالانکہ واقعہ قبا سے ذرا بھی آپ کا فائدہ نہیں)

جواب

اقول ہم سخت متعجب ہیں کہ مجیب فہیم کیسے امر بدیہی کا کس شد و مد سے انکار فرماتے ہیں اور اصلا نہیں

---

[۱] ہدایۃ الوریٰ ص۹

شرماتے یہ بات مکرر معروض ہوچکی ہے کہ جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ نے بحالت قیام قبا باوجودیکہ مکرر جمعے آپ کو وہاں پیش آئے اقامت جمعہ نہ فرمائی اور نہ اہل قبا کو امر فرمایا علی ہذا تمام عوالی مدینہ میں آپ کے اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں کبھی اقامت جمعہ کی نوبت نہ آئی پھر ایسے نص قوی کا انکار کرنا بلا وجہ وجیہہ ہمارے مجیب کا ہی کام ہے مجیب کو لازم ہے کہ اس دلیل صریح قوی کا جواب شافی دین ہنسی سے کیا کام نکلتا ہے یہ ہنسنا تو حقیقت میں رونا ہے بقول شخصے (رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے) واقعہ قبا وعوالی کا استدلال ایسا نہیں کہ ہمارے مجیب اپنے دل میں اس کی حقیقت وحقیت نہ سمجھتے ہوں بغرض مصالح ضروری زبان سے جو چاہیں فرمائیں اور اس کے تکرار اور اعادہ سے ہمارے مجیب جہاں تک چاہیں تکدر ظاہر فرمائیں ہم کو تو یہ اندیشہ ہے کہ واقعہ قبا وعوالی کہیں ہمارے مجیب کی چڑھ نہ ہوجائے اور ہنسی سے ترقی فرما کر سب وشتم اور کلوخ اندازی تلک نوبت نہ آجائے **وما هو من المتعصبين الجاهلين ببعيد،** اس بحث سے فراغت پاکر بغرض مزید توضیح مکرر عرض کئے دیتے ہیں کہ صحرا و بحار میں اقامت جمعہ بالاتفاق ممنوع وناجائز ہے چنانچہ کتب معتبرہ میں برابر یہ امر منقول ہے اور اوثق العری میں صاف اس مضمون کو ذکر فرمادیا تھا ہمارے ہر دو مجیب بلا بیان دلیل اس امر متفق علیہ کو اڑانا چاہتے ہیں ہر چند یہ امر ایسا نہیں کہ کوئی منصف فہیم اس کے انکار کا قصد کرے مگر تبرعاً ہم چند حوالے نقل کئے دیتے ہیں جس سے ناظر فہیم کو اطمینان کلی ہوجائے اول تو دیکھئے علامہ عینی ہی **الا انها لا تجوز فی البراری** عبارت میں مرقومۂ بالا میں تحریر فرما رہے ہیں جس کے جواب سے ہر دو مجیب نے اغماض فرمایا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ **مسوّی مصفی حجة اللّٰه البالغه** میں برابر اسی کی تصریح فرما رہے ہیں حجت اللہ میں فرماتے ہیں **وقد[1] تلقّت الامة تلقّيا معنويا من غير تلقی لفظ انه يشترط فی الجمعة والجماعة ونوع من التمدّن وكان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم وخلفاؤه رضی اللّٰه عنهم والائمة المجتهدون رحمهم اللّٰه تعالیٰ يجمعون فی البلدان ولا يواخذون اهل البدوبل ولا يقام فی عهد هم فی البدو ففهموا من ذلك قرنا بعد قرن و عصر بعد عصرانه يشترط لها الجماعة والتمدن اقول وذلك لانه لما كان حقيقة الجمعة اشاعة الدين فی البلدو جب ان ينظر الی تمدن وجماعة** الی آخر کلامہ الشریف حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ ایضاح میں فرماتے ہیں[2] از انجملہ است تعیین امکنہ یا بطریق لزوم مثل تعیین

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، الجمعہ ص۳۰ (مکتبہ اشرفی دیوبند)
[2] ایضاح الحق الصریح، ص۱۹ (افضل المطابع شیخ الٰہی بخش)

مکان طاہر غیر مقابر وحمامات برائے نماز وامصار برائے جمعہ واعیادو مساجد برائے اعتکاف ومواقیت احرام وحرم وکعبہ وعرفات ومنیٰ ومزدلفہ وصفا ومروہ برائے حج وعمرہ وغیر مساجد برائے معاملات الی آخر مقالۃ الشریفۃ حضرت شاہ صاحب مصفی میں ارشاد فرماتے ہیں[1] واما قریہا یا شہر پس شرط جمعہ است بجہتہ انکہ درزمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بدو جمعہ نمی بود و با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کثیر از اہل مکہ در عرفہ بودن ایشاں لاجمعہ نفرمودند وسفر اگر عدم تحتم در حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واہل مدینہ می تواند شد در حق اہل مکہ علت نمی تواند شد الا بودن ایشان در صحرا واثر حضرت عثمان کہ اذن داد اہل بادیہ را برجوع پیش از وقت جمعہ وعمل مستمر مسلمین کہ در بدو جمعہ نیست ونہ در بریّہ ونہ در اہل خیام وفارق میاں اہل خیام وقریہ وجود ابنیہ است ودر عوالی وقریہ قلت متوطنان۔ طبرانی میں ابو ہریرہ سے روایت ہے[2] **خمسۃ لا جمعۃ علیہم المرأۃ والمسافروا العبد والصبی واھل البادیۃ** جس کی نسبت حجۃ اللہ میں مذکور ہے[3] **لماروی من طرق شتی یقوی بعضھا بعضاً خمسۃٌ لا جمعہ علیھم وعد منھم اھل البادیۃ** اور بیہقی اور امام رافعی وغیرہ بھی اپنی مصنفات میں اس مضمون کی تصریح فرمارہے ہیں سو ہمارے مجیبین کو لازم ہے کہ اول تو اپنے وہ استدلالات کہ جن سے ثبوت جمعہ فی البراری والبحار ثابت ہو پیش فرمائیں دوسرے تعامل زمانہ نبوی وحدیث قوی اور عمل مستمر مسلمین جن سے عوالی وقریٰ میں عدم اقامت جمعہ ثابت ہوتی ہے اس کا جواب معقول بیان فرمائیں مخالفت اجماع صحابہ وتابعین وغیرہ کی وجہ وجیہہ ارشاد ہو، باقی رہی تلقی روحانی جس کو شاہ صاحب شدومد کے ساتھ معتمد علیہ بنارہے ہیں ان صاحبوں کو اس کی تکلیف دہی غالباً تکلیف مالایطاق ہو اس لئے اس بارے میں ہم بھی مسامحت پسند کرتے ہیں امور سابقہ کے جوابات معقول قابل قبول ہی تحریر فرمائیں تو بہت غنیمت ہے مگر یہ یاد رہے کہ بے تکے خیالات نہ ہوں بلکہ ایسے جوابات ہوں جو ہمارے استدلالات منقولہ کے مقابلہ میں اہل علم کے نزدیک لائق سماعت ہو سکیں اور کچھ بھی نہ ہو سکے تو بحوالہ نقول صحیحہ صریحہ اتنا ہی ثابت فرمادیں کہ اکابر سلف میں کون کون حضرات اس کے قائل ہیں کہ صحاریٰ وجبال وبحار میں اقامت جمعہ درست ہے اور یہ بھی ارشاد ہو کہ جمعہ کے لئے جماعت کا فرض ہونا جو آپ کے نزدیک بھی مسلم ہے اس کی دلیل اگر حدیث طارق ابن شہاب ہی ہے یعنی **الجمعۃ[4] حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ** سوا گر اس حدیث کے اور معنی سے قطع نظر کر کے

---

[1] مصفی باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر۔ ص ۱۵۲
[2] التلخیص الحبیر ص ۱۳۷ (دہلی)
[3] حجۃ اللہ بالغہ، جلد دوم الجمعہ ص ۳۰ (مکتبہ اشرفی دیوبند)
[4] سنن بیہقی ۳/۱۷۲۔ ابوداؤد، ۱/۱۵۳، باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ (رشیدیہ دہلی)

بپاس خاطر مجیب ہم وہی معنی معین کرلیں جوان حضرات کی مراد ہے تو پھر بھی حدیث منقول سے ثبوت مدعائے مجیب معلوم کیونکہ اس سے تو وجوب جمعہ کا جماعت پر موقوف ہونا ثابت ہوا یہ بات کہ تحقق جماعت نفس جمعہ اورصحت جمعہ کے لئے فرض اور شرط ہے حدیث مذکور سے معلوم نہیں ہوتا **کما لا یخفی علی الفھیم**، اوراگر کوئی دوسری حجت شرعی ایسی ہے کہ جس سے جماعت کا صلوٰۃ جمعہ کے لئے شرط اور ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس سے مطلع فرمایا جائے علی ہذا القیاس یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے مجیبین کے نزدیک صلوۃ جمعہ کے لئے وقت ظہر بھی ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری نہیں تو کیا وجہ اور ضروری ہے تو اس کی دلیل مگر دلیل ایسی ہو جو دربارۂ ثبوت فرضیت عند العلماء بالخصوص ہمارے مجیبین کی مسلک کے موافق مسموع ہو سکے اگر ہمارے مجیب فہم وانصاف کے ساتھ ہمارے معروضات کا جواب باصواب عنایت فرمائیں گے تو اس وقت انشاء اللہ ہم بھی صحرا و بحار میں جمعہ نہ ہونے کی دلیل زیادہ تفصیل کے ساتھ ان کے مسلمات کے موافق عرض کردیں گے بلکہ کیا عجب ہے جو ہمارے مجیب ہی خود بخود اس بے قیدی اور مطلق العنانی سے جو انہوں نے دربارۂ صلوٰۃ جمعہ اختیار کر رکھی ہے کنارہ کش ہو جائیں مگر بڑی خرابی یہ ہے کہ ہمارے حضرات اپنی ظاہر بینی کی بدولت اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ جمعہ اور دیگر صلوات میں دربارۂ شروط و قیود مساوات ہے چنانچہ قاضی شوکانی اور نواب صاحب قنوجی وہی **کسائر[1] الصلوات لا تخالفھا** اپنی مولفات میں تحریر فرماتے ہیں اور اسی بھروسہ پر تمام علمائے امت سلف و خلف پر کلمات عتاب آمیز اور الفاظ تعجب خیز اس قدر طعن و تشنیع کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ اہل علم کی شان تو درکنار کوئی منصف فہیم بھی علماء امت کی شان میں ایسے امور کا روادار نہیں ہوسکتا روافض کے تبرا گوئی کا پورا خاکہ اتار دیا ہے حالانکہ محققین امت کے ارشادات ان صاحبوں کے بالکل خلاف ہیں مصفی میں تحریر فرمایا ہے[2] صلوۃ جمعہ لفظی است کہ پیش از شریعت برائے چیزے موضوع نبود واز استعمالات صاحب شرع و اصحاب واتباع او فہمیدہ شد کہ آن نماز یست خاص کیفیت مخصوص پس چارہ نیست از ملاحظہ آن خصوصیات کہ درافراد جمعہ یافتہ شدہ و معرفت صفات نفسیہ اوالی آخر کلامہ۔

اگر ہمارے مجیب انصاف کرتے تو خود حضرت ابوہریرہ کے سوال مذکورۂ بالا سے جو مجیب نے بیان کیا ہے بالبداہتہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ بھی اقامت جمعہ کے لئے اس تعمیم کے ہرگز قائل نہ تھے جو مجیب صاحبوں کے نزدیک مسلم ہورہی ہے ورنہ اس سوال کی ضرورت ہی کیا تھی اور اگر اس پر بھی

۱؎ نیل الاوطار ۳/ ۱۰۸، باب انعقاد الجمعۃ باربعین واقامتہا فی القریٰ (مکتبہ خیریہ مصر)

۲؎ مصفی ص ۱۵۱، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر (مکتبہ فاروقی دہلی)

ہمارے مجیب تعامل زمانہ نبوی وزمان اصحاب کو پس پشت ڈال کراور تمام امت مرحومہ کے مذاہب کو خاک میں رلا کراپنی اسی بے قیدی اور مطلق العنانی بلادلیل کوحق فرمائیں تو پھراگر کوئی ان کولا مذہب کہے تو بے جا کیا ہے پھر تماشا ہے کہ اس خوبی پر ہمارے مجیب بنارسی نہایت مسرت سے فرماتے ہیں (اب تو آپ کا اعتراض ففرو ہو گیا وباللہ التوفیق) خدا کرے ہمارے مجیب باکمال پرسے ہمارے تمام اعتراضات اسی طرح ففرو ہو جایا کریں اور اجماع امت مرحومہ کے مقابلہ میں ایسی ہی توفیق ان کومن اللہ ہوتی رہے افسوس وہ نہیں سمجھتے کہ جوخرابی ان پر لازم آئی تھی انہوں نے اس سے بچنے کے لئے اس سے بدرجہا زائد خرابی اپنے سرلے لی پہلے تو ان کے ذمہ یہی مواخذہ تھا کہ عموم حیث ما کنتم سے صحاریٰ وبحار کوجس طرح مخصوص کروگے جو متفق علیہ ہے ہم بھی اسی طرح عموم مذکور سے قریٰ صغیرہ کومخصوص کرلیں گےانہوں نے اس سے بریٔ الذمہ ہونے کے لئے تمام اکابر سلف وخلف کا خلاف اپنے ذمہ لے لیاواقعی دیکھئے تو چھوٹے سے گڑھے سے بچ کرایک گہرے کنوئیں میں جا پڑے پھراس پر وباللہ التوفیق فرماتے ہیں اس سے زیادہ عجیب امراور کیا ہوگا۔خیرعموم حیث ما کنتم جس کوہمارے مجیب اپنا مستدل بناتے تھےاس کا ایک جواب جواولاً اوثق العری میں دیا گیا تھااوراس پر مجیب صاحبوں نے جواعذار باردہ تحریر فرمائے تھے ان کی کیفیت توبالتفصیل ہدیہ ناظرین ہوچکی ہےاس کے بعد جواب دویم جواوثق العری میں عموم مذکور کی نسبت بیان ہواہےاوراس پر مجیب کی طرف سے جواب الجواب دیا گیا ہےاب اسکی تفصیل عرض کرتا ہوں۔

تقریراوثق العریٰ

سنئے خلاصہ جواب دویم یہ ہے کہ اگرارشاد حضرت عمر حیث ما کنتم کومخصوص بالامصار والقریٰ الکبیرہ نہ لیا جائے گا جیسا کہ جواب اول میں مذکور ہوا تو حضرت عمر کا یہ ارشاد تعامل دہ سالہ زمانۂ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مخالف ہوگا جس تعامل کا مشاہدہ حضرت عمر نے بخوبی کیا تھا بلکہ جب اس امر کو دیکھا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کے زمانہ میں بھی عوالی ومنازل میں کبھی جمعہ نہیں ہوا تو ارشاد حضرت عمرؓ تعامل زمانہ صدیق اکبراور خوداپنے تعامل کی صریح مخالف ہوگا جس کا خیال حضرت عمر کی نسبت کرنا غایت درجہ کی جہالت اور سخافت ہے۔اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ارشاد مذکور حضرت عمر کو ایسے محمل پرحمل کرنا چاہیئے جوحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبراور خود حضرت عمر کے تعامل کے مخالف نہ ہو بلکہ سراسر موافق ہو جائے یعنی ارشاد حضرت عمر کے عموم سے قریٰ صغیرہ کو خارج رکھنا چاہیئے وہوالمطلوب،سواس کی جواب میں علامہ ابوالمکارم نے تو کچھ تحریر نہیں فرمایا۔

جواب مجیب بنارسی

البتہ فاضل بنارسی تحریر فرماتے ہیں قولہ بے شک[1] حضرت عمر نے دس سال تک فعل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی تاکید ہر مسلمان کو کی اور تارک جمعہ کے حق میں سخت وعید فرمائی اس لئے حضرت عمر نے یہ حکم فرمایا، حضرت عمر بڑے متبع سنت تھے البتہ یہ حکم آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اثر کے بارے میں کہہ سکتے ہیں انتھی بلفظہ.

جواب

اقول سبحان اللہ کیسے صریح وصحیح استدلال کے مقابلہ میں ہمارے مجیب لبیب کیسی بے تکی ہانک رہے ہیں اور نہایت ہی بے باکی سے کیا انہوں نے تمام عالم کو اپنا جیسا ہی سمجھ لیا ہے واقعی حیا بھی عجیب چیز ہے جس کے نہ ہونے پر آدمی خطاب فاصنع ما شئت کا مستحق ہو جاتا ہے اہل فہم وانصاف فرمائیں کہ تعامل زمانہ نبوی اور خلفاء راشدین جو عدم اقامت جمعہ فی القریٰ کے بارے میں نص صریح ہے اور مجیب کے زعم کے بالکل مخالف کیا اس کا یہی جواب ہے جو مجیب بنارسی تحریر فرمارہے ہیں اگر علم ودیانت ایسے خرافات سے ان کو نہیں روکتی تو کیا شرم وحیا بھی مانع نہیں ہوتی مجیب ہی ایمان سے فرمائیں کہ استدلال مذکورہ اوثق العری کا ان کے اس قول سے کیا جواب ہوا بلکہ انصاف سے دیکھئے تو استدلال بیان فرمودہ اوثق العری کی تقویت وتائید ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب اقامت جمعہ کی سخت تاکید اور اس کے تارک کے حق میں وعید شدید آئی ہے تو پھر کیا وجہ کہ قبا وجملہ عوالی ومنازل میں جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفا کے زمانہ میں ایک دفعہ بھی اقامت کی نوبت نہ آئی اور نہ آپ نے کبھی اہل عوالی ومنازل کو حکم اقامت فرمایا نہ خلفاء راشدین نے جس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ عوالی ومنازل یعنی قریٰ محل اقامت جمعہ نہیں ہیں چنانچہ خود اوثق العری میں وضاحت کے ساتھ صفحہ آئندہ پر یہ مضمون موجود ہے اگر مجیب فہم مطلب سے مجبور تھے تو اتنا تو دیکھ لینا تھا کہ اوثق العری میں اس مضمون کو اپنی تائید میں تحریر فرمایا ہی نہیں۔ معلوم کہ مجیب پر کیا حالت طاری ہے کہ حواس ظاہرہ تلک تعطل کی نوبت آگئی ہے اس پر طرہ یہ کہ فرماتے ہیں (البتہ[2] یہ حکم آپ حضرت علی کے اثر کے بارے میں کہہ سکتے ہیں) جس سے صاف ظاہر ہے کہ

---

[1] کسر العریٰ ص ۱۶

[2] کسر العریٰ ص ۱۶

ہمارے مجیب فہم مطلب سے بمراحل بعید ہیں بھلا جو تقریر کہ حضرت عمر کے اثر کی بابت معروض ہو چکی ہے اس کو کون عقل کا دشمن اثر حضرت علی میں جاری کر سکتا ہے اثر حضرت علی تو واقعہ عوالی ومنازل وقبا کے سراسر موافق ہے جس کی موافقت اظہر من الشّمس ہے واقعہ قبا وعوالی سے جیسے عدم اقامت جمعہ فی القریٰ ثابت ہے ویسے ہی اثر حضرت علی سے صاف ظاہر ہے ہاں اثر حضرت عمر کا مطلب جو مجیب سمجھ رہے ہیں وہ واقعہ قبا وعوالی ومنازل کے البتہ صریح مخالف ہے دوسرا جواب جو اوثق العری میں بیان فرمایا تھا اس کی تفصیل وحقیت اور مجیب نے جو اس کا بزعم خود جواب دیا تھا اس کی بے ہودگی اور لغویت بھی ناظرین کو معلوم ہو چکی۔

تقریر اوثق العریٰ

اب تیسرا جواب جو اوثق العری میں اثر مذکور کا بیان کیا ہے اس کی حقیقت عرض کرتا ہوں جواب ثالث کا خلاصہ یہ ہے کہ جوابات سابقہ سے قطع نظر کر کے اگر بفرض محال ہم تسلیم بھی کر لیں کہ عموم حیث ما کنتم میں قریٰ صغیرہ بھی داخل ہیں تو اس صورت میں یہ اثر نص قطعی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کے صریح مخالف ہوگا اور اس کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہ ہوگا، کما لا یخفی. تو اب اثر مذکور کی ہمارے کہنے کے موافق تاویل کیجئے اور فعل نبوی کے موافق بنائیے یا ظاہر عموم پر اڑ کر مخالف فعل ٹھہرائیے ہمارا مدعی بحمد اللہ ہر دو صورت میں حاصل ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ کلام صحابی کو موافق حدیث رسول کریم ٹھہرانا چاہئے اور اگر خلاف متبادر ہو تو تاویل کرنا واجب ہے اور اگر تاویل بھی نہ ہو سکے تو اس کو ترک کر کے حدیث کو معمول بہ قرار دینا چاہئے تو اب قاعدہ مسلمہ کے موافق جتنی روایات مرفوعہ یا موقوفہ بلفظہ عموم وارد ہیں بوجہ ضرورت تطبیق سب کو ماؤل یعنی مخصوص سمجھنا چاہئے اور عموم مذکور سے قریٰ صغیرہ کو خارج رکھنا چاہئے اور جن آثار واحادیث میں قریہ کا لفظ موجود ہے اس سے مدن اور قریٰ کبیرہ حسب لغت قرآن مراد لینا چاہئے تاکہ جملہ روایات وآثار باحسن وجوہ منطبق اور موافق یک دگر ہو جائیں ورنہ درصورت عموم روایات وآثار میں جدا اختلاف ہوگا اور تعامل زمانہ نبوی اور زمانہ خلفا کا جدا خلاف کرنا پڑے گا۔

جواب از مجیب بنارسی

اب اس کے جواب میں فاضل بنارسی تحریر فرماتے ہیں بے شک[1] مراد حضرت عمر کی عموم ہی ہے اور یہ

---

[1] کسر العریٰ ص ۱۷

نص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز خلاف نہیں بلکہ موافق ہے اوپر اس کی تفصیل ہم لکھ چکے ہیں۔

جواب

تعجب ہے کہ کیسے امر واضح احق بالقبول کے مقابلہ میں ہمارے مجیب کیسا نامعقول اور فضول جواب پیش فرماتے ہیں جس کا کوئی جملہ بھی صحیح نہیں دیکھئے اوثق العری میں تو مدلل اور محقق طور سے واضح کر دیا ہے کہ اثر حضرت عمرؓ میں عموم ظاہری ہرگز مراد نہیں ہوسکتا اس کے جواب میں بلا دلیل مجیب صاحب فرماتے ہیں بے شک مراد حضرت عمر کی عموم ہی ہے کوئی پوچھے کہ اس عموم کی دلیل کیا ہے اور استدلال مذکورۂ اوثق العری کا کیا جواب ہے فرمایئے تو سہی بھلا دعوی بلا دلیل کہیں یہی سر سبز ہوتے دیکھا ہے اگر امور عقلیہ کے فہم کا دماغ نہیں تو لو[۲] یعطی الناس بدعواھم لقال من شاء ماشاء او کما قال تو ارشاد رسول ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام علی ہذا القیاس یہ کہنا کہ عموم مذکور نص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے اس کی کیا دلیل ہے ہر عاقل بالبداہت جانتا ہے کہ نص صریح قطعی فعل نبوی جس سے عدم اقامت جمعہ فی القریٰ ثابت ہے اس کا اس عموم کے مخالف ہونا ایسا امر نہیں جو دیوانہ بھی اس کا انکار کر سکے معلوم نہیں مجیب کس نشہ میں ہیں جو ایسے بدیہیات سے بھی بے خبری ہے اور معلوم نہیں نص رسول اللہ سے کونسی نص مراد لے رہے ہیں باقی مجیب کا یہ فرمانا کہ اوپر اس کی تفصیل ہم لکھ چکے ہیں بالکل بے سود ہے مجیب نے اوراق گذشتہ میں بعض مواقع پر اس کے متعلق چند باتیں ناتمام غیر صحیح بے دلیل تحریر فرمائی ہیں جن کا جواب بالتفصیل معروض ہو چکا ہے پھر اس خوبی پر کہ مجیب لبیب نے ایک جواب بھی معقول نہ دیا اور ہرسہ جوابات مذکورہ اوثق العری کے مقابلہ میں آئیں غائیں شائیں ہی سے کام لیا ایک صفحہ کی قدر فضول الزامات میں سیاہ کر ڈالا۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس موقع پر تو آپ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر کسی کی نہیں سنتے لیکن بیس رکعت تراویح اور رفع یدین آمین بالجہر اور عدم نفاذ قضا ظاہراً اور باطنا وغیرہ صدہا مسائل میں جو آپ خلاف فعل وقول نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عمل درآمد کر رہے ہیں وہاں یہ قاعدہ کہاں جاتا رہا، سو مجیب کے مسلک کے موافق تو اس کا یہی جواب کافی ہے۔ کیوں جناب مسئلہ جمعہ فی القریٰ میں تو آپ حضرت عمر کے ظاہر قول پر ایسے جمے کہ تمام آثار اور فعل مستمر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وجہ سے بالکل پس پشت

---

[۲] مسلم ج۲/۷۴، بلفظ: لو یعطی الناس بدعواھم لادّعی ناس دماء رجال واموالھم ، ولکن الیمین علی المدعی علیه (الاقضیه باب الیمین علی المدعی علیه) واما لفظ : "لقال من شاء ما شاء" فلم اجده فی ای من الاصول .

ڈال کر مطمئن ہو بیٹھے حتی کہ فعل و آثار مذکورہ سے بضرورت تطبیق قول حضرت عمر کی تخصیص و تعمیل تلک بھی جائز نہیں سمجھی جاتی اور دربارۂ بیس رکعات تراویح حضرت عمر کے ارشاد کو بدعت سیئہ فرمایا جاتا ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ یا یہ شوراشوری اور یا یہ بے نمکی علی ہذا القیاس امثلہ کثیرہ اس قسم کے موجود ہیں اور عقل سے کام لیجئے تو یہ عرض ہے کہ اوثق العری میں جواب ثالث کے ذیل میں فرمایا تھا (اور مذہب اپنا موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرنا چاہئے کمامر تو ظاہر ہے کہ مطلب کلام یہی تھا کہ کلام صحابی اگر مخالف حدیث ہو اور تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو تو اس کو ترک کرنا چاہئے اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مذہب قرار دینا چاہئے، اس پر ہمارے مجیب نہایت مسرت کے ساتھ ارشاد اوثق العریٰ کی تصدیق فرما رہے ہیں اور جملہ مذکورہ کو آبِ زر سے لکھنے کے قابل تحریر فرماتے ہیں جس سے حسب تسلیم مجیب بھی یہ بات متحقق ہوگئی کہ فعل مستمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اثر حضرت عمر یعنی ارشاد **جمعوا حیث ما کنتم** کی تاویل اور تطبیق ضرور ہے اور اگر اثر مذکور کی تاویل اور تطبیق بھی نہ ہو سکے گی تو بمقابلہ نص فعلی مرفوع اس اثر کو ترک کرنا پڑے گا وہو المطلوب۔

اب الحمد للہ مدعائے اوثق العری مجیب کی تسلیم کے موافق بھی ایسا محقق اور واجب التسلیم ہو گیا کہ کسی کو بھی کسی قسم کے انکار کی گنجائش نہ رہی اور مجیب نے صاف اقرار فرما لیا کہ اثر مذکور درصورت تاویل اور درصورت ترک حنفیہ کو اصلا مضر نہیں البتہ مذہب مجیب کے کسی حال میں حجت نہیں بن سکتا **کما ھو ظاھرٌ** ہمارے مجیب پر فرض تھا کہ کوئی جواب معقول دیتے مگر جواب کے بدلے بے انصافی اور بے باکی پر کمر بستہ ہو کر فرمایا تو یہ فرمایا کہ (یہی[1] جملہ تو اللہ نے آپ کے قلم سے صحیح نکلوایا ہے) اور یہ کہہ کر وہی پرانا رونا رفع یدین اور آمین بالجہر کا شروع کر دیا کہ وہاں اس قاعدہ حقہ پر عمل کیوں نہ کیا سو جب مجیب بھی یہ قاعدہ قبول فرماتے ہیں تو مسئلہ متنازع فیہ میں ہمارے مجیب کیوں اسکو معمول بہا نہیں بناتے اور اس کا خلاف صریح کس وجہ سے کرتے ہیں اس کی جواب دہی جو ان کی ذمہ پر فرض تھی ادھر اُدھر کے خیالی اعتراضات سے کیونکر ٹل سکتی ہے اصل امر کو چھوڑ کر خارج از مبحث امور کو لے بیٹھنا ظاہر ہے کہ کس کا کام ہے ہم کو اس موقع پر امور زائدہ مذکورہ کا جواب دینا ضروری نہیں جناب مجیب تو اپنی رستگاری کے لئے امور زائدہ مذکورہ کو سپر بنا کر خلاف مبحث کرنا چاہتے ہیں البتہ اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ مجیب کا یہ اعتراض کہ احناف رفع یدین وغیرہ وغیرہ میں احادیث صحیحہ کا خلاف کرتے ہیں اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ کسی حدیث کا کسی وجہ سے بھی خلاف کرنا ناجائز ہے خواہ دوسری طرف کیسی ہی نص اور دلیل کامل موجود

---

[1] کسر العریٰ ص ۱۷

ہوتو ایسی مہمل بات کے تو خود مجیب بھی قائل نہیں ہو سکتے اور اگر یہ مطلب ہے کہ حدیث کو بلا حجت شرعیہ قابل قبول ترک کرنا ناجائز ہے تو مسلم مگر مسئلہ رفع یدین آمین بالجہر میں روایات وآثار قویہ معتبرہ مستدل حنفیہ موجود ہیں ایسے امور کا انکار کرنا بالکل جرأت بیجا اور تعصب ناروا ہے کتب قدیمہ اور رسائل جدیدہ میں روایات مذکورہ مشہور ہیں باقی بست رکعات کا انکار محض کرنا اور یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات تراویح پر مداومت فرمائی انہیں کا کام ہے جن بے چاروں کو تراویح اور تہجد میں بھی تمیز نہیں اور بدولت ظاہر پرستی دونوں نمازوں کو عین یک دگر خیال کئے ہوئے ہیں اگر تحقیق حق منظور ہو تو رسالہ (یہ رسالہ مولوی محمد زکریا مالک کتب خانہ یحیوی مدرسہ مظاہر علوم سے منگایئے) تراویح مصنفہ حضرت مولانا کو ملاحظہ فرمالیجئے، اب رہ گیا مسئلہ نفاذ قضاء قاضی اس میں خواہ مخواہ بے سمجھے بوجھے مجیب لبیب اپنی ٹانگ اڑاتے ہیں اور ناحق چوٹ کھاتے ہیں ہمیں بھی تو معلوم ہونا چاہئے کہ ارشاد انما[۱] **اقطع لہٗ قطعة من النار** سے عدم نفاذ باطناً کس طرح ثابت ہوتا ہے ایسے صاحبوں سے کیا بعید ہے جو ارشاد **نهی عن بيع الغرر** اور **نهی عن النجش** اور **نهی عن بيع الحاضر للبادی** اور **نهی عن التلقی** اور **نهی عن التصريه** اور نہی **ان يستام الرجل علی سوم اخيه** وغیرہ جملہ صورتوں میں بھی یہی ارشاد فرمادیں کہ حقیقت میں بیع نافذ اور منعقد ہی نہیں ہوتی اور ارشاد **ثلثة**[۲] **لا ينظر الله اليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم وعدمنها المنفق سلعته بالحلف الكاذب** کی وجہ سے یہ حکم دیا جائے کہ کاذب کی بیع درحقیقت نافذ ومنعقد نہیں ہوتی اور جو علماء بیوع مذکورہ کے انعقاد ونفوذ کے قائل ہوں ان پر مخالفت حدیث کا الزام لگایا جائے جس بات کی فہم سے آدمی قاصر ہو اس پر اعتراض کرنا اپنا پردہ فاش کرنا ہوتا ہے محدثین زمانۂ حال مسئلہ قضا میں جو کچھ زبان درازی کرتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو تو پورے طور سے اس مسئلہ میں مذہب امام کی خبر بھی نہیں اگر ہمارے مجیب کو اس بارے میں کچھ فرمانا منظور ہو تو اول مذہب امام کو مع قیود وشروط منضبط فرمالیں اس کے بعد اپنی دلیل قابل قبول اہل انصاف تحریر فرمائیں یہ نہ ہو کہ ظاہر پرستی پر کمر باندھ کر فقط ارشاد **انما اقطع له قطعة من النار** نقل فرما کر سبکدوش ہوجائیں پھر اس فہم وانصاف پر فاضل بنارسی اپنی خودی میں بے خود ہو کر فرماتے ہیں (آپ[۳] کو اللہ کے سامنے ایک دن جانا ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ دکھلانا ہوگا دیکھئے آپ کیا جواب دیں گے)

---

۱ بخاری جلداول، باب اقام البینۃ بعد الیمین، ص ۳۶۸ (اصح المطابع دہلی)

۲ ترمذی، باب ماجاء فیمن حلف علی سلعتہ، الجلد الاول، ص ۱۴۹ (رشیدیہ دہلی)

۳ کسر العریٰ ص ۱۷

خیر ہمارے مجیب خود ڈریں یا نہ ڈریں مگر معلوم ہوا کہ اوروں کو ڈرانے میں نہایت جری ہیں حتی کہ اوروں کے ڈرانے میں خدا سے بھی نہیں ڈرتے اگر مجیب خود خدا سے ڈر کر اوروں کو ڈراتے تو ہرگز ان کو اس ڈرانے کی جرأت نہ ہوتی یہ بعینہٖ وہی قصہ ہے کہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بے باک ناصح نے اتق اللہ کہا تھا سو ہمارے مجیب محدث کو خود معلوم ہوگا کہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس نصیحت کا کیا جواب ارشاد فرمایا تھا اس سے اچھا اور سچا جواب کون دے سکتا ہے اس لئے ہم کو کسی جواب عرض کرنے کی کیا حاجت ہے البتہ اتنا امر قابل لحاظ ہے کہ ہمارے مجیب کی نصیحت میں ناصح مذکور کی نصیحت سے چونکہ بہت ترقی ہے اس لئے اس کے موافق جواب میں بھی ترقی مناسب ہے ایسے ہی ناصحوں کی شان میں کسی نے کہا ہے ؎

مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس　　　توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند

اس نصیحت سراپا وقاحت کے بعد ہمارے مجیب بنارسی فرماتے ہیں (واللہ انی لک من الناصحین) سو ہم کو مجیب کی قسم کی تکذیب کرنے کی تو کوئی ضرورت نہیں ان کے خیال میں یہ خیر خواہی ہی ہوگی مگر ہم اس قسم کی تصدیق کرنے سے معذور محض ہیں قطع نظر اور امور سے جب ہم اس قسم کے ماخذ اور اصل کو دیکھتے ہیں کہ اس کی تصدیق کی وجہ سے کس قدر آفت اور مصیبت عظیم اٹھانی پڑی تھی تو پھر اس کی تصدیق کرنی عقل ہی کے خلاف نہیں بلکہ حسب ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لا[1] **یلدغ المومن من جحر واحد مرتین** مقتضائے ایمانی کے بھی سراسر خلاف نظر آتی ہے اس لئے ہم کو امید قوی ہے کہ مجیب انصاف پسند بھی ہمارے اس عذر قوی کو قبول فرما کر اس عدم تصدیق سے ہم پر ناخوش نہ ہوں گے، اس کے بعد بمقتضائے **هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** مجیب کی خدمت میں خیر خواہانہ عرض ہے کہ اس بے موقع وعظ گوئی سے آپ کو کچھ نفع نہ ہوگا آپ کو لازم ہے کہ دلائل مستحکمہ مذکورہ کا جواب معقول عنایت فرمائیے، اصل مدعی کو چھوڑ کر امور زوائد کے ذریعہ سے خواہ مخواہ کے الزامات بے اصل لگا کر وعظ و نصیحت شروع کر دینے سے کیا کام چل سکتا ہے؟ اہل علم و عقل تو آپ کی اس رفتار کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھ کر آپ کے عجز اور سینہ زوری کے معتقد ہو جائیں گے **وما علینا الا البلاغ** مجیب بنارسی کے جوابات اور ان کی تحقیق سے فراغت پا کر یہ عرض ہے کہ عبارت اوثق العری جو اوپر مذکور ہوئی ہے اس میں یہ جملہ بھی تھا کہ جہاں قریہ کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں مراد مدینہ ہے حسب لغۃ قرآن نہ قریہ صغیرہ الخ اس پر مجیب ثانی یعنی علامہ ابوالمکارم معترض بحاث نے دو اعتراض تحریر فرمائے ہیں۔

---

[1] بخاری جلد دوم، کتاب الادب، باب لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین، ص ۹۰۵ (اصح المطابع دہلی)

اعتراض ابوالمکارم

اول کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ[1] کے مقابلہ میں جو قریہ صغیرہ کہا ہے یہ درست نہیں لہٰذا یا تو قریہ صغیرہ میں سے صغیرہ کو حذف کیجئے یا مدینہ کی جگہ قریہ کبیرہ لکھئے، مطلب یہ ہے کہ مدینہ کا مقابل قریہ ہے اور قریہ صغیرہ کا مقابل قریہ کبیرہ ہے۔ اس لئے مدینہ اور قریہ صغیرہ کا تقابل درست نہیں، انتہی۔

جواب

جائے حیرت ہے کہ مجیب ابوالمکارم نے تمام مضمون مذکور اوثق العری سے سکوت محض اختیار فرما کے اور ایسا مہمل خرافات اعتراض پیش کر کے اپنے آپ کو بالکل بری الذمہ سمجھ لیا، کیا مقتضائے فہم و حیا یہی ہے؟ کہ مقابل کی بات کا جواب تو ندارد اور ایک لغو بے ہودہ بے اصل اعتراض لکھ کر دل خوش کر لیا جائے کہ ہم نے جواب دے دیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اول تو دیکھئے کہ تقابل کی ضرورت ہی کہاں ہے اوثق العری کی عبارت کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ جن مواقع میں لفظ قریہ وارد ہوا ہے اس سے حسب استعمال قرآنی مدینہ مراد ہے تاکہ تعامل دِہ سالہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت لازم نہ آئے قریہ صغیرہ ہرگز مراد نہیں ہوسکتا کہ جس کے بھروسے پر ہمارے مجیب بغلیں بجانے کو تیار ہوں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مواقع مذکورہ میں قریہ کے لفظ سے قریہ کبیرہ بھی مراد لیا جائے تو بھی حنفیہ کو مضر نہ مخالفین کو مفید کیونکہ قریہ کبیرہ دربارۂ اقامت جمعہ مدینہ ہی کے حکم میں داخل ہے تو جب تلک مجیب یہ ثابت نہ کریں گے کہ لفظ قریہ سے قریہ صغیرہ مراد ہے ان کو ہرگز وہ عبارات مفید نہیں ہوسکتیں۔

الحاصل اوثق العری میں اپنے معنی کو بیان فرما کر معنی مفید مخالف کی نفی تحریر فرمائی ہے تقابل محقق ہونے کی کیا ضرورت ہے کہ اس کی بنا پر ہمارے مجیب نے اعتراض دھر گھسیٹا ہماری بلا سے، دونوں امروں میں تقابل ہو یا نہ ہو ہمارا مقصود تو فقط یہ ہے کہ ہمارے معنی درست اور مخالف نے جو معنی لئے ہیں وہ بوجہ مخالفت نص صریح غلط اور باطل۔ دیکھئے اگر کوئی شخص کسی شہر کے قریہ صغیرہ ہونے کا قائل ہو اور اس کے جواب میں کہا جائے کہ وہ تو شہر ہے قریہ صغیرہ نہیں تو کیا اس کے کلام پر کوئی عاقل یا نادان یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ شہر اور قریہ میں چونکہ تقابل نہیں اس لئے یہ کلام درست نہیں میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ہمارے مجیب دشواری اور تنگی میں مبتلا نہ ہوتے تو وہ بھی ایسے بے اصل اعتراض کی پناہ نہ لیتے تمام خاص و عام کے

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۹

نزدیک مسلم اور مستعمل ہے کہ امر مختلف فیہ میں اپنی جانب کو ثابت کرتے ہیں اور مخالف کی جانب کو باطل خواہ ان میں تقابل ہو یا نہ ہو صاحب شرح وقایہ آیۃ **وامسحوا بوجوھکم** کے ذیل میں فرماتے ہیں **واما[1] نفی مذھب الشافعی فمبنی علیٰ ان الآیة مجملة فی حق المقدار لامطلقة کما زعم الخ** ہمارے مجیب فہیم کے مسلک مخترعہ کے موافق یہاں بھی یہ اعتراض ہوگا کہ مجمل کے مقابلہ میں مفسر ہوتا ہے اور مطلق کے مقابلہ میں مقید پھر صاحب شرح وقایہ نے مجمل کے مقابلہ میں مطلق کو کیسے بیان فرمادیا تلویح میں **لا تعتق[2] رقبته ولا تعتق رقبة کافرة** کی بحث میں فرماتے ہیں **ولا یخفی ان ھذا من العام مع الخاص لا المطلق مع المقید** مجیب کے کہنے کے موافق یہاں بھی یہی اعتراض ہوگا کہ عام کے مقابلہ میں مطلق اور خاص کے مقابلہ میں مقید کو بیان کرنا غلط ہے کیونکہ ان میں تقابل نہیں، علی ہذا القیاس اس قسم کے نظائر تتبع کی جائیں تو کوئی کتاب کسی علم کی مجیب کے اس نوایجاد اعتراض سے محفوظ نہیں رہ سکتی سو اگر ہمارے مجیب کو یہی امر مقصود ہے کہ آنکھیں بند کر کے عبارت اوثق العری پر اعتراض کر دینا چاہئے چاہے کیسا ہی بے اصل اور لغو ہو اور اسی کو اپنے لئے باعث شہرت وفخر سمجھتے ہیں تو اس کی عمدہ صورت ہم بتائیں کہ افصح العرب والعجم صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام معجز نظام میں اسی قسم کے اعتراضات منتخب فرما کر مشتہر کر دیں اس میں انشاء اللہ وہ شہرت نصیب ہوگی کہ اہل علم وکمال کو بھی وہ شہرت نصیب ہونی دشوار ہے مثلت مثلاً قصہ دجال میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے **واما[3] الذی یراہ الناس نارا فماءٌ بارد عذب** اپنے قاعدہ مخترعہ کے موافق یہاں بھی یہی کہئے کہ اس عبارت کا عنوان درست نہیں ہے کیونکہ ماء بارد عذب نار کا مقابل نہیں ہے لہٰذا یا تو قید بارد عذب کی برطرف کیجئے یا نار کے ساتھ حار کی قید ضرور لگائیے اور اگر مالح کی قید بھی بڑھا دی جائے تو سبحان اللہ عنوان کلام بہت ہی اعلی درجہ کا ہو جائے گا **نعوذ باللّٰہ من سوء الفھم والتعصب** زیادہ میں کیا عرض کروں حضرت مجیب کو اس قسم کے اعتراضات پیدا کرنے میں خود ملکۂ کامل ہے اور اگر ان جملہ امور سے قطع نظر کر کے حسب ارشاد مجیب اس مقام میں تحقق تقابل کی ضرورت تسلیم بھی کر لی جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ مدینہ اور قریہ صغیرہ میں تقابل نہ ہونے کی کیا وجہ؟ قریہ صغیرہ جب مطلق قریہ کی قسم اور اس سے خاص ہے اور مدینہ اور قریہ میں خود مجیب تقابل کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ وہی تقابل وتضاد قریہ صغیرہ کو مدینہ سے بطریق اولی حاصل ہوگا، یہ بات تو بے وقوف بھی نہیں کہہ سکتا کہ عام کو کسی شئ کے ساتھ تقابل وتضاد حاصل ہو اور خاص

[1] شرح وقایہ جلد اول، مسح الراس، کتاب الطہارۃ ص ۵۷ (مطبع یوسفی لکھنؤ)
[2] التوضیح والتلویح، ذکر المطلق والمقید، ص ۱۷۱ (نول کشور لکھنؤ)
[3] مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال، عن حذیفہ ۴۷۳ (رشیدیہ دہلی)

کو نہ ہو بالجملہ قریہ مقسم اور عام ہے اور قریہ صغیرہ اس کی ایک قسم اور اس سے خاص ہے تو اب جس قسم کا تقابل قریہ اور مدینہ میں تسلیم کیا جائے گا وہی تقابل قریہ صغیرہ اور مدینہ میں واجب التسلیم ہوگا، اس کے بعد اوثق العری کے جملہ مذکورہ پر مجیب ابوالمکارم نے دوسرا اعتراض پیش کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اوثق العری کے اس جملہ سے (کہ جہاں قریہ کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں مراد مدینہ ہے حسب لغۃ قرآن نہ قریہ صغیرہ) یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریہ اور مدینہ کے ایک معنی ہیں اور عبارت مرقومہ صفحہ آٹھ جو اوپر گذر چکی جس میں یہ جملہ مذکور ہے (بعض اوقات اطلاق قریہ کا باعتبار اس کے معنی لغوی اجتماع کے مدینہ پر بھی ہو جاتا ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ[1] قریہ اور چیز ہے اور مدینہ اور چیز تو اب ثابت ہو گیا کہ اوثق العری کی دونوں عبارتیں معارض اور باہم متضاد ہیں ہمارے مجیب بھی واقعی بے سوچے سمجھے اعتراض کر دینے میں لاجواب ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالف کے مطلب سمجھنے کا سرے سے ارادہ ہی نہیں فرماتے کہ کہیں ایسا نہ ہو مطلب صحیح سمجھ میں آ کر در بارۂ اعتراض خلل پیدا ہو جائے دیکھئے اوثق العری کی ہر دو عبارت مذکورہ میں کوئی اغلاق نہیں کسی قسم کا خفا نہیں مگر کسی کو سمجھ ہی نہ ہو یا فہم مطلب کا ارادہ ہی نہ کرے یا بوجہ تعصب جان بوجھ کر غلط گوئی پر کمر باندھ لے تو اس کا کیا علاج عبارت اول جس کو بحوالہ صفحہ آٹھ نقل کیا ہے اس کا مدعیٰ ظاہر یہی ہے کہ عرف متاخرین میں ہر چند قریہ اور مدینہ میں تغائر اور تقابل ہے لیکن باعتبار معنی اصلی لغوی مدینہ پر بھی اطلاق قریہ کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں یہ استعمال شائع ذائع ہے اور عبارت ثانی جس پر ہمارے مجیب کو اعتراض کرنا منظور ہے اس کا مطلب بھی صاف طور پر یہ ہے کہ جن آثار میں لفظ قریہ وارد ہے کہ جس کو دیکھ کر ہمارے عنایت فرمایانِ زمانۂ حال جامہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں وہاں قریہ سے مراد قریہ صغیرہ ہرگز نہیں بلکہ حسب وضع لغت واستعمال قرآنی قریہ سے مراد مدینہ ہے اب اہل فہم انصاف فرمادیں کہ ان دونوں عبارتوں میں تعارض وتخالف کہاں ہے جو امر عبارت اولی سے مقصود تھا بعینہ وہی عبارت ثانیہ کا مدعیٰ ہے یعنی لفظ قریہ کا استعمال دونوں معنی میں ہوتا ہے کبھی باعتبار لغۃ واستعمال قدیم مدینہ کو بھی شامل سمجھا جاتا ہے اور کبھی باعتبار عرف واستعمال متاخر مدینہ کا مقابل سمجھا جاتا ہے بالجملہ لفظ قریہ کے دونوں استعمال مسلم ہیں کبھی مدینہ کے مقابل بولا جاتا ہے کبھی مدینہ اور غیر مدینہ دونوں کو شامل ہوتا ہے اور ہر دو عبارت اوثق العری امر مذکور کے موافق ہیں ایک بھی مخالف نہیں اور عبارت اولیٰ اوثق العری کے ذیل میں ہم تفصیل کے ساتھ قریہ کا بالمعنی الاعم مستعمل ہونا عرض کر چکے ہیں جس کی وجہ سے مجیب صاحبوں کو غصہ آ رہا ہے اس لئے اگر کچھ فرمانا ہو تو اس کی نسبت فرمائیے عبارتوں میں محض سینہ

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۹

زوری سے تعارض کا دعوی کر کے کیوں لیاقت و قابلیت ظاہر کی جاتی ہے الحمد للہ مجیب ثانی کے جوابوں سے بھی فراغت ہو چکی۔

تقریر اوثق العریٰ

اب سنئے اس کے بعد اوثق العری میں تفصیل و وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ اب جملہ ارشادات حضرات اصحاب کرام اور احادیث مرفوعہ مذہب حنفیہ کے موافق ہیں اور کسی دلیل مرفوع وغیر مرفوع سے جن کے حوالے ہمارے مفتی و مجیب اہل حدیث نے بیان فرمائے تھے قریہ صغیرہ میں جواز اقامۃ جمعہ ثابت نہیں ہوتا تو اب مذہب حنفیہ میں کسی قسم کا خدشہ اور اشکال بشرط نظر غائر باقی نہ رہا اور ادھر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب جمعہ میں کس قدر تاکیدات اور اس کے ترک پر کیسی وعیدات اور تغلیظ بیان فرماتے تھے اور باوجود یکہ جملہ اہل عوالی ان کو سنتے تھے مگر کسی نے ایک دفعہ بھی کسی قریہ میں جمعہ قائم نہ کیا اور نہ آپ نے تمام زمانۂ حیات میں ان میں سے کسی کو حکم اقامۃ یا وعید ترک کا مخاطب بنایا تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ اہل عوالی و منازل وغیرہ بالیقین سمجھتے تھے کہ اہل قریٰ ان امور کے مکلّف و مخاطب ہی نہیں اور اہل قریٰ تاکید و وعید مذکور سے مستثنٰی اور خارج ہیں اور عموم آیت کریمہ اور عموم جملہ احادیث واردہ فی الجمعہ اہل امصار کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ کیا وجہ کہ تمام مدت حیات نبوی میں کبھی کسی قریہ میں نوبت اقامۃ جمعہ نہ آئی بلکہ بجائے اس کے کہ عوالی میں اقامۃ جمعہ کرتے یہ ہوتا تھا کہ اہل عوالی میں سے جن حضرات کو جمعہ پڑھنا منظور ہوتا تھا تو مدینہ طیبہ میں حسب گنجائش و فرصت نوبت بنوبت حاضر ہو کر پڑھ جاتے تھے اب ان دلائل واضحہ کے مقابلہ میں جو حضرات اقامت جمعہ فی القریٰ کے مدعی ہیں ان کو لازم ہے کہ یا تو کسی قریہ صغیرہ میں بدلیل معتبر جمعہ کا قائم ہونا آپ کے زمانہ میں ثابت فرمادیں یا اہل عوالی و منازل کو تارک فرض قطعی اور حضرت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ کو تارک حکم[1] بلغ ما انزل الیک من ربک تسلیم کریں نعوذ باللہ انتہی بمضمونہ

جواب ابوالمکارم

اس دلیل واضح اور برہان قاطع کے جواب میں مولوی ابوالمکارم صاحب نے خاموشی محض سے کام لیا اور مجیب بنارسی نے کل دو سطر میں یہ جواب دیا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ آپ نے ہر مسلمان کو جمعہ کی تاکید

---

[1] المائدۃ آیت ٦٧

فرمائی ہے اور قریہ میں بھی آپ نے حکم دیا ہے اور صحابہ نے پڑھا ہے۔

جواب

افسوس کیسی قوی واجب التسلیم دلیل کے مقابلہ میں ہمارے مجیب نے فہم وانصاف کو بغل میں مار کر کل تین جملے تحریر فرمائے جملہ اولی یعنی آپ نے ہر مسلمان کو جمعہ کی تاکید فرمائی ہے اس کی نسبت تو یہ عرض ہے کہ اگر ہم مجیب کے اس ارشاد کو بعینہ تسلیم بھی کرلیں تو ہمارے مدعی کو اصلا مضر نہیں کیونکہ قول مذکور کا مفاد صرف عموم افراد ہوگا جو مبحث سے خارج ہے اس عموم سے عموم امکنہ جو کہ متنازع فیہ ہے کیونکر ثابت ہوسکتا ہے مجیب کو لازم ہے کہ ثبوت عموم امکنہ کی صورت بیان فرمادیں یا عموم افراد اور عموم امکنہ میں استلزام ثابت کر کے دکھلائیں ورنہ کچھ تو شرمائیں اور دل چاہے تو اوراق گذشتہ کو ملاحظہ فرمالیں حدیث طارق بن شہاب میں لفظ کل سے جو مجیب نے استدلال کیا ہے اس کے جواب میں تفصیل کے ساتھ ہم اسی مضمون کو بیان کر چکے ہیں الحاصل عموم افراد اور عموم امکنہ میں مجیب غور فرمالیں اور ایک دفعہ اطمینان کے ساتھ یہ سمجھ لیں کہ متنازع فیہ ہم میں اور ان میں کونسا عموم ہے اس کے بعد اپنے مدعی کو ثابت فرمادیں یہ تو جب ہے کہ مجیب کے ارشاد کو ہم بعینہ تسلیم کرلیں اور اگر ہم عرض کریں کہ اہل قریٰ اور اہل بادیہ اور اہل خیام اس عموم میں داخل ہی نہیں چنانچہ اوثق العری میں یہ مضمون مصرح موجود ہے اور ہم بھی سابق میں عرض کر چکے ہیں تو پھر تو مجیب کا ارشاد سرے سے دعوی بلا دلیل اور شیخ چلی کا خیال ہے اور بپاس خاطر مجیب جملہ امور پر خاک ڈال کر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ نصوص اقامت جمعہ کے سب مخاطب ہیں اور تمام امکنہ بھی اس عموم میں داخل ہیں لیکن جیسے عبد وامرءۃ ومسافر عموم افراد سے عند المجیب مستثنیٰ ہیں بعینہ اسی قاعدے سے قریٰ اور بادیہ عموم امکنہ سے مستثنیٰ ہیں..................تو فرمایئے اس میں کیا خرابی ہے؟ اگر حدیث طارق بن شہاب مثلاً ان کی تخصیص کا باعث ہے تو تعامل مستمر زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ ہماری استثنا کی دلیل ہے اور قوۃ واعتبار میں ہر دو دلیل کا موازنہ کرلیا جائے اگر دلیل تخصیص عموم امکنہ حدیث طارق بن شہاب سے اقوی ہو تو پھر تو اس کی تسلیم سے انحراف کرنا فہم وانصاف سے نہایت ہی بعید ہے ہم کو نہایت تحیر ہے کہ اوثق العری میں یہ تمام مضامین موجود ہم برابران مضامین کی تشریح اور ان پر تنبیہ مکرر سہ کرر عرض کر چکے مگر ہمارے ہر دو مجیب نے یہ مسلک اختیار فرما رکھا ہے کہ ادھر اُدھر کے فضول غلط بے اصل مواخذات پیش کر کے یا بے دلیل کسی امر زائد جزوی کی نسبۃ کوئی جواب دے کر سبکدوش ہو جاتے ہیں اور اصل مدعی کو ایسا نظر انداز کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ بلکہ الٹا ہم پر غصہ کیا جاتا ہے کہ بار بار کیوں قصہ قبا کو

پیش کیا جاتا ہے۔

دوسرا فقرہ جو ہمارے مجیب نے بیان کیا تھا یعنی قریہ میں بھی آپ نے جمعہ کا حکم فرمایا اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ مجیب نے اس بارے میں کل دو روائتیں اوراق سابقہ میں نقل کی ایک حرہ بنی بیاضہ میں جمعہ کا ہونا سو اس کی نسبت ہم بھی پہلے مفصلاً عرض کر چکے ہیں کہ وہ کوئی قریہ مستقل نہیں بلکہ مدینہ کا ایک محلّہ ہے اور مدینہ ہی میں شمار ہوتا ہے مجیب کو لازم ہی کہ اس کا قریہ مستقل ہونا دلیل قوی سے ثابت فرمادیں اور ہمارے معروضات سابقہ کا جواب دیں معہذا یہ امر کس قدر حیا و دیانت کے خلاف ہے کہ اوراق گذشتہ میں تو آپ مکرر یہ فرما چکے ہیں کہ فرضیت جمعہ نزول آیۃ جمعہ کے بعد ہوئی ہے اور اس پر بلا وجہ ایسا اصرار کیا تھا کہ روایات متعددہ معتبرہ کا بھی انکار کیا اور اب قریٰ میں فرضیت جمعہ ثابت کرنے کی ضرورت سے حرہ نبی بیاضہ یعنی بنی سالم میں آپ کے جمعہ ادا فرمانے کو اپنی دلیل بنایا جاتا ہے جو نزولِ آیت مذکورہ سے بہت پہلا قصہ ہے جب آپ کے کہنے کی موافق جمعہ ہجرت سے بہت بعد فرض ہوا ہے تو پھر بنی سالم میں جمعہ پڑھنے کی کیا وجہ اور اس سے فرضیت جمعہ فی القریٰ کے اثبات کی کیا صورت؟ ہمارے مجیب فہم و تدبر سے کام لیں تو قبا میں آپ کے جمعہ نہ پڑھنے اور بنی سالم میں جمعہ پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریٰ میں جمعہ درست نہیں اور بنی سالم ملحق بالمدینہ ہے قریہ مستقل ہرگز نہیں اور جمعہ قبل الھجرۃ فرض ہو چکا تھا اور یہ جملہ امور بحمد اللہ ہمارا عین مدعی اور مجیب کے مطلب کے سراسر مخالف ہے کما لا یخفی علی العاقل۔

دوسری روایت ام عبداللہ کی بیان کی ہے جس کی تفصیلی کیفیت معہ جوابات متعددہ گذر چکی ہے خلاصہ جس کا یہ ہے کہ اول تو اس میں ضعف شدید دوسرے وہ روایت بنظر انصاف ہمارے موافق اور مجیب کے سراسر مخالف اس کو بے سوچے سمجھے استدلال میں پیش کرنا ہمارے مجیب کے عجز کی دلیل ہے معروضات سابقہ کو ملاحظہ فرما کر اہل انصاف خود انصاف فرمالیں باقی رہا فقرۂ سویم یعنی صحابہ نے قریٰ میں جمعہ پڑھا ہے اس سے مراد اگر قصہ جواثا ہے تو قصہ جواثی نہایت تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے اور اگر اس سے مراد حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر کے آثار ہیں تو ان کی کیفیت اور متعدد جواب ابھی اوثق العریٰ کے حوالے سے معہ توضیح وتشریح معروض ہو چکے ہیں کہ آپ سے بنظر فہم وانصاف ایک کا جواب معقول بھی نہیں ہوسکا اگر اقوال وافعال مذکورہ صحابہ کی تاویلات صحیحہ کر کے احادیث مرفوعہ اور دیگر آثار صحابہ کے ساتھ مطابق بنانا پسند ہو تو فہو المراد اور طریقۂ تعارض منظور ہو تو بسم اللہ چنانچہ مفصلاً یہ جملہ امور اوثق العریٰ کے حوالہ سے مذکور ہو چکے ہیں مگر افسوس کہ مجیب صاحبوں نے ایک جواب بھی معقول نہ دیا ان کو لازم ہے کہ جواب معقول لائق قبول ہو سکے تو بیان فرمائیں اگر کچھ نہ ہو سکے تو اتنا تو ضرور کریں کہ جن

آثار حضرات صحابہ کرام کو اپنے استدلال میں بیان فرمایا ہے ان میں قریہ سے مراد قریہ صغیرہ ہونا ثابت فرمادیں یہ بھی نہ ہو سکے تو ہماری معروضات کو قبول فرمادیں ورنہ صبر وسکوت فرما کر زبان کو منہ میں لئے بیٹھے رہیں اور ان لن ترانیوں سے کہ مذہب حنفیہ کو وسوسہ شیطانی کہا جاتا ہے تائب ہوں۔

جواب از مجیب بنارسی

اس کے بعد مجیب بنارسی فرماتے ہیں یہاں[۱] ایک بات اور قابل بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں نو مسجدیں تھیں مگر وہ سب لوگ اور مدینہ کے قرب والے جمع ہو کر مسجد نبوی ہی میں جمعہ پڑھتے تھے اور یہ کہہ کر تین روائتیں اہل قبا اور اہل عوالی کی مسجد نبوی میں حاضر اور مجتمع ہونے کے بارے میں نقل فرمائی ہیں روایت اولیٰ ان[۲] **اهل قباء كانوا يجمعون مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة** روایۃ ثانیہ ان[۳] **رسول الله صلى الله عليه وسلم جمع اهل العوالى فى مسجده يوم الجمعة** روایت ثالثہ کان[۴] **الناس ينتابون الجمعة من منازلهم و من العوالى** جس کو اوثق العری میں اپنا مستدل بنایا ہے ان امور کو بیان فرما کر مجیب بنارسی کہتے ہیں کہ اگر اہل عوالی[۵] پر جمعہ فرض نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کیوں جمع کرتے اور کیوں وہ لوگ جمعہ کے لئے آتے علاوہ ازیں آپ کا یہ بھی ارشاد ہے **الجمعة**[۶] **على من سمع النداء** اور اکثر عوالی مدینہ سے تین یا چار میل کے فاصلہ پر تھے بلال کی اذان برابر سنتے تھے اور ترمذی وغیرہ میں[۷] **الجمعة على من آواه الليل** بھی مروی ہے تو اب یہ بات معلوم ہوگئی کہ جو قریٰ شہر کے قریب ہیں ان کو شہر میں حاضر ہونے کا حکم ہے اور جو بعید ہیں ان کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اپنے اپنے مواضع میں جمعہ قائم کریں جیسے جواثا والون نے کر لیا تھا اور مکہ اور مدینہ کے درمیان کے گاؤں کے لوگ جمعہ پڑھتے تھے حاصل یہ نکلا کہ عوالی والے کل صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے تھے اس سعی و جانفشانی سے فارغ ہو کر مجیب مسرت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں اب[۸] کل تقریر مولانا کا جواب کامل ادا ہوا جس کو مکرر سہ کرر آپ نے لکھا ہے وباللہ التوفیق، انتہی۔

---

۱ کسر العریٰ ص ۱۸
۲ ابن ماجہ ص ۸۰ (مطبع فاروقی دہلی)
۳ مراسل ابی داؤد، عن ابن شہاب ص ۷ (رشیدیہ دہلی)
۴ بخاری ج ۱ ص ۱۲۳، باب من این توتی الجمعۃ وعلی من تجب (رشیدیہ دہلی)
۵ کسر العریٰ ص ۱۹
۶ ترمذی جلد اول، باب ماجاء من یوتی الجمعۃ، کتاب الجمعۃ ص ۶۶
۷ حوالہ بالا
۸ کسر العریٰ ص ۲۰

الحمدللہ کہ مکررسہ کرر تقاضوں کے بعد ہمارے مجیب مجتہد کوخلاف توقع جوش غیرت آہی گیا اور نہایت جدو جہد کے ساتھ بزعم خود حضرت مولانا کے مکرر سہ کرر ارشادات کا جواب کامل چشم بددور تحریر فرماہی دیا مگر ہم سے پوچھئے تو مجیب کی اس تمام جان کاہی کو کوہ کندن وکاہ برآوردن کا مصداق بھی بمشکل کہا جا سکتا ہے ناظران اوثق العری کو تو بشرط فہم انشاء اللہ کسی کے بتلانے کی ضرورت نہ ہوگی اور مضامین اوثق العری کی تشریحات جو ہم مکرر عرض کر چکے ہیں وہ ہمارے مجیب کے اس دعوی کی کشف حقیقۃ کے لئے بحمدللہ کافی سمجھی جائیں گی مگر اتمام حجت اور زیادہ اطمینان کے لئے ہم یہاں بھی جوابات شافی عرض کئے دیتے ہیں اور امور مستدلہ مجیب میں جو امور خود ان کے مدعی کے منافی اور مخالف ہیں ان پر بھی مطلع کئے دیتے ہیں آئندہ ان کو اختیار ہے انصاف کریں یا بے انصافی، فہم سے کام لیں یا بے فہمی سے ان کے ہر ایک فقرہ کی کیفیت بالترتیب عرض کئے دیتے ہیں مجیب موصوف کا یہ فرمانا کہ مدینہ منورہ میں نو مسجدیں تھیں لیکن صلوٰۃ جمعہ تمام اہل مساجد مجتمع ہوکر آپ کے ساتھ ادا کرتے تھے، مسلّم، ہم بہت خوشی کے ساتھ امر منقول مجیب کو علی الراس والعین رکھتے ہیں بلکہ مجیب کی اس عنایت بلا ارادہ کے ممنون ومشکور ہیں کیونکہ امر مذکور ہمارے مدعی کے مخالف ہونا تو درکنار سراسر موافق اور موید ہے کون نہیں جانتا کہ امر متنازع فیہ صرف یہ امر ہے کہ قریٰ محل اقامت جمعہ ہیں یا نہیں سواتنی بات سے کہ مدینہ طیبہ میں نو مسجدیں تھیں اور جمعہ فقط ایک مسجد میں ہوتا تھا یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ قریٰ بھی محل اقامت جمعہ ہیں البتہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ مصر کے اندر بھی مساجد متعددہ میں اقامت جمعہ نہ چاہئے فقط ایک مسجد میں سب کو مل کر جمعہ ادا کرنا چاہئے۔

جس کا خلاصہ یہ نکلا کہ ہم نے تو فقط یہی دعوی کیا تھا کہ شہر میں اقامت جمعہ کرنا چاہئے نہ دیہات میں مگر ہمارے مجیب کی عنایت سے بلا نزاع اتنا امر اور مستزاد ہو گیا کہ شہر میں بھی ایک ہی مسجد میں اقامت کی جائے نہ مساجد متعددہ میں والحمدللہ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ امر مذکور کو ہمارے مقابلہ میں پیش فرمانا تو مجیب کی خوش فہمی اور عنایت بلا ارادہ کا ثمرہ ہے ہاں جناب قاضی صاحب اور نواب صاحب جو اپنی تصانیف متعدہ میں بڑے وثوق کے ساتھ جمعہ کے بارے میں وہی **کسائر الصلوات لاتخالفها الا فی مشروعية الخطبتين قبلها** ارشاد فرمارہے ہیں ان کے روبرو پیش کیا جائے تو مناسب ہے کیونکہ ان صاحبوں کی رائے میں جب صلواۃ جمعہ اور دیگر صلوات میں کوئی فرق ہی نہیں اور صلوٰۃ جمعہ کے لئے کوئی شرط وقید زائد مانی ہی نہیں جاتی تو پھر کیا وجہ کہ آپ نے تمام اہل عوالی اور اہل مدینہ کو اپنی اپنی مساجد میں اقامت جمعہ کی اجازت نہ فرمائی اور مثل صلوات خمسہ وغیرہ عوالی ومساجد مذکورہ میں صلوٰۃ جمعہ کا اختیار نہ دیا گیا حتی کہ در بارہ جمیع صلوات مفروضہ تو اہل مدینہ کو بھی تکلیف حضور مسجد واحد نہ دی جائے اور

صلوٰۃ جمعہ کے بارے میں یہ تنگی کہ تمام اہل عوالی ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کریں اور اپنی بستی اور گاؤں میں ہرگز نہ پڑھ سکیں علامہ ابن حجر تلخیص میں فرماتے ہیں وقال[1] ابن المنذر لم یختلف الناس فی ان الجمعة لم تكن تصلی فی عهد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وفی عهد الخلفاء الراشدین الا فی مسجد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وفی تعطیل الناس مساجد هم یوم الجمعه واجتماعهم فی مسجد واحد ابین البیان بان الجمعة خلاف سائر الصلوات وانها لا تصلی الا فی مكان واحد جب یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ جمعہ کا سوائے مسجد نبوی دیگر مساجد مدینہ اور عوالی ومنازل میں قائم نہ ہونا سراسر ہمارے مدعی کے موافق ہے اصلا مخالف نہیں البتہ مخالف ہے تو جناب قاضی صاحب اور نواب صاحب کی رائے جدید کے مخالف ہے تو ہمارے مقابلہ میں اس کو پیش کرنا اپنے علم وفہم کو بدنام کرنا ہے مناسب یہ ہے کہ ہر دو علامہ موصوفین سے اس کا جواب طلب کیا جائے اس کے بعد جو مجیب بنارسی نے تین روائتیں نقل فرمائی ہیں جن کو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں ان ہر سہ روایات کا اتنا ہی مطلب ہے کہ عوالی میں جمعہ نہ ہوتا تھا بلکہ اہل عوالی جو جمعہ پڑھتے تھے وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے لیکن مجیب ہی فرمائیں کہ اس امر سے ہمارے مطلب میں کیا نقصان پیدا ہوا؟ اجی صاحب یہ تو ہمارے مدعی کے لئے کھلی دلیل ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قریٰ محل اقامت جمعہ نہیں چنانچہ بحوالہ اوثق العری مکرر معروض ہو چکا ہے یہ تو خصم کے دلائل کے جواب دینے کا نہایت ہی سہل اور مختصر طریقہ ہمارے مجیب موجد نے ایجاد کیا ہے کہ موٹے قلم سے لفظ جواب تحریر فرما کر دلائل خصم کو نقل فرما دیا اور آخر میں لکھ دیا کہ جواب کامل ہو گیا وباللہ التوفیق، بے شک یہ ہمارے مجیب کی ایسی کھلی کرامت ہے کہ کسی عالم یا جاہل سے اس کے ظہور کی نوبت نہ آئی تھی کیوں نہ ہو آخر کم ترك الاول للاخر اکابر کا مقولہ ہے۔ مجیب کی اس سعی وکرامت کا ثمرہ تو اہل فہم خود سمجھ لیں گے ان کو ان امور سے کیا خاک نفع ہو سکتا ہے البتہ اتنی بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ مجیب نے بحوالہ روایات اس امر کا صاف اقرار کر لیا کہ زمانۂ حیات حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام عوالی میں کبھی ادائے جمعہ کی نوبت نہیں آئی نہ آپ نے کبھی اقامت کا حکم فرمایا اور نہ اصحاب اہل عوالی میں سے کسی نے وہاں جمعہ پڑھا بلکہ حاضر ہونے کا امر فرمایا والحمدللّٰه علی ذلك اور یہ امر مذہب حنفیہ کی اثبات کے لئے ایسی دلیل قوی اور برہان جلی ہے کہ جو کوئی حجتی وہمی اب بھی اپنے توہمات سے باز نہ آئے تو اس کو سمجھانا ہی فضول ہے مگر ہم محض بغرض قطع حجت مجیب کے اس توہم کا جواب بھی عنقریب عرض کریں گے جو انھوں نے اخیر میں جا کر

---

[1] التلخیص الحبیر جلد اول ص ۱۳۳ (مطبع القاری دہلی)

ظاہر فرمایا ہے اس کے بعد مجیب موصوف نے دو روایتیں اور بغرض حصول برکت اپنے نفع نقصان سے قطع نظر فرما کر نقل فرمائی ہیں **الجمعة علی من سمع النداء** دوسری **الجمعة علی من آواہ اللیل** ان کی نسبت اول تو یہ عرض ہے کہ ہر دو روایت کی صحت وسقم کے متعلق ائمہ حدیث نے جو کچھ فرمایا ہے بالخصوص روایت ثانی کی بابت وہ ایسا امر نہیں کہ ہمارے مجیب ماہر حدیث کو اس کی خبر نہ ہوگی۔ ہم اس سے قطع نظر کر کے اور ہر دو روایت مذکورہ کو معتبر اور قوی مان کر اور دونوں روایتوں کے بعینہٖ وہی معنی تسلیم کر کے جو مجیب ظاہر پرست نے مراد لئے ہیں اول تو یہ عرض کرتے ہیں کہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں چنانچہ ظاہر ہے دار قطنی کے تو بلکہ یہ الفاظ ہیں **انما الجمعة علی من سمع النداء** مجیب کو لازم ہے کہ ان میں صورت تطبیق یا وجہ ترجیح بیان فرما کر اپنا مسلک معین فرمائیں اس کے بعد کچھ زبان سے نکالیں مگر اقوال سلف اور ارشاد قاضی صاحب وغیرہ کو بھی اول ملاحظہ فرمالیں تو مناسب ہے اس کے بعد یہ عرض ہے کہ مجیب اوراق سابقہ میں زور شور کے ساتھ تحریر فرما چکے ہیں کہ جمعہ ہر مسلم پر آپ نے سوائے چار اشخاص غلام عورت لڑکی مریض کے فرض فرمادیا ہے اور کسی قسم کی آبادی کی تخصیص سے ہمارے مجیب نے نہایت تبری اور تحاشی ظاہر فرمائی تھی حالانکہ یہ دونوں روائتیں مجیب کے مدعائے سابق کے بالکل مخالف ہیں کیونکہ ان دونوں حدیثوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ ایک مسافت محدود تک فرض ہے اور جو مسلمان اس حد سے خارج ہوں گے ان پر فرض نہیں تو اب خود مجیب کے مسلمات سے ظاہر ہوگیا کہ چار اشخاص مذکورہ بالا کے سوا ایک تخصیص اور بہت بڑی نکل آئی اور اس کے ساتھ عموم امکنہ جس پر بہت زور صرف کیا جاتا تھا خاک میں مل گیا اور بہت سے امکنہ کے مخصوص ہونے کو اپنی خوشی سے تسلیم کرلیا۔ فقط وہ لوگ جن تلک اذان کی آواز پہنچی یا جو لوگ شام تک جمعہ پڑھ کر اپنے مکانوں پر واپس آجائیں فرضیت جمعہ کے محکوم رہے علاوہ ازیں ہر سہ روایات سابقہ کے ذیل میں مجیب نے بالتصریح یہ فرمایا تھا کہ تمام اہل عوالی آپ کی مسجد میں حسب ارشاد جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حاضر ہوتے تھے اور ارشاد **الجمعة علی من سمع النداء** اس کے مخالف ہے کیونکہ وہ عوالی کہ جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل فاصلہ پر تھے وہاں تلک بلال رضی اللہ عنہ کی اذان پہنچنے کے مجیب بھی قائل نہیں اس کے بعد مجیب نے اپنے ثبوت مدعا کے لئے قصہ جواثا اور مابین حرمین شریفین جو گاؤں تھے ان میں ادائے جمعہ کا ذکر فرمایا ہے جن کے جوابات متعددہ اوثق العری میں مذکور ہیں اور ہم بھی ان کی پوری تشریح عرض کر چکے ہیں کہ ان مواقع میں سے کسی کا اب تلک نہ قریہ صغیرہ ہونا ثابت ہوسکا نہ ان کی بابت آپ کی اجازت منقول۔ اس میں شک نہیں کہ حسب قواعد مسلمہ فقہاء ومحدثین یہ تمام واقعات افعال صحابہ میں داخل ہیں تو اول تو افعال واقوال صحابہ دوسری جانب بھی

موجود علاوہ ازیں تعامل مستمر زمانہ نبوی اقامت جمعہ فی القریٰ کے معارض۔ اب دیکھ لیجئے ترجیح کس جانب کو ہونی چاہیئے اور احق بالقبول یہ امر ہے کہ تعامل زمانہ نبوی اور تعامل صحابہ میں تعارض ظاہری کو ترک کر کے مطابقت لی جائے تاکہ سب احادیث وآثار مطابق یک دگر ہو جائیں اور اس مطابقت کے لئے رکن اعظم یہ ہے کہ ہمارے محدثین سے یہ کہہ دیا جائے کہ جہاں لفظ قریہ نظر پڑے خدا کے لئے بلا تحقیق اس کے معنی معین فرما کر مطمئن نہ ہو جائیں۔

دیکھئے بہت سے حضرات کے قول سے اقامت جمعہ فی القریٰ بظاہر معلوم ہوتی ہے مگر جب وہ تفصیل فرماتے ہیں تو ان کا وہی مدعی ثابت ہوتا ہے جو احناف کرام فرماتے ہیں خود بخاری میں عطا کا قول موجود ہے جس کی شرح میں علامہ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں وزاد[1] **عبدالرزاق فی هذا الاثر عن ابن جريج ايضا، قلت لعطاء ما القرية الجامعة قال ذات الجماعة والا ميرو القاضی والدور المجتمعة الآخذ بعضها ببعض مثل جدة** اور انشاء اللہ جو ہمارے محدثین فرمارہے ہیں اس کا پتہ تو نہ کسی حدیث مرفوع میں نکلے گا اور نہ کسی اثر میں مگر دو اور دو چار روٹیوں کا کوئی علاج ہی نہیں چنانچہ یہ جملہ امور مفصلاً معروض ہو چکے ہیں تاوقتیکہ ان کا جواب نہ دیا جائے بار بار ان مقولوں کو ہمارے مقابلہ میں پیش کرنا سخت بے انصافی ہے اب اہل انصاف ملاحظہ فرمالیں کہ ہمارے مجیب نے جس قدر امور بیان کئے تھے اور کیف ما اتفق ہمارے دھمکانے اور ناواقفوں کے بہکانے کو جتنی روایات نقل کی تھیں ان سب کی کیفیت معلوم ہوگئی کہ ہمارے مدعی میں کوئی خلل انداز نہیں بلکہ سب ہم کو مسلم اور سب ہمارے موافق البتہ مجیب کے حق میں ہر ایک روایت بوجوہ متعددہ مضر اور ان کے حق میں مخالف چنانچہ ہم نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان کے تمام مضامین کی حالت ہدیہ ناظرین کردی ہے مگر ہمارے مجیب کی جرأت اور کمال کو ملاحظہ فرمائیے باوجودیکہ تقریر کے تمام اجزا ان کے مخالف مگر سب کو رلا ملا کر اپنا مدعی ثابت فرماتے ہیں اور خلاصہ جملہ امور مذکورہ بالا سے یہ نکالتے ہیں کہ جو قریٰ مصر کے قریب ہوں وہاں کے باشندوں کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا ضروری ہے جیسا کہ **الجمعة على من سمع الندا** اور **الجمعة على من آواه الليل** سے معلوم ہوتا ہے اور جو مصر سے بعید ہوں ان کو اپنے مواضع میں پڑھنے کا حکم ہے جیسا کہ قصہ جواثا وغیرہ سے مفہوم ہوتا ہے۔

اب اہل فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے مجیب نے جو آنکھیں بند کر کے روایات مختلفہ قوۃ وضعف و

---

[1] باب من این توتی الجمعة وعلى من تجب لقول الله تعالىٰ اذا نودی للصلوٰة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله (فتح الباری ج۲،ص۲۶۲، مکتبہ خیریہ مصر)

تعارض وتطابق جملہ امور سے قطع نظر فرما کر نقل فرمائی ہیں اور اکثر کے معنی میں بھی کچھ تصرف کیا تھا مقصود اصلی ان سب سے یہی تھا کہ کسی طرح عدم اقامت جمعہ فی العوالی کے مواخذہ سے رستگاری کی صورت نکالی جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ اہل عوالی سب مدینہ طیبہ میں ادائے جمعہ کے مامور تھے واقعی ہمارے مجیب نے طرفہ معجون تیار کیا ہے مگر مجیب کو لازم ہے کہ اس کے مفردات میں ہم جو کچھ عرض کر آئے ہیں ان کا جواب شافی دیا جائے اس کے بعد اپنی معجون کو پیش فرمائیں جب اس کے تمام اجزاء ومفردات ان کو طرح طرح سے مضر ہیں تو پھر یہ معجون مرکب کیونکر ان کو مفید ہوسکتا ہے تکریر تفصیل سے میں خود گھبرا گیا ہوں اور حضرات ناظرین مجھ سے زیادہ پریشان ہوں تو عجب نہیں مگر کیا کیجئے کام ایسوں سے آپڑا ہے کہ ان کے مطالب بھی ہمیں ہی سمجھانے پڑتے ہیں اس لئے عرض ہے کہ مجیب کی تمام تقریر کا خلاصہ تین امر ہیں۔

اول روایات مذکورہ ثلاثہ سے اس امر کو ثابت کر دیا تھا کہ اہل عوالی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمعہ کے لئے آتے تھے جو ہمارا خود استدلال اور سراسر ہم کو مفید ہے دوسرے **الجمعة علی من سمع النداء** اور **الجمعة علی من آواہ اللیل** سے یہ بات ثابت کی تھی کہ مصر کے قرب وجوار کے لوگوں کو مسجد میں آنا ضرور ہے جس سے امر اول کی تائید ہوتی ہے جو ہمارا مستدل ہے تیسرے قصہ جواثا اور صحابہ کے زمانہ میں بعض قریٰ واقع مابین حرمین شریفین میں جمعہ ہونے سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قریٰ بعیدہ میں رہنے والوں کو اپنے اپنے مواضع میں جمعہ قائم کرنا ضرور ہے مگر ان ہر سہ امور کی نسبت جو کچھ ہم عرض کر آئے ہیں اس کو بھی ملاحظ فرمالیا جائے کہ ہمارے مدعی کو انشاء اللہ مضر نہیں بلکہ بوجوہ متعددہ مفید ہیں ان کے تو اعادہ کی ضرورت نہیں مجیب کو لازم ہے کہ ان امور کا جواب معقول عنایت فرمادیں البتہ امور مذکورہ بالا کے سوا اور چند باتیں مجیب کی اس تقریر کے متعلق معروض ہیں ہمارے مجیب اپنی تقریر ثبوت مدعی میں فرماتے ہیں (اگر اہل عوالی پر جمعہ فرض نہ ہوتا تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں جمع کرتے اور کیوں وہ لوگ جمعہ کے لئے آتے) مگر صرف اتنی بات سے فرضیت ثابت کرنا محض منہ زوری ہے ایسی لغویات کو ادنی عاقل بھی تسلیم نہیں کر سکتا صلوٰۃ تراویح جس کا مسنون اور غیر مفروض ہونا روایات میں مصرح ہے اس کے لئے مردوں عورتوں کا مسجد میں جمع ہونا آپ کے زمانہ میں ثابت اور خود آپ کی نسبت **جمع**[1] **اهله ونسائه والناس** روایات میں موجود تو اب مجیب کے قول کے موافق کوئی عقل کا پورا یہاں بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر مرد عورتوں پر تراویح فرض نہ ہوتی تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں جمع کرتے اور کیوں وہ تراویح کے لئے جمع ہوتے حالانکہ اس روایت میں الناس کے معنی جمیع الناس لئے جا سکتے ہیں اور مجیب کی

---

[1] باب قیام فی شہر رمضان، ابوداؤد جلد اول ص ۱۹۵ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

کسی روایت میں بھی ایسا لفظ نہیں جس سے جمیع اہل عوالی کوئی مراد لے سکے، علاوہ ازیں حدیث کان[1] الناس یتناوبون من منازلھم ومن العوالی جو صحاح میں موجود ہے اور ارشاد حضرت عثمان فمن[2] احب من اھل العالیۃ ان ینتظر الجمعۃ فلینتظرھا ومن احب ان یرجع فقد اذنت لہ جو موطا امام مالک میں موجود ہے اور خطبہ عید میں بوقت اجتماع حضرات صحابہ کرام حضرت عثمان نے اہل عوالی کو یہ اجازت دی تھی جس پر کسی نے انکار نہیں کیا عدم فرضیت جمعہ مذکورہ کے لئے ایسے دلائل واضحہ ہیں کہ انشاء اللہ کوئی فہیم اس کے تسلیم میں متامل نہ ہوگا، البتہ ہمارے ہر دو مجیب نے لفظ یتناوبون کی بابت جو روایت اولی میں مذکور ہے بزور قوۃ اجتہادیہ زور آزمائی کی ہے جس کی کیفیت عنقریب ظاہر ہوئی جاتی ہے یہاں فقط اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ ابن حجر وغیرہ شراح بخاری اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ارشاد کو اور تالیفات کو جس کا جی چاہے ملاحظہ فرمالیں کہ یہ اکابر ہمارے موافق تحریر فرماتے ہیں یا مجیب کے؟ اور کسی نے بھی یتناوبون سے معنی مخترعہ ہر دو مجیب مراد لئے ہیں۔

بالجملہ ان دلائل واضحہ سے معلوم ہوگیا کہ مجیب کا یہ کہنا کہ اہل عوالی پر جمعہ فرض تھا اور وہ سب کے سب ہر جمعہ کو مدینہ طیبہ میں حاضر ہوتے تھے محض بے اصل اور مخالف عقل ونقل ہے ہمارے مجیب اوروں کو ڈراتے ہیں اور آپ کچھ بھی خوف خدا نہیں کرتے کہ کیسی خلاف واقع اور بے دلیل باتیں امور شرعیہ میں ایجاد کر رہے ہیں کیا غضب ہے کہ ایسی تصریحات کو چھوڑ کر اتنی بات سے کہ اہل عوالی مسجد نبوی میں جمع ہوتے تھے فرضیت ثابت کر دی کاش کسی روایت میں اگر جمیع اہل عوالی کا مجتمع ہونا بھی موجود ہوتا تو بھی ہم کو اتنی شکایت نہ ہوتی مطلق اجتماع اہل عوالی سے جس سے مراد بعض کا اجتماع ہے فرضیت ثابت کرنا سخت ہرزہ درائی ہے اور یہ بات ہم پہلے ہی عرض کر آئے ہیں کہ اگر تمام باتوں سے قطع نظر کر کے مجیب کی یہ بے اصل بات مان بھی لی جائے تو پھر اتنا ہی ثابت ہوگا کہ اہل عوالی مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر ادائے جمعہ کے مامور ہوں گے عوالی میں جمعہ ادا کرنے کا جواز جو متنازع فیہ ہے ثابت نہ ہوگا ایسے ہی مجیب کا یہ کہنا (کہ[3] اکثر عوالی مدینہ سے تین چار میل پر تھے بلال کی اذان برابر پہنچتی تھی) ادعائے محض ہے حضرت بلال کی اذان کا وہاں پہنچنا معلوم نہیں کس حجت سے ان کو معلوم ہوا اتنی مسافت پر اذان کا برابر پہنچنا عادت اکثریہ اور مشاہدہ روزمرہ کے بالکل خلاف ہے محض اپنے تخمین سے امر خلاف عادت مستمرہ کو محقق مان لینا تحکم بیجا ہے احادیث صحاح میں تو یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نے بوجہ معذوری اپنے گھر میں

۱۔ باب من تجب علیہ الجمعۃ، ابوداؤد جلد اول ص ۱۵۱، مسلم کتاب الجمعۃ ص ۲۸۰ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)
۲۔ الامر بالصلوٰۃ قبل الخطبۃ فی العیدین، مؤطا امام مالک ص ۶۳ (مطبع مجتبائی کانپور)
۳۔ کسر العریٰ ص ۲۰

نماز پڑھ لینے کی آپ سے اجازت لی اور آپ نے اجازت فرمادی تو اس کے بعد میں آپ نے ان سے استفسار فرمایا **هل تسمع النداء بالصلوة** یعنی اذان کی آواز بھی سنتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ سنتا ہوں اس پر آپ نے خلاف اجازت سابقہ ان کو مسجد میں حاضر ہونے کا امر فرمایا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو ابن ام مکتوم کی اذان سننے میں بھی تردد تھا جو خاص مدینہ کے رہنے والے تھے بلکہ غالب یہ امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل استفسار ظن غالب یہی تھا کہ ابن ام مکتوم کے مکان تلک آواز اذان نہیں پہنچتی اس وجہ سے آپ نے اجازت عنایت فرمائی تھی جب ان کے بتلانے سے آپ کو ان کا سننا محقق ہو گیا اس وقت آپ نے حضور مسجد کا حکم فرمادیا اور ہمارے مجیب سلمہ وثوق کے ساتھ اہل عوالی کے حق میں فرماتے ہیں کہ برابر اذان بلال سنتے تھے حالانکہ بعض قریٰ مدینہ طیبہ سے آٹھ آٹھ میل پر واقع تھے سو کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ ان کو اتنی دور اذان کی آواز جاتی تھی علاوہ ازیں حدیث منقولہ مجیب یعنی **الجمعة علی من سمع النداء** کی ذیل میں آپ کے قاضی صاحب ارشاد فرماتے ہیں **والمراد[1] بالنداء المذكور فی الحديث هو النداء الواقع بين يدى الامام فی المسجد لانه الذی كان فی زمن النبوة لاالواقع علی المنارات فانه محدث** جس سے بالبداہت معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی اذان اہل عوالی تلک ہرگز نہ پہنچتی تھی اس کے علاوہ جو عوالی کہ تین چار میل سے زائد فاصلہ پر تھے ان اہل عوالی پر تو مجیب کے اقرار کے موافق بھی حضور مدینہ فرض نہ ہوا حالانکہ یہ امر مصرح اور مسلم ہے کہ عوالی بعیدہ میں سے کسی جگہ بھی اقامت جمعہ کی نوبت نہیں آئی اگر یہ کہا جائے کہ اہل عوالی بعیدہ کو جمعہ کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہونے کا حکم تبرعاً تھا تو اول تو مجیب کے قول کے صریح مخالف کیونکہ ہمارے مجیب زور کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ اہل عوالی پر جمعہ فرض نہ ہوتا تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں جمع کرتے اور کیوں وہ لوگ جمعہ کے لئے مسجد میں آتے) دوسرے **الجمعة علی من آواه الليل** کو بھی تبرع پر اسی طرح حمل کرلیا جائے گا تاکہ اس میں اور **الجمعة علی من سمع النداء** میں تعارض نہ رہے چنانچہ مراسیل ابوداؤد میں روایت موجود ہے **كان[2] الضعفاء من الرجال والنساء يشهدون الجمعة مع النبی صلی الله عليه وسلم ثم لاياوون الی رحالهم الا من العذر من الضعف** اس سے بالبداہت معلوم ہو گیا کہ ضعفا اور عورتیں بھی شریک جمعہ ہوتی تھیں جو دوسرے روز اپنے گھر پر پہنچتی تھی ان کی نسبت تو کوئی ہٹ دھرم بھی یہ نہ کہے گا کہ ان کو حضور جمعہ فرض تھا بلکہ بالیقین

---

۱ نیل الاوطار، الجزء الثالث، باب من تجب علیہ ومن لاتجب ص ۱۰۲ (مصر)

۲ مراسیل ابوداؤد، باب ماجاء فی الجمعۃ ص ۷ (دیوبند)

ایسوں کے حضور کو ہر کوئی تبرع اور استحباب پر بے تکلف حمل کرے گا تو اب روایت **الجمعة علی من اواہ اللیل** اگرچہ ضعیف وغیر معتبر ہے مگر حمل علی الاستحباب کی وجہ سے بلا دقت معمول بہا بن سکتی ہے اور کسی روایت کے معارض نہ ہوگی اور نہ مذاہب سلف میں سے کسی کے مخالف ہوگی اور باوجود ان سب باتوں کے اگر اب بھی کوئی صاحب فرضیت اور لزوم ہی پر اصرار فرمائیں تو وہ جانیں ہاں اتنا خیال فرمالیں کہ اول تو حدیث مذکور ضعیف حتی کہ حضرت امام احمد تو اس کی روایت کرنے کو بھی گناہ سمجھتے ہیں چنانچہ ترمذی میں مذکور ہے دوسری روایات معتبرہ صحیحہ کے معارض ہوگی اور ان کے مقابلہ میں کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ انصاف سے دیکھئے تو ہمارے مجیب نقاد حدیث کا اس کو پیش کرنا اور احادیث صحیحہ سے اعراض فرما کر اس سے ثبوت مدعی کا متوقع ہونا ہی نہایت شرم اور مجبوری کی بات ہے اس روایت کے ذریعہ سے ہمارے مجیب کا یہ حکم یقینی لگا دینا کہ عوالی والے کل صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ کی ادا کرتے تھے ایسی بے اصل بات ہے کہ جس کو مجیب کے ہم مشرب انصاف پسند بھی ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے دیکھئے علاوہ اس بات کے کہ تمام اہل عوالی کا بالالتزام آپ کے ساتھ جمعہ ادا کرنا روایت حدیث واقوال صحابہ کے خلاف ہے کمامر، اس میں ایک خرابی یہ بھی تو ہے کہ عوالی جو مجیب کے خیال کے موافق محل اقامت جمعہ ہیں سب کے سب زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں صلوۃ جمعہ سے بالکل معطل اور خالی رہے اور یہ ایسا امر ہے کہ فقط شرعاً ہی مذموم نہیں بلکہ عادۃً محال بھی ہے لیکن جب تعصب کا غلبہ ہوتا ہے اس وقت بداہۃ عقل اور نصوص شرعیہ کا خلاف اور تحریف سب کچھ سہل نظر آتا ہے خیر اس قصہ کو کوتاہ کر کے اب جملہ ینتابون الجمعۃ کی کیفیت حسب وعدہ عرض کرتا ہوں جس سے اوثق العری میں یہ بات ثابت کی ہے کہ تمام اہل عوالی ومنازل مسجد نبوی میں ہر جمعہ کو حاضر نہ ہوتے تھے اور ہمارے ہر دو مجیب نے اس کی تردید میں جہد بلیغ فرمائی ہے۔

تقریر اوثق العریٰ

اوثق العری کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ امر صراحۃً ثابت ہے کہ تمام اہل عوالی ہر ایک جمعہ کو مسجد نبوی میں حاضر نہ ہوتے تھے بلکہ نوبت بنوبت آتے تھے یعنی بعض حضرات حسب مہلت وفرصت ایک جمعہ میں شریک ہوئے اور بعض حضرات دوسرے جمعہ میں اور جو حضرات اپنے اپنے گھر پر رہتے تھے اور مسجد نبوی میں نہیں آتے تھے ظاہر ہے کہ وہ اصحاب نماز ظہر ادا فرماتے تھے باقی ماندوں نے کبھی اپنے موضع میں جمعہ ادا نہیں کیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اہل عوالی کا یہ عمل در آمد دائمی آپ کو

معلوم تھا بلکہ یہ کہئے کہ آپ کے امر وارشاد کی وجہ سے اہل عوالی ایسا کرتے تھے تو اب کل دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا اہل عوالی پر جمعہ فرض مانا جائے جیسا ہمارے مجیب کا دعوی ہے مگر اس صورت میں فقط اہل عوالی ہی تارک فرض نہ ہوں گے بلکہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تبلیغ احکام واوامر الٰہی میں قاصر کہنا پڑے گا استغفر اللہ ونعوذ باللہ. اور یا یہ کہا جائے گا کہ اہل عوالی پر جمعہ فرض نہ تھا اور یہ نوبت بنوبت آنا ان کا محض تحصیل برکات زیارت اور تعلم مسائل دینیہ کی غرض سے تھا وہوالمطلوب، اور اس امر کے ثبوت کے لئے کہ تمام اہل عوالی ہر ایک جمعہ کو نہ آتے تھے بلکہ نوبت بنوبت تشریف لاتے تھے اوثق العریٰ میں بخاری کی یہ روایت نقل فرمائی ہے عن[۱] عروۃ بن الزبیر عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس یتناوبون الجمعۃ من منازلھم والعوالی اب اس کے جواب میں ہمارے ہر دو مجیب نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی کیفیت سنئے علامہ معترض بحاث نے تو حضرت شوق کے جواب پر اپنی عادت کے موافق حوالہ فرمایا سو ہم نے ان کے ارشاد کے موافق اس کو بھی دیکھ لیا اور ہر دو مجیب کا خلاصہ جواب قریب قریب ہے مجیب بحاث نے البتہ اپنی عادت کے موافق ادھر ادھر بھی کچھ ہاتھ پاؤں چلائے ہیں جو بالکل بے سود اور مجیب موصوف کی خوش فہمی پر دال ہیں اور نیز ان امور کا جواب تفصیل کے ساتھ صفحات بالا میں معروض بھی ہو چکا ہے اس لئے ان فضول باتوں کو ترک کر کے حدیث مذکور منقولہ اوثق العریٰ کے بارے میں جو ان صاحبوں نے خامہ فرسائی کی ہے اس کی کیفیت عرض کرتا ہوں۔

جواب از مجیب بنارسی

مجیب بنارسی کی تقریر کا خلاصہ تو یہ ہے کہ انتیاب کے معنی یہ نہیں کہ بعض اہل عوالی اس جمعہ کو آئے اور بعض دوسرے کو جیسا کہ اوثق العریٰ میں مرقوم ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ پے درپے[۲] لوگ آتے تھے یعنی کچھ لوگ پہلے آئے اور کچھ پیچھے، آ سب جاتے تھے۔

جواب از ابوالمکارم

اور مجیب اعظم گڈھی بھی یہی فرماتے ہیں مگر پے درپے کے یہ معنی نہیں لیتے کہ آگے پیچھے آتے تھے بلکہ پے درپے کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ جس طرح ایک جمعہ کو آتے تھے اسی طرح دوسرے جمعہ کو بھی

[۱] باب من این توتی الجمعۃ وعلٰی من تجب، بخاری جلد اول، ص ۱۲۳ (رشیدیہ دہلی)
[۲] کسر العریٰ ص ۱۹

آتے تھے کیوں نہوا لجھو ن فنون۔

جواب

ہمارے ہر دو مجیب انتیاب کا ترجمہ بحوالہ صراح پیاپے آمدن جونقل کر رہے ہیں یہ تو مسلم کیونکہ قاموس تاج العروس لسان العرب صحاح جوہری مصباح المنیر اور خود صراح میں جو انتاب انتیابا کے معنی اتاہم مرۃ بعد اخری بیان کئے ہیں وہی بعینہٖ پیاپی آمدن کا مطلب ہے مگر پے درپے آنے کا مطلب مجیب بنارسی نے تو یہ گھڑا کہ تمام اہل عوالی دفعۃً نہیں آتے تھے بلکہ آگے پیچھے بدفعات آتے تھے لاحول ولاقوۃ الا باللہ لغت اور محاورہ کی خبر نہ تھی تو اتنا تو سمجھ لینا تھا کہ قریٰ کثیرہ قریبہ بعیدہ سے سب کا مجتمع ہوکر آنا تو بالکل خلاف واقع اور بعید از عقل ہے حضرت عائشہ کو اس کے دفعیہ کی ضرورت ہی کیا تھی دوسرے اس کے دفعہ فرمانے سے کونسا مسئلہ شرعی معلوم ہو گیا خود باشندگان شہر اور اہل جوار مسجد جامع بھی سب جانتے ہیں کہ ایک ساتھ آنے کے نہ مامور ہیں نہ اس کے معتاد بلکہ ہمیشہ اور ہر جگہ یہی ہوتا ہے کہ یکے بعد دیگرے آتے ہیں حتی کہ کسی احمق کو بھی اس میں کوئی خلجان نہیں ہوسکتا پھر معلوم نہیں کہ حضرت عائشہ کو اس ارشاد پر کیا امر داعی ہوا اور مجیب ابوالمکارم نے پے درپے کے معنی یہ تراشے کہ جس طرح ایک جمعہ کو آتے اسی طرح دوسرے کو بھی آتے یہ معنی پہلے معنی سے بھی ماشاء اللہ کچھ عجیب نظر آتے ہیں جس کا پتہ لغت میں لگے نہ استعمال میں، پے درپے تو فارسی بلکہ اردو کا لفظ ہے کوئی بھی اس کے یہ معنی سمجھتا ہے جو مجیب فرما رہے ہیں محدثین زمانہ حال کے نزدیک غالباً تقلید ائمہ لغت بھی ناجائز ہے۔

جواب

ہر دو مجیب نے اپنے اجتہاد بے بنیاد سے لفظ انتیاب کے دو معنی پے درپے ایسے گھڑے کہ جن کو سن کر نفیس الطبع کا دل مالش کرنے لگے تو عجب نہیں اور طرفہ یہ کہ ہر دو مجیب کے معنی بھی باہم مخالف یک دگر ایک زمین کے فرما رہے ہیں تو دوسرے آسمان کے اور اصل بات اتنی ہے کہ تناوب اور انتیاب دونوں نوبت سے ماخوذ ہیں اول تفاعل ہے اور دوسرا افتعال نوبت کے معنی دونوں میں ملحوظ ہیں یتناوبون الجمعۃ اور ینتابون الجمعۃ دونوں کے معنی یہی ہیں کہ اپنی نوبت اور باری پر جمعہ میں حاضر ہوتے تھے اور ینتابون کی تفسیر جو مرۃ بعد اخریٰ یا پے درپے کے ساتھ کی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ فقط آگے پیچھے ہونا کافی ہے بلکہ اس کے ساتھ نوبت کے معنی بھی ضرور ملحوظ ہیں باقی عند القرینۃ بطور مجاز اس کے اطلاق میں

اگر توسع کرلیا جائے تو یہ کسی کو مضر نہ اس کے انکار کی ضرورت اور یہ مضمون ایسا نہیں کہ اہل علم پر مخفی ہو مزید توضیح کے لئے ایک عبارت لسان العرب کی نقل کئے دیتا ہوں وانتاب[1] الرجل القوم انتیابا اذا قصدهم واتاهم مرة اخری وهو ینتابهم وهو افتعال من النوبة وفی حدیث الدعاء یا ارحم من انتابه المسترحمون وفی حدیث صلوة الجمعة کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم ومنه قول اسامة الهذلی شعر اقبّ طرید نتره الفلاة ☆ لایرو الماء الا انتیابا . والنوبة الفرصة والدولة وتناوب القوم الماء تقاسموه شاعر حمار وحش کی توصیف میں کہتا ہے کہ وہ لاغر شکم خشک جنگل کا رہنے والا ہے پانی پینے کے لئے بھی کبھی کبھی آجاتا ہے، اور یہی مضمون شراح بخاری بتفاوت الفاظ بیان فرما رہے ہیں حتی کہ آپ کے امیر المومنین بھی عون الباری میں تحریر کر رہے ہیں ینتابون[2] الجمعة یفتعلون من النوبة ای یحضرونها نوبا بالجملہ تمام کتب لغت اور ارشاد شراح حدیث اس امر پر شاہد ہیں کہ انتیاب نوبت نوبت اور اپنے اپنے باری پر آنے کو کہتے ہیں اور یہ امر اس قدر ظاہر کہ کتاب لغات و حدیث کی عبارات نقل کرنے کی زیادہ حاجت نہیں معلوم ہوتی جس کا جی چاہے دیکھ لے مگر افسوس ہمارے ہر دو مجیب نے آنکھیں بند فرما کر یا الضرورات تبیح المحظورات کو سن کر ایسی بے اصل اور بے ہودہ تفسیر بلکہ تحریف سے کام لیا ہے کہ حیا سے کام لیں تو معلوم نہیں کیا ہو جائے اگر کتب لغت کا مطالعہ یا سمجھنا منظور نہ تھا تو شروح حدیث ہی کو دیکھ لینا تھا کسی نے بھی انتیاب کا وہ مطلب سمجھا ہے جو مجیب بنارسی یا مجیب اعظم گڈھی نے بیان کیا ہے دیکھئے اوثق العریٰ میں جو علامہ ابن حجر کی عبارت منقول ہے اس میں علامہ موصوف کا یہ ارشاد بھی موجود ہے لانہ[3] لو کان واجبا علی اهل العوالی ما تناوبوا ولکانوا یحضرون جمیعا اور بعینہٖ نواب صاحب بھی عون الباری میں اسی کے قائل ہیں علامہ عینی اور فاضل سندی وغیرہ بھی اپنے شروح میں یہی فرما رہے ہیں جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ قول حضرت عائشہ منقولہ اوثق العری کا یہی مدعی ہے کہ بعض اہل عوالی ایک جمعہ کو آتے تھے بعض دوسرے کو صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں کان[4] الناس ینتابون الجمعة من منازلهم ای یحضرونها نوبا وفیه انه لا یجب الجمعة علی من هو خارج المصر ولا یخرجون جمیعا بالجملہ تمام اہل لغت و شراح حدیث ینتابون کے وہی معنی تحریر فرماتے ہیں جو اوثق العری میں موجود

[1] لسان العرب جلد دوم، مادہ نوب ص۲۷۳ (مطبع کبری میریہ بولاق مصر)
[2] نیل الاوطار علی ہامشہا عون الباری جلد۳، ص۱۱۳ (مکتبہ خیریہ مصر)
[3] فتح الباری جلد۲ص ۲۶۳، باب من این توتی الجمعۃ (مصر)
[4] مجمع بحار الانوار جلد ثالث مادہ نوب ص۴۰۰ (مطبع نول کشور لکھنؤ)

ہیں مگراس کا کیا علاج کہ ہمارے مجیب اپنی خوش فہمی اور ہماری خوبی قسمت سے ایسے امر جلی کونظر انداز فرما کر ایجاد بے بنیاد پر کمر بستہ ہو جائیں اور صراح یا قاموس کی عبارت کونقل فرماویں تو فہم مطلب سے بمراحل بعید رہیں اور جملہ افتعال من النوبۃ کا جو صریح ہمارے معنی معروضہ پر دال ہے اصلا خیال نہ فرمائیں اور فقط جملہ پیاپی آمدن کو صراح میں دیکھ کر مجیب بنارسی تو یہ سمجھ بیٹھیں کہ مجتمع ہوکر تو نہ آتے تھے مگر آگے پیچھے تمام اہل عوالی مدینہ طیبہ میں آکر ہر ایک جمعہ کو مجتمع ہو جاتے تھے اور علامہ ابوالمکارم یہ فرمائیں کہ اہل عوالی جس طرح ایک جمعہ کو آتے تھے اسی طرح ہر ایک جمعہ کو برابر آتے تھے کیا عجب ہے جو تیسرے صاحب یہ اجتہاد فرمائیں کہ پے در پے کا یہ مطلب ہے کہ اہل عوالی جب جمعہ میں آتے تھے تو یکے بعد دیگرے لگاتار چلے آتے تھے بیچ میں سلسلہ منقطع نہ ہوتا تھا مگر ایسی لغویات کو بمقابلہ اہل لغت و عبارات فصحاء وارشادات محدثین کوئی ادنی عاقل بھی نہیں سن سکتا باقی مجیب ابوالمکارم کا یہ فرمانا کہ تناوب اور انتیاب میں فرق ہے اس لئے جس روایت میں یتناوبون موجود ہے اس کا مطلب تو بے شک یہ ہے کہ اہل عوالی اپنی اپنی باری پر آتے تھے مگر علامہ ابن حجر نے اس روایت کی تعیین نہیں فرمائی کہ یہ لفظ کس کتاب کی روایت میں ہے لیکن درصورت ینتابون جو عامہ روایات میں ہے یہ معنی صحیح نہیں اور علامہ ابن حجر نے جو عبارت سابقہ میں یہ فرمایا ہے **لو کان واجبا علی اهل العوالی ماتناوبوا ولکانوا یحضرون جمیعا** یہ ان کا ارشاد درصورت یتناوبون ہے جس کا حال معلوم نہیں کہ کونسی کتاب میں ہے۔ بالکل لغو اور فضول ہے مجیب نے تین باتیں بیان کی ہیں اول یہ کہ تناوب اور انتیاب میں فرق ہے دوسرے علامہ ابن حجر نے جو معنی تحریر فرمائے ہیں ان کا مبنی روایت یتناوبون ہے نہ ینتابون تیسرے لفظ یتناوبون کسی کتاب میں ہم کو نہیں ملا صحیح مسلم و ابوداؤد و نسائی کتاب میں لفظ یتناوبون موجود نہیں معلوم نہیں کہ علامہ ابن حجر نے کس کتاب کی روایت مراد لی ہے مگر تینوں باتیں بے دلیل اور خیالی محض اور مجیب کی بے فہمی پر دال ہیں بحوالہ کتب لغت وشروح حدیث یہ امر ہم عرض کر چکے ہیں کہ تناوب و انتیاب دونوں کے ایک معنی ہیں فعل کا نوبۃ بنوبۃ اور اپنی اپنی باری پر صادر ہونا دونوں میں ملحوظ ہے مجیب جو فرق بیان کرتے ہیں وہ ان کا ادعائے محض ہے اور تفسیر ائمہ لغت اور تشریح اہل حدیث کے بالکل مخالف ہے علی ہذا القیاس معنی بیان فرمودہ علامہ ابن حجر میں یہ تخصیص اور تاویل جاری کرنے کہ اس کا مبنی روایت یتناوبون ہے بالکل غلط ہے علامہ موصوف کے تمام عبارت موجود ہے اس تخصیص فضول کا کہیں پتہ بھی نہیں بلکہ جس روایت کو علامہ نے متن میں لیا ہے اور جس کی شرح فرمائی ہیں اس میں لفظ ینتابون موجود ہے نہ یتناوبون اور علامہ قرطبی نے اسی روایت کے موجب حنفیہ پر مواخذہ کیا ہے اور اسی کا جواب علامہ ابن حجر نے تحریر فرمایا ہے

اس تمام قصہ سے آنکھیں بند کر کے معنی بیان فرمودہ حافظ ابن حجر کو روایت یتناوبون پر محمول کرنا کس قدر فضول اور لغو خیال ہے علاوہ ازیں عبارت مجمع البحار جو ابھی مذکور ہو چکی ہے اس کو ملاحظہ فرمالیجئے اس میں صریح لفظ یتنابون موجود ہے یتناوبون کا پتہ بھی نہیں ایسی لغو تاویلات سے مطلب براری کی توقع رکھنا محض خیال خام اور اپنی بے انصافی اور کم فہمی کو مستحکم کر دینا ہے علاوہ ازیں دیگر شراح بخاری عینی قسطلانی حاشیہ سندہی وغیرہ سب کو باطمینان ملاحظ فرمالیجئے کہ یہ تمام حضرات وہی تحقیق فرما رہے ہیں جو حافظ ابن حجر نے ارشاد فرمایا ہے اور یتنابون کے وہی معنی لے رہے ہیں جس کا ہمارے مجیب کو انکار ہے الغرض مجیب ابوالمکارم کا تناوب اور انتیاب میں فرق کرنا جیسا غلط تھا ویسا ہی معنی بیان فرمودہ حافظ ابن حجر کو خاص تناوب پر حمل کرنا بالکل لغو اور بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔

اب باقی رہا امر سویم یعنی روایت یتناوبون کا اقرار حافظ ابن حجر نے تو کر لیا مگر اس کا کیا علاج کہ مجیب ماہر حدیث کو وہ روایت نہ مسلم میں ملی نہ ابوداؤد اور نسائی میں دستیاب ہوئی سو یہ بات اس قابل تو نہیں کہ کوئی عاقل اس کی جواب دہی کی طرف متوجہ ہو البتہ اس قابل ضرور ہے کہ مجیب کی حالت پر رحم آئے اور ان کے لئے دعا کی جائے کہ حق تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان کو فہم وانصاف عطا کرے اور ان **من العلم لجهلا** کی آفت سے ان کو نجات نصیب ہو افسوس ہمارے مجیب موصوف کو بلا وجہ کتب احادیث کی ورق گردانی کی مشقت اٹھانی پڑی مجیب کا جتنا وقت مسلم ابوداؤد نسائی کے مطالعہ میں صرف ہوا کاش اگر وہ وقت بلکہ اس سے کم علامہ ابن حجر کی عبارت منقولہ اوثق العریٰ کے سمجھنے میں صرف فرماتے تو خود بھی اس خبط عشواء میں مبتلا نہ ہوتے اور علامہ ابن حجر بھی ان کے اس بے ہودہ مواخذہ سے محفوظ رہتے اگر کسی اپنے ہم مشرب فہیم سے ہی دریافت فرمالیتے تو غالباً اتنی بات تو وہ بھی مجیب کو بتلا دیتا کہ علامہ ابن حجر نے جو فی روایۃ یتناوبون فرمایا ہے حاشا وکلا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حدیث کی کسی دوسری کتاب میں یہ لفظ موجود ہے بلکہ بالبداہتہ اس کا یہہ مطلب ہے کہ خود بخاری کے بعض نسخوں میں یتنابون کی جگہ یتناوبون مروی ہے چنانچہ علامہ رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری میں یتناوبون ہی کو فہرست لغات بخاری میں ذکر فرمایا ہے اور جملہ شراح بخاری عینی قسطلانی وغیرہ بھی حافظ ابن حجر کے موافق ہیں اور مثل حافظ ابن حجر سب حضرات بعض نسخ بخاری میں لفظ مذکور کا نشان دے رہے ہیں دیکھئے ہمارے مجیب بحاث نے اپنی جان چھڑانے کو اول تو یہ فرمایا کہ انتیاب وتناوب میں فرق ہے اور استدلال مذکورۂ اوثق العریٰ درصورت تناوب تسلیم کر لیا جب دیکھا کہ اس سے بھی جان نہیں بچتی کیونکہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی موجود ہے تو پھر یہ کہہ دیا کہ حافظ ابن حجر کا یہ ارشاد قابل تسلیم نہیں ہم کو مسلم ابوداؤد ونسائی میں یہ

روایت نہیں ملی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کوئی مجیب بحاث سے پوچھے کہ صاحب اول تو اوثق العری کی استدلال کو خاص لفظ تناوب پر مبنی فرمانے کی کیا وجہ ہے خدا کے لئے کوئی دلیل تو فرمایئے آپ کا دل چاہے تناوب لے لیجئے خواہ انتیاب کو پسند فرمالیجئے استدلال اوثق العریٰ ہر دو صورت میں صحیح اور واجب التسلیم ہے حسب بیان ائمہ لغت و اکابر محدثین تو دونوں صورتوں میں اصلا فرق نہیں ہاں لغت جنی میں اگر وہ تفاوت ہو جس کو ہمارے مجیب بیان فرمارہے ہیں تو ہم کو خبر نہیں دوسرے بشرط تسلیم تفاوت روایت تناوب کے غیر معتبر ہونے کی جو وجہ ہمارے مجیب تحریر فرمارہے ہیں بالکل جسارت بے جا ہے تعجب ہے کہ حضرت مجیب علامہ ابن حجر کی عبارت سمجھنے میں سخت غلطی کریں اور الزام علامہ موصوف کے ذمہ لگایا جائے وہ فرما رہے ہیں کہ بعض نسخ بخاری میں بجائے یتنا بون لفظ یتناوبون موجود ہے اور علامہ ابوالمکارم مسلم ابوداؤد کی ورق گردانی فرما کر علامہ کے قول کی تغلیط کرنے کو موجود ہو جایں اگر بالفرض علامہ ممدوح کے ارشاد کا وہی مطلب ہوتا جو ہمارے مجیب نے اپنے ذکاوت سے سمجھ لیا ہے تو بھی ایک دو کتاب حدیث کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس کی تغلیط کرنی نہایت سخیف اور لغو امر تھا چہ جائے کہ مجیب خود غلط مطلب سمجھ کر علامہ ابن حجر کے ارشاد کا انکار فرمارہے ہیں جو بشرط انصاف نہایت شرم وندامت کی بات ہے اور اگر یہ فرمادیں کہ بخاری کے کون سے نسخے میں ہے تو ایسی خرافات کو کون سن سکتا ہے اب تو دیکھئے حافظ ابن حجر کے سیکڑوں حوالے غلط ہو جائیں گے۔اور یہ تعیین بھی ہو جائے گی تو پھر غالبًا یہ ارشاد ہوگا کہ نسخہ میں جب تک نہ دیکھ لیں اس وقت تک حافظ ابن حجر کا ارشاد مقبول نہیں ہو سکتا نعوذ باللہ من التعصب ، اور طرفہ یہ کہ ابن حجر کا ہی فقط یہ ارشاد نہیں بلکہ عینی وقسطلانی وغیرہ شروح بخاری میں بھی روایت یتناوبون کو بیان فرمارہے ہیں اب ہمارے مجیب خوب متوجہ ہو کر سنیں کہ کلمہ یتناوبون بخاری ہی کی روایت میں موجود ہے مسلم وغیرہ میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں عینی فتح الباری قسطلانی نے اس کی تصریح فرمادی ہے اور مقدمہ فتح الباری میں اس کلمہ کو فہرست لغات بخاری میں تحریر فرمایا ہے اور بخاری شریف مطبوعہ بمبئی معری قدیم میں بھی اس نسخہ کو لکھا ہے اور یہ بھی خوب سمجھ لیں کہ درصورت یتنا بون اور یتناوبون معنی اور مطلب ایک ہی ہے جملہ شراح بخاری حتی کہ آپ کے امیر المؤمنین نواب صاحب بھی یہی تحریر فرمارہے ہیں اب جو کچھ فرمانا ہو فرمایئے مگر خدا کے لئے فہم انصاف سے کام لیجئے ، یہ نہ ہو کہ بلا وجہ محض استدلال اوثق العری سے جان بچانے کو اقوال ائمہ لغت اور اقوال محدثین کو پس پشت ڈال کر اجتہاد بے بنیاد سے کام لیا جائے بلکہ اولٹا اقوال اکابر کو غیر معتبر اور غلط فرمانے کو موجود ہو جائیں ایسی باتوں سے بجز اس کے کہ ناظرین اہل فہم و انصاف لاحول اور استغفار پڑھیں اور کوئی نفع نہیں معلوم ہوتا۔

تقریر جواب از جانب ہر دو مجیب

اس کے بعد ہر دو مجیب فرماتے ہیں کہ اگر یتنا بون[1] کے وہی معنی لئے جائیں جو اوثق العری میں مذکور ہیں تو بڑی خرابی یہ لازم آئے گی کہ اب خاص اہل مدینہ پر بھی جمعہ فرض نہ ہوں گے کیونکہ حدیث مستدلۂ اوثق العری میں یتناوبون الجمعة من منازلهم والعوالی موجود ہے جس میں عوالی کو منازلھم پر عطف فرمایا ہے اور منازل سے مراد یہاں خاص منازل مدینہ ہیں کیونکہ مدینہ طیبہ کے ارد گرد کی کل بستیاں تو عوالی میں آچکیں تو اب یہ مطلب ہوگا کہ جیسا اس حدیث سے اہل عوالی کی نسبت عدم وجوب جمعہ ثابت ہوگا ویسا ہی اہل مدینہ کے حق میں عدم وجوب جمعہ ماننا پڑے گا جو باتفاق باطل اس تقریر کے بعد علامہ بنارسی فخر کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں اب امید ہے کہ آپ خود سمجھ جائیں گی کہ اہل عوالی پر بھی جمعہ فرض تھا۔

جواب

اقول ہر چند ہمارے ہر دو مجیب کا اس جواب میں متفق ہونا بظاہر نظر موجب تقویت جواب معلوم ہوتا ہے مگر جو حضرات ہمارے ہر دو مجیب کے حالت سے واقف ہوں گے انشاء اللہ وہ تو اس اتفاق وتوارد کو دیکھ کر ہی کھٹک جائیں گے اور سمجھ جاویں گے کہ ضرور یہ جواب غلط ہوگا کیونکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جو امر فرادی فرادی میں ہوتا ہے بوقت اجتماع اس امر میں دو بالا تقویت وترقی ہو جاتی ہے خیر اتنی بات تو ہر کسی نے سمجھ لی ہوگی کہ منازل وعوالی کے عطف میں تو کوئی کلام ہی نہیں مگر کل دارو مدار صرف اس بات پر ہے کہ ہر دو مجیب نے منازل سے مراد اہل مدینہ کے گھڑ لئے ہیں جس کی بنا پر یہ طمطراق ہے سو بوجہ ناواقفیت کوئی اس کو مان لے تو میں کچھ عرض نہیں کرتا ورنہ کوئی عاقل ایسی لغویات کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا اول تو دیکھ لیجئے علامہ قسطلانی اور خود نواب صاحب عون الباری میں منازلھم کی شرح میں القریبة من المدینة تحریر فرماتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ منازل سے بیوت مدینہ ہرگز مراد نہیں بلکہ وہ مقامات مراد ہیں جو مدینہ طیبہ کے قریب اور مدینہ سے خارج ہیں علاوہ ازیں شروح حدیث موجود ہیں ملاحظہ فرمالیجئے جو کسی نے بھی منازل سے بیوت مدینہ مراد لئے ہوں سو جب یہ امر معلوم ہوگیا کہ علماء حدیث منازل سے مقامات خارج از مدینہ مراد لیتے ہیں نہ بیوت مدینہ تو ہر دو مجیب کا جواب غلط ہوگیا ہاں اگر مجیب یہ امر

[1] کسر العریٰ ص ۱۹، ہدایۃ الوریٰ ص ۱۰

ثابت کر دیں کہ کسی نے منازل سے بیوت مدینہ مراد لئے ہیں تو مضائقہ نہیں کہ اس وقت ہمارے سامنے اس کو پیش فرما دیں اور جواب کے طالب ہوں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو یہی کریں کہ صاف لفظوں میں یہ فرما دیں نواب صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے ہوس من الهوسات ہے تا کہ یہ تو معلوم ہو جائے کہ یہ جہالت کی حق گوئی حنفیہ ہی کے مقابلہ میں ہے یا موافق مخالف سب کے مقابلہ میں کار آمد ہے مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ جو عنایات حنفیہ کے حال پر ہیں وہ نہ سہی لیکن نواب صاحب اور جملہ محدثین کے قول وارشاد پس پشت ڈالنے میں ان کو کچھ بھی تامل نہ ہوگا چنانچہ مکرر یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ قاضی صاحب کہ جن کا لقب مجتہد مطلق ہے اور نواب صاحب جن کا خطاب امیر المومنین تھا اور محدثین کو جن کے اتباع پر بڑا ناز تھا بلا وجہ ان کے ارشادات کی اس بے دردی اور بے باکی سے تغلیط اور مخالفت کی گئی ہے کہ بے اختیار حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا قول یاد آ گیا ہے ؎

چناں قحط سالی شد اندر دمشق کہ یاران فراموش کردند عشق

اس لئے ہم یقیناً سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارے مجیب چھوٹتے ہی یہ فرما دینگے کہ جب ارد گرد کی کل بستیاں عوالی میں شامل ہو گئیں تو اب منازل کا مصداق بجز بیوت مدینہ اور کیا ہوگا جس کو ہر دو مجیب جواب لا جواب سمجھ رہے ہیں اگر چہ اس بے فہمی اور سینہ زوری کے مقابلہ میں مناسب تو یہی ہے کہ ہم بھی یہ عرض کریں کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہرگز ضروری نہیں بسا اوقات عطف تفسیری بھی ہوتا ہے اس لئے کیا حرج ہے جو عوالی کو منازل کے لئے تفسیر کہا جائے یا یوں کہئے کہ منازل سے حسب تشریح محدثین قریٰ قریبہ مراد ہیں اور عوالی سے جملہ قری قریبہ و بعیدہ مراد ہیں تو اب عطف عام علی الخاص ہو جائے گا جو بلا نکیر جائز ہے مگر واقعی بات پوچھئے تو یہ ہے کہ ہر دو مجیب بوجہ ناواقفیت وظاہر پرستی یہ خیال پکائے ہوئے ہیں کہ عوالی مدینہ طیبہ کے ہر چہار طرف کے دیہات کو کہتے ہیں اور یہ بات ایسی غلط اور بدیہی البطلان ہے کہ اس کا قائل کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہو سکتا **الا بوجه ليس فيه حياء** نواب صاحب عون الباری میں فرماتے ہیں **العوالی**[1] **جمع عالية مواضع و قرى شرقي المدينه** حافظ ابن حجر فرماتے ہیں **والعوالی**[2] **عبارة عن القرى المجتمعة حول المدينة من جهة نجدها واما ما كان من جهة تهامتها فيقال لها السافلة** غضب ہے کہ ہمارے مجتہد صاحبوں کو خبر تو خاک بھی نہیں اور اکابر کی تغلیط کرنے کو مستعد اور حیا ندارد اور انصاف مافش اور یہی مضمون عینی

---

[1] نیل الاوطار جلد ۳ علی حامشہا عون الباری ص ۱۱۳ (مکتبہ خیریہ مصر)

[2] فتح الباری المجلد الثانی، کتاب المواقیت ص ۳۹ (مکتبہ الریاض الحدیثیہ)

وغیرہ شروح حدیث اور کتب لغت میں مصرح موجود ہے اگر ہمارے عرض کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہ ہوتو کتب لغت وحدیث کو ملاحظہ فرمالیں اور کچھ دیر کے لئے بتکلف ہی سر نیچا کر کے بیٹھ جائیں۔ پھر اس بدفہمی اور یاوہ گوئی پر وہ جوش فخر ومسرت اکابر کے مقابلہ میں ظاہر کیا جاتا ہے کہ کہ تکادتمیز کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے کسی نے سچ کہا ہے ؎

آنکس کہ نداندو بداند کہ بداند　　　در جہل مرکب ابدالدہر بماند

تقریر اوثق العریٰ

الحاصل یہ امر خوب واضح ہوگیا کہ ارشاد حضرت صدیقہ کا وہی مطلب ہے جو اوثق العری میں فرمایا ہے اور ہر دو مجیب نے جو اس بارہ میں بیان کیا ہے خلافِ عقل ونقل ہے، اس استدلال کے بعد اوثق العریٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ جب یہ امر محقق ہوگیا کہ آپ کے زمانہ میں کبھی عوالی میں جمعہ نہیں ہوا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اہل عوالی نوبت بنوبت صلوۃ جمعہ کے لئے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوتے تھے اور تمام اہل عوالی ہر ایک جمعہ کو مدینہ منورہ میں نہیں آتے تھے تو اب اس سے اہل عوالی پر فقط عدم فرضیت جمعہ ہی ثابت نہیں ہوئی بلکہ بشرط فہم یہ بھی واضح ہوگیا کہ قری محل اقامت جمعہ ہی نہیں ہیں یعنی یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اہل عوالی پر فرض نہ سہی مگر بطور استحباب اگر قری میں جمعہ ادا کرلیا جائے تو مثل عبد ونساء ومسافر اہل عوالی کے حق میں مستحب وافضل شمار ہوگا اور فرض جمعہ ادا ہو جائے گا کیونکہ اگر اہل عوالی کو بطور استحباب بھی اقامت جمعہ کے عوالی میں گنجائش ہوتی تو وہ حضرات شائق حسنات اور دلدادۂ خیرات ایک جمعہ کے ترک کو بھی گوارا نہ فرماتے اور خود حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ان کو اس بارے میں امر ندب فرماتے اس سے صاف ہویدا ہے کہ قریہ محل اقامت جمعہ ہی نہیں چہ جائے کہ ان پر فرض ہوتا۔ پس ان دلائل واضحہ سے ہر اہل انصاف پر مثل آفتاب روشن ہوگیا کہ نہ قری صغیرہ میں جمعہ ادا ہوتا ہے اور نہ ان لوگوں پر اقامت جمعہ واجب ہے اور نہ ان کو ادائے جمعہ کے لئے شہر میں جانا فرض ہے الی آخر کلامہ الشریف۔

اعتراض ابوالمکارم

اس پر مجیب بنارسی نے تو کچھ لب کشائی نہیں فرمائی مگر ہمارے ملا معترض مصداق چپ نشو داور کچھ نہیں تو یہی فرماتے ہیں کہ یہ[1] بات مطلقاً صحیح نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بھی ان اہل قری پر جمعہ واجب

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۱۰

ہے جوشہر سے ایک فرسخ پر رہتے ہیں بلکہ جولوگ جمعہ پڑھ کر شام تک اپنے گھر واپس آسکیں ان پر بھی واجب ہے بلکہ امام ابو یوسف کے نزدیک تین فرسخ تک کے رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت شوق کے جواب میں ان تمام باتوں کا ثبوت گذر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں انتہی بخلاصتہ۔

جواب

ہم نے حضرت شوق کے جواب کا ملاحظہ کیا ہے اور ان امور کا جواب مفصلاً اوراق گذشتہ میں معروض بھی ہو چکا ہے ان کے اعادہ کی ہم کو بھی ضرورت نہیں اور فنائے مصر کے بارے میں مجیب نے روایات مذکورہ کے وجہ سے جو خیال خام پکایا تھا اس کی حقیقت تو معلوم ہو چکی ہے البتہ یہاں کے مناسب اتنا اور عرض کئے دیتے ہیں کہ ولوالجیہ کی روایت جو آپ نے نقل کی ہے اس کو ہمارے امر متنازع فیہ سے تعلق نہیں کیونکہ وہ روایت فناء مصر کی تحدید کے بارے میں ہے اور یہاں امر مبحوث عنہ یہ ہے کہ حضور صلوٰۃ جمعہ کتنی دور کے رہنے والوں پر فرض ہے چنانچہ شامی میں فرماتے ہیں فیہ[1] **ان ما مر عن الولوالجیۃ فی الفناء الذی تصح اقامۃ الجمعۃ فیہ والکلام ھنا فی حدالمکان الذی من کان فیہ یلزمہ الحضور الی مصر لیصلیھا فیہ.** مگر معترض کو ایسے امور کی تکلیف دینی صریح ظلم ہے ہمارے مجیب فہیم حسب عادۃ اصلی اوثق العری کی دلیل سے اعتراض فرما کر کہیں کہیں سے روایات فقہا نقل فرما کر اپنی عقب گذاری کرنا چاہتے ہیں جس کے دیکھنے سے بالکل حرکت مذبوحی کا نقشہ نظر آتا ہے اصل مطلب یہ ہے کہ مجیب ممدوح عوالی میں فرضیت جمعہ ثابت کرنے کے لئے چند اقوال بلا سوچے سمجھے بجواب مولانا ظہیر احسن مجمع الانہر سے نقل فرما چکے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے قول میں مسافت وجوب حضور جمعہ ایک میل ہے کسی نے دو میل اور کسی نے تین میل بیان کیا ہے اور کسی نے بعد فراغ جمعہ رات تک واپس آنے کو پسند کیا ہے اور ان سب اقوال کو کیف ما اتفق نقل فرما کر آخر میں کہتے ہیں کہ جب حنفیہ کے یہاں ان اشخاص پر صلوٰۃ جمعہ فرض ہے جو شہر سے اتنی مسافت پر رہتے ہیں کہ نماز سے فراغت پا کر شام تک اپنے گھر پہنچ سکیں تو پھر اہل عوالی پر صلوٰۃ جمعہ ضرور فرض ہوگی، مگر اول تو یہ کل اقوال عندالحنفیہ ضعیف اور غیر معتبر ہیں چنانچہ عبارت مجمع الانہر میں ان تمام اقوال کو بلفظ قیل منقول فرمایا ہے ہمارے مجیب معترض کا ان روایات کو مذہب حنفیہ قرار دینا بالکل بے اصل اور محض خیال خام ہے اگر ان کو فقہ کی

[1] در مختار جلد اول ص ۶۰۱ (تحت قولہ وقدمنا) مکتبہ ماجدیہ پاکستان

کتب کا حال معلوم نہیں تو فتح الباری عون الباری عینی وغیرہ شروح حدیث کی عبارت تو ان کے سامنے ہے جس کو اوثق العریٰ میں بھی نقل فرمایا ہے قال[1] القرطبی فیه ردٌّ علی الکوفیین حیث لم یوجبوا الجمعة علی من کان خارج المصر الخ، ہمارے مجیب ہی فہم سے قطع نظر فرما کر بشرط انصاف فرمائیں کہ شراح موصوفین کی عبارت مذکورہ سے مذہب حنفیہ وہی معلوم ہوتا ہے جو مجیب لکھ رہے ہیں یا اس کے بالکل خلاف قاضی شوکانی رحمہ اللہ کے ارشاد کو بھی ملاحظہ فرمالیں کہ اس بارے میں مذہب حنفیہ ان کے ارشاد کی موافق کیا ہے ایسے جلی امر کے لئے تو فہم وتدبر کی بھی حاجت نہیں ایمان کی بے شک ضرورت ہے اور کتب فقہ کو دیکھئے تو تصریحات فقہا اس درجہ کو موجود ہیں کہ ان کو چھوڑ کر ان چند روایات ضعیفہ متعارضہ کو پیش کرنا حسب ارشاد رسول اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بکریوں کو چھوڑ کر کتے کا کان پکڑ لینا ہے۔ وفی[2] الخانیة المقیم فی موضع من اطراف المصران کان بینه وبین عمران المصر فرجة من مزارع لا جمعة علیه وان بلغه النداء وتقدیر البعد بغلوة اومیل لیس بشئ هکذا رواه ابوجعفر عن الامامین وهو اختیار الحلوانی وفی التاتار خانیة ثم ظاهر روایة اصحابنا لا تجب الاعلی من یسکن المصر اوما یتصل به فلا تجب علی اهل السواد ولو قریبا وهذا اصح ما قیل فیه وبه جزم فی التجنیس قال فی الامداد تنبیه قد علمت بنص الحدیث والاثر والروایات عن ائمتنا الثلاثة واختیار المحققین من اهل الترجیح انه لاعبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والامیال فلا علیك من مخالفة غیره وان صحح انتهی هکذا فی الشامی. اس عبارت کو ہمارے مجیب ملاحظہ فرمالیں کہ مذہب امام اور صاحبین حسب روایت ظاہر روایۃ اس بارے میں کیا ہے اور مجیب نے اپنے قال اقول میں جو چند قیل نقل کئے تھے وہ لیس بشئ حسب تصریحات اعلام ہیں یا نہیں اور سواء مصر اور اس کی فنا کے اہل سواد وقری پر مطلقاً قریبہ ہوں یا بعیدہ عدم وجوب جمعہ تصریحات محققین سے محقق ہوگیا یا نہیں؟ اس کا کچھ علاج نہیں کہ تمام قطیع غنم میں سے وہی ایک کلب کسی خوش قسمت کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہو۔

اہل انصاف دیکھ لیں کہ قول اصح اور متفق علیہ ائمہ کو چھوڑ کر قول مرجوح ومتروک کو لینا مثال مذکورۂ بیان فرمودہ صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مورد بنتا ہے یا نہیں اور امر محقق اور مطابق حدیث و موافق اثر مصدق بقول ائمہ کے مقابلہ میں لیس بشئ سے حصول مطلب کا متوقع ہونا حرکت مذبوحی کا

---

[1] فتح الباری ج۲ ص۴۹۱، باب من این توتی الجمعة وعلیٰ من تجب (مطبع خیریہ مصر)

[2] درمختار جلد اول، تحت ورجح فی البحر ص۶۰۲ (مکتبہ ماجدیہ پاکستان)

مصداق ہے یا نہیں؟ پھر ایسے لغویات کو جمع کر کے فخر و مسرت کے ساتھ یہ سمجھنا کہ ہم نے اہل حق وکمال کی بات کا پورا جواب دے دیا:

ایں خیال است ومحال است وجنوں

دوسرے اگر روایات منقولہ مجیب کے مرجوح ومتروک ہونے سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر کے لئے ان کو معتبر اور معمول بہا عندالحنفیہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر اس کی کیا وجہ کہ منجملہ روایات مذکورہ فقط ایک روایت کو جس میں شام تک لوٹ آنے کا اعتبار کیا ہے مجیب نے معین فرما کر اس سے فرضیت جمعہ اہل عوالی پر ثابت کرنا چاہا ہے اگر اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض نے اس کی تحسین فرمائی ہے اور نیز احوط بھی ہے تو بقیہ اقوال بھی بعض کے نزدیک پسندیدہ ہیں بلکہ بعض کو بعض علماء مختار ومفتی بہ تلک ارشاد فرمارہے ہیں اور نیز یہ اقوال اس قول کی نسبت اسہل علی الناس بھی ہیں مجیب نے ایک تو سینہ زوری یہ کی کہ قول معتبر معمول بہ کے مقابلہ میں بعض روایات غیر معتبرہ متروکہ سے مطلب براری کا کام لیا اس کے بعد یہ شوخ چشمی کی کہ ان روایات متروکہ میں سے کہ جو باہم بھی متضاد ہیں ایک کو اپنے مفید مطلب سمجھ کر خود بخود مذہب حنفیہ قرار دے کر تمام جہاں کو ملزم بنانے کو تیار ہو گئے سچ ہے الغریق یتشبث بکل حشیش، بالجملہ روایت حدیث واقوال اکابر و مذہب حنفیہ میں کہیں اس امر کا پتہ نہیں کہ جمیع اہل عوالی وقریٰ ہر ایک جمعہ کو مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تھے یا ان کے ذمہ وہاں حاضر ہونا ہر جمعہ کو فرض تھا بلکہ اس کے خلاف پر دال ہیں چنانچہ مشرح مذکور ہو چکا ہمارے مجیب ابوالمکارم اور محدث بنارسی نے جو کچھ اپنے طبعزاد اجتہادات فرمائے ہیں سب لغو اور بے اصل اور شراح حدیث واقوال علما کے مخالف اور لغت عرب کے خلاف ہیں اور اوثق العریٰ میں جو جو تحریر فرمایا ہے حق صریح اور واجب التسلیم ہے۔

جواب اوثق العریٰ

اب اس کے بعد یہ عرض ہے کہ فتویٰ مذکورہ بالا میں بعض مفتیان اہل حدیث نے آیت یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ [1] کو اپنے استدلال میں پیش کیا ہے۔ اور فرمایا تھا کہ اس آیت میں چونکہ کسی قسم کی تخصیص نہیں اس لئے معلوم ہو گیا کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی کی ضرورت نہیں الخ۔ اس کے جواب میں اوثق العریٰ میں چند امور بیان فرمائے ہیں اول تو یہ کہ حدیث طارق ابن شہاب کے وجہ سے خود حضرات اہل ظاہر بھی مریض مملوک

---

[1] سورۃ الجمعۃ آیت ۹

امراۃ صبی کو عموم آیت مذکورہ سے مخصوص فرمارہے ہیں جس سے عموم آیت مذکورہ بحال خود نہ رہا دوسرے مسافر بھی اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ بعض روایات میں موجود ہے اور اہل صحرا بھی عموم مذکور سے مخصوص ہیں چنانچہ عرفات میں زمانہ حجۃ الوداع میں آپ نے نماز جمعہ وہاں نہیں پڑھی اور نیز تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ صحرا و میدان محل اقامت جمعہ نہیں تیسری یہ بات محقق اور مسلم ہو چکی ہے کہ آپ کے زمانہ میں عوالی وغیرہ قری میں کبھی جمعہ قائم نہیں ہوا اس لئے اہل قری بھی عموم آیت سے مستثنیٰ ہیں پس مجیب کا استدلال عموم آیت سے ہمارے مقابلہ میں ہرگز درست نہیں الی آخر مقالتہ الشریفہ۔

جواب مجیب بنارسی

اس کے جواب میں ہمارے دونوں مجیب نے اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیا مجیب بنارسی نے اس امر کو تو تسلیم کرلیا کہ آیت اپنے عموم پر نہیں اور مریض وغیرہ اس سے مخصوص ہیں البتہ دو امر میں ان کو کلام ہے اول تو یہ فرماتے ہیں کہ جیسے مریض وغیرہ کی تخصیص روایت سے ثابت ہے ایسے ہی اہل قریٰ[1] کے بارے میں کوئی روایت مخصص ہو تو لائیے۔

جواب

سو اس کا اول جواب تو یہ ہے کہ اوثق العریٰ میں مکرر یہ ارشاد موجود کہ بوقت ہجرت آپ کا قبا میں نماز جمعہ نہ پڑھنا اور اہل قباء کو حکم اقامت نہ فرمانا اور مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی جمعہ پڑھنا اور جملہ عوالی میں تمام زمانہ نبوت اور عصر خلافت میں کبھی جمعہ کا قائم نہ ہونا ایسی دلائل قطعیہ ہیں کہ حدیث طارق ابن شہاب سے بشرط انصاف وفہم بدرجہا قوی تر ہیں پھر جب ہمارے مجیب نے آیت مذکور کی تخصیص متعدد امور میں حدیث طارق ابن شہاب سے ابتداً تسلیم فرمالئے تو اب امور قطعیہ مذکورہ بالا سے تخصیصات مذکورہ کے بعد بھی کیا کوئی ادنی عاقل تخصیص اہل قریٰ میں متامل ہوسکتا ہے اس کے سوا اہل عوالی کا بروز جمعہ مسجد نبوی میں اپنی اپنی نوبت اور باری پر حاضر ہونا ہماری تخصیص کے لئے کتنی قوی دلیل ہے دوسری حدیث حضرت علی **لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع** جو مرفوعاً وموقوفاً مروی ہے، عموم سے اہل قریٰ کو تخصیص کرسکتی ہے تیسرے حضرت عثمان کا مجمع صحابہ میں اہل عوالی کو قبل از وقت جمعہ لوٹ جانے کی اجازت دے دینا کمامر۔

---

[1] کسر العریٰ ص ۲۰

اعتراض مجیب بنارسی

دوسرا امر جس میں مجیب ممدوح نے کلام کی ہے یہ ہے کہ عرفات میں حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعہ ادا نہ فرمانے کی وجہ اوثق العری میں یہ بیان فرمائی تھی کہ عرفات صحرا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگل میدان میں اقامت جمعہ درست نہیں سو مجیب بنارسی نے اس پر کوئی اعتراض تو نہیں کیا مگر یہ فرماتے ہیں کہ آپ[1] نے عرفات میں جمعہ اس لئے نہیں پڑھا کہ آپ مسافر تھے اور نیز آپ کو دونوں نمازوں کا جمع کرنا اور تعلیم امور حج مقصود تھا اگر آپ ظہر و عصر کو جمع نہ فرماتے تو لوگوں کو کیسے معلوم ہوتا کہ یہاں دونوں نمازوں کا جمع کرنا درست ہے۔ انتھے

جواب

ہمارے مجیب کو اس موقع پر سخت خلجان لاحق ہے جس کو اہل فہم خوب سمجھتے ہیں مگر جب مجیب کوئی امر مفصل بیان نہیں فرماتے ہم بھی اس سے اغماض کر کے اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ یہاں دو امر واقع میں آپ سے محقق ہوئے ایک جمع بین الظہر والعصر وقت واحد میں جس سے مطلب اوثق العری کا کوئی تعلق نہیں مجیب نے صرف بات کو طول میں ڈالنے اور اپنی عقب گزاری کی وجہ سے زبردستی اپنے جواب میں اس کا ذکر کر دیا، دوسرے جمعہ کا عرفات میں نہ پڑھنا اور اس کی جگہ ظہر کا ادا فرمانا جو ہم کو مطلوب ہے، اب مجیب کے جواب کی حقیقت عرض کرتا ہوں جو انہوں نے بزعم خود ارشاد اوثق العری کے مقابلہ میں تحریر فرمایا ہے۔

دیکھئے اول تو یہ فرماتے ہیں کہ جمعہ عرفات میں آپ نے اس لئے نہیں پڑھا کہ آپ مسافر تھے یعنی قصہ عرفات سے جو اوثق العری میں یہ امر ثابت کیا تھا کہ صحرا محل اقامت جمعہ نہیں یہ صحیح نہیں بلکہ بوجہ عذر سفر آپ نے جمعہ کو ترک فرمایا تھا مگر اس میں بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ وجہ خاص اہل مدینہ کے بارے میں جاری ہوسکتی ہے اہل مکہ کے حق میں تو جیہ بیان کردۂ مجیب ہرگز نہیں بن سکتی چنانچہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصفی میں فرماتے ہیں[2] اما قریہا یا شہر پس شرط جمعہ است بجہتہ آنکہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بدو جمعہ نمی بود و با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعی کثیر از اہل مکہ در عرفہ بودند ایشانرا بجمعہ نفرمودند و سفر اگر عدم تحتم در حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واہل مدینہ می تواند شد در حق اہل مکہ علت نمی تواند شد الا

---

[1] کسر العریٰ ص ۲۰

[2] مصفی باب التشدید علیٰ من ترک الجمعۃ بغیر عذر، ص ۱۵۲ (مطبع فاروقی دہلی)

بودن ایشان درصحرا الی آخر کلامہ الحق۔ اس ارشاد سے صاف معلوم ہوگیا کہ عرفات میں آپ کے اور تمام اصحاب کے جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ صحرا میں اقامت جمعہ درست نہیں سفر کو عدم اقامت مذکورہ کی وجہ بیان کرنا غلط ہے کیونکہ وہ سب کے حق میں جاری نہیں ہوسکتے علاوہ ازیں سفر مسقط وجوب جمعہ ہے نہ مسقط استحباب وافضلیت اسلئے یہ امر بھی مستبعد نظر آتا ہے کہ بلاوجہ اس افضلیت کو تمام شائقین افضلیت بالکلیہ ترک فرمادیں وہی خطبہ اور دورکعت جو آپ نے پڑھا جمعہ کے لئے بھی کافی ہوسکتا تھا فقط نیت کی حاجت تھی اس کے سوا جو عاملان حدیث مسافر پر بھی جمعہ فرض فرماتے ہیں ان حضرات کے مسلک کے مطابق مجیب کی یہ توجیہ کیونکر صحیح ہوسکتی ہے اور اگر ہمارے مجیب ان صاحبوں سے متفرد ہیں تو صاف تحریر فرمائیں اور صرف سابق ہی کے دو اعتراضوں کا جواب عنایت فرمادیں، اس کے بعد مجیب نے جو ترک جمعہ فی عرفات کی دوسری وجہ تحریر فرمائی ہے وہ ماشاء اللہ اور بھی عجیب ہے فرماتے ہیں، نیز آپ کو دونوں نمازوں کا جمع کرنا مقصود تھا اور حج میں تعلیم ارکان وسنن حج کی مقصود تھی اگر آپ نماز ظہر وعصر جمع نہ کرتے تو لوگوں کو کیسے معلوم ہوتا کہ یہاں دونوں نمازیں جمع کرنا درست ہیں، انتہی۔ ہمارے مجیب کے تینوں فقرے عجیب ہیں ایک فقرہ بھی افسوس درست نہیں، یہ امر ہم ابھی صاف طور پر عرض کر چکے ہیں کہ جمع بین الصلوتین سے استدلال مذکورہ اوثق العری کو تعلق نہیں بلکہ عرفات میں ظہر پڑھنا اور صلوۃ جمعہ نہ پڑھنا صرف یہ ہمارا مدعی ہے اس کے جواب میں مجیب کا یہ فرمانا (نیز آپ کو دونوں نمازوں کا جمع کرنا مقصود تھا) بالکل سوال از آسمان وجواب از ریسماں کا مصداق ہے ہم کو اس جمع میں کب کلام ہے ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ آپ نے اور تمام موجودین عرفات نے جمعہ کیوں نہ پڑھا اس کی جگہ ظہر کیوں پڑھا گیا اگر عرفات میں دونوں نمازوں کا جمع کرنا فرض اور ضروری ہی تھا تو جمعہ اور عصر کو جمع کر لینا تھا بجائے جمعہ کے ظہر ادا کرنے کے اس جمع کے لئے کیا ضرورت تھی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عرفات چونکہ صحرا ہے اس لئے وہاں کسی نے جمعہ نہ پڑھا جس سے صحرا کا محل اقامت جمعہ ہونا باطل ہوگیا وہوالمطلوب، اس کے بعد دوسرا جملہ یعنی آپ کو وہاں تعلیم مناسک حج مقصود تھا ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جملہ سے عرفات میں جمعہ نہ پڑھنے کی کونسی وجہ معلوم ہوئی کچھ عجیب خبط ہے جو ہمارے مجیب کو پیش آرہا ہے بلکہ اس فقرہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے مجیب رحم اللہ علی حالہ نے گو کسی مجبوری کی وجہ سے یہ فرمادیا کہ عرفات میں جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ سفر تھا مگر خود ان کو بھی اپنے اس قول میں کوئی خطرہ اور اندیشہ لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے مناسک حج کی طرف اس کو منسوب کرنا چاہتے ہیں سو اگر یہ بات ہے تو ہماری طرف سے اجازت ہے کہ مجیب اپنے قول اول سے صاف رجوع کر جائیں اور اس سے انکار کے بعد جیسے عرفات میں عدم اقامت جمعہ کی وجہ سفر کو فرما

چکے ہیں ایسے ہی صاف لفظوں میں یہ فرمادیں کہ عدم اقامت مذکور کی وجہ حج تھا ہم اس کا جواب عرض کرنے کو بھی بخوشی تیار ہیں بے سوچے سمجھے بحالت تحیر دونوں طرف ہاتھ پھیلانے سے کچھ نفع نہیں ہوسکتا آخر میں مجیب کا یہ فرمانا کہ (اگر آپؐ[1] ظہر وعصر کو جمع نہ فرماتے تو لوگوں کو کیونکر معلوم ہوتا کہ یہاں دونوں نمازوں کا جمع کرنا درست ہے) یہ فقرہ بھی بالکل بے سود اور مجیب کے حالت تحیر پر رحم دلانے والا فقرہ ہے ہم مکرر عرض کر چکے ہیں اور اہل فہم خود جانتے ہیں کہ مطلب بیان فرمودہ اوثق العریٰ کو جمع بین الصلوٰتین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم اس کے منکر ہمارے مجیب کسی حالت میں صدائے بے آہنگ نکالے چلے جاتے ہیں جس کو خود بھی نہیں سمجھتے بلکہ مجیب کا یہ کہنا کہ اگر آپ نماز ظہر وعصر کو جمع نہ کرتے تو کیسے معلوم ہوتا کہ یہاں دونوں نمازوں کا جمع کرنا درست ہے ان کے مسلک کے موافق درست نہیں کیونکہ مجیب کے نزدیک تو اس جمع بین الصلوٰتین کی وجہ سفر ہے اور حالت سفر میں آپ کا جمع بین الصلوٰتین فرمانا متعدد احادیث میں موجود ہے اور مجیب کے مسلک میں بحالت سفر جس کیفیت سے دونمازیں جمع کی جاتی ہیں یعنی وقت واحد میں بعینہٖ وہی صورت عرفات میں ظہر عصر کے جمع کرنے کی ہے جس کیفیت کو حسب مسلک مجیب حضرات صحابہ بارہا مشاہدہ کر چکے تھے جو تعلیم مسئلہ جمع کے لئے کافی تھا اس لئے اس کی کیا حاجت ہے کہ آپ عرفات میں اور تمام سفروں میں بالالتزام بغرض تعلیم جمع بین الصلوٰتین کر کے دکھلائیں سفر میں جواز جمع بارہا پہلے سے معلوم ہو چکا تھا اگر عرفات میں آپ جمع نہ فرماتے تو بھی کسی طرح کا حرج مسلک مجیب کے موافق نہیں تھا خیر مجیب بنارسی کو تو اس بارے میں جو کچھ فرمانا تھا وہ فرما چکے جس کا جواب بالتفصیل معروض ہو چکا۔

جواب ابوالمکارم

اب علامہ ابوالمکارم معترض بحاث کی سنئے جو بزور قوۃ اجتہادیہ اوثق العری کی عبارت مذکورہ سابقہ کے جوابات غریبہ تحریر فرما رہے ہیں اول فرماتے ہیں کہ آیت[2] **اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الخ** میں عموم دوطرح پر ہیں ایک باعتبار حال دوسرے باعتبار محل اور حدیث طارق بن شہاب سے چونکہ عبدمریض وغیرہ مستثنیٰ ہو چکے ہیں اس لئے عموم آیت باعتبار حال تو جاتا رہا لیکن عموم آیت باعتبار محل علی حالہا باقی ہے کیونکہ کسی روایت سے اہل قری اور اہل صحرا کا مستثنیٰ ہونا ثابت نہیں، انتہی۔

---

[1] کسر العریٰ ص ۲۰

[2] ہدایۃ الوریٰ ص ۱۰

جواب

علامہ ابوالمکارم اوران کے ہم خیال تو غالبًا اس جواب کونہایت محقق مدقق خیال فرماتے ہونگے مگر اہل فہم سے پوچھئے ان کے نزدیک تو ایسا جواب دینا علم وحیا دونوں کو بالکلیہ جواب دے دینا ہے ہماری رائے میں اگرکوئی اس عبارت کودیکھ کر یہ قسم کھائے کہ مجیب ماہر فنون کو عام کی حقیقۃ اوراس کی تعریف کی بھی خبرنہیں تو ہرگز حانث نہ ہوگا کوئی پوچھے کہ جناب عموم محل پرکونسا لفظ آیت مذکورہ میں دال ہے جس سے عموم محل معلوم ہوا غالبًا یہی فرمادیں گے کہ آیت میں کسی مکان کی خصوصیت نہیں مگراول تو اتنی بات سے عموم مکانی سمجھ لینا محض ناواقفیت کی بات ہے دوسرے فی الحقیقۃ آیت مذکورہ تو تخصیص وتعمیم مکانی دونوں سے بلکہ نفس ذکرمحل ومکان سے ہی ساکت محض ہے اس پر بھی آیت کوعموم امکنہ پر حجت ودلیل فرمانا مجتہدین زمانہ حال ہی کا کمال ہے جب آیت میں تخصیص اور تعمیم مکانی دونوں مذکورنہیں تواب فقط عدم ذکر تخصیص مکانی کوعموم امکنہ پر دال کہنا بعینہٖ ایسا ہی ہے جیسا کوئی عدم ذکرتعمیم کی وجہ سے آیت مذکورہ کو تخصیص محل کے لئے حجت بنانے لگے ہمارے مجیب معدن فہم وانصاف جواس کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے قبول فرمالیں۔

علاوہ ازیں اب تو فقط عموم حال اورعموم محل پرہی بس نہ ہوگی بلکہ عموم ساعات اورعموم احوال وغیرہ جملہ عمومات پرآیت مذکورہ دال اورحجت ہوگی بلکہ آیت **وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا**[۱] اورآیت **اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ** وغیرہ آیات میں عموم افراداورعموم امکنہ اورعموم ازمنہ اورعموم احوال وغیرہ سب کچھ لینا پڑے گا اور پھر دیگر نصوص وغیرہ سے ان تعمیمات میں تخصیصات غیرعدیدہ کی بھرمار کرنی پڑے گی جن کا کسی کواہل علم میں سے آج تک خطرہ بھی نہ گذرا ہوگا غالبًا مجیب ابوالعجائب کے خیال میں یہ امرکسی وجہ سے راسخ ہے کہ جب کسی امر کی تخصیص صراحۃً مذکورنہ ہوگی تو ضرور وہاں تعمیم لی جائے گی بلکہ جوامرغیر مذکورہوگا وہ بھی عام ہوگا اس لئے آیت مذکورہ میں چونکہ تخصیص مکانی مذکورنہیں بلکہ سرے سے مکان ہی کا ذکرنہیں تو عموم امکنہ ضرورمراد لینا پڑے گا جس کوکوئی طالب علم بھی تسلیم نہیں کرسکتا یاہمارے مجیب اپنی ظاہر پرستی کی بدولت کہیں یوں سمجھ رہے ہیں کہ جب کوئی حکم جمیع افراد کوشامل اورعام ہوگا تو وہاں عموم امکنہ بھی ضرور لینا پڑے گا مگر یہ بات بھی دعوی بلا دلیل اورصریح البطلان ہے اورمجیب بنارسی کا بھی یہی خیال ہے چنانچہ بذیل حدیث طارق بن شہاب جومجیب موصوف کی تقریر

---

[۱] آل عمران آیت ۹۷

گذر چکی ہے وہ اس امر پر شاہد ہے کہ مجیب بنارسی تعمیم افراد سے تعمیم امکنہ سمجھے ہوئے ہیں سو اول ہمارے ہر دو مجیب کے ذمہ لازم ہے کہ عموم افراد اور عموم امکنہ کے استلزام کی دلیل قابل قبول تحریر فرمائیں اس کے بعد کسی سے خواستگار جواب ہوں ہم کو تعجب ہے کہ ہمارے ہر دو مجیب ہر دو عموم مذکورہ میں تلازم کس وجہ سے سمجھ رہے ہیں کجا عموم افراد اور کجا عموم امکنہ اگر ان کے نزدیک عموم افراد عموم امکنہ کو مستلزم ہے تو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے اور عموم ازمنہ اور عموم احوال وغیرہ عمومات کو بھی مستلزم ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کی وجہ بھی ارشاد ہوا اور نہیں تو اس فرق کی کیا وجہ کہ عموم افراد عموم امکنہ کو تو مستلزم ہے اور عموم ازمنہ وغیرہ کو مستلزم کیوں نہیں خیر ہمارے ہر دو مجیب ماہر فنون تو دیکھئے ان امور کی دلیل لکھتے ہیں یا نہیں ہم ہی اس وقت تبرعاً اتنا اور عرض کئے دیتے ہیں کہ ارشاد لا تدرکہ الابصار[1] سے سب کو معلوم ہے کہ معتزلہ خذلہم اللہ نے نفی رویۃ حق تعالیٰ شانہ پر اہل سنت کے مقابلہ میں استدلال کیا ہے اس کے جواب میں علماء اہل سنت نے یہ فرمایا ہے کہ اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ آیت میں جمیع افراد بصر سے نفی رویۃ مقصود ہے تو پھر بھی عموم اوقات اور عموم احوال کا آیت میں پتہ نہیں لگتا جائز ہے کہ آیت میں جمیع افراد بصر سے رویہ کی نفی کرنا کسی خاص وقت اور خاص حالت کے ساتھ مخصوص ہو اس لئے معتزلہ کا استدلال مذکور ناتمام اور غیر قابل للجواب ہے اب ہمارے مجیب ملاحظہ فرمالیں کہ مثال مذکور سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ثبوت عموم کے لئے کوئی امر جو اس پر دال ہو کلام میں موجود ہونا ضرور ہے یہ نہیں کہ فقط تخصیص اور عدم ذکر سے جس چیز کا چاہو عموم نکال لو اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ کسی موقع پر عموم افراد ہونے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ عموم امکنہ یا عموم ازمنہ وغیرہ بھی ضرور موجود ہوں۔

یہ عجیب ظاہر پرستی ہے کہ کسی کلام کی نسبت لفظ عموم دیکھ کر تمام عمومات متنوعہ پر کلام مذکور کو دال سمجھ لیا جائے خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث طارق بن شہاب اور آیت کریمہ مذکورہ بالا سے غایت ما فی الباب عموم افراد نکلتا ہے خیالات مذکورہ بے اصل کی وجہ سے ان سے عموم امکنہ نکالنا اور حدیث اور آیت کو دال علی عموم الامکنہ کہنا اپنی ناواقفیت اور خوش فہمی پر گواہی دینا ہے اور اس پر کیا موقوف ہے کسی آیت اور حدیث مرفوع سے بھی عموم امکنہ کے ثبوت کی توقع نہ رکھیں البتہ جس کو عموم غیر عموم کی تمیز ہی نہ ہو وہ جو چاہے سو کہے سو ایسوں سے خطاب بھی فضول ہے اور اگر ہم اپنے مجیب کا دل بڑھانے کو تسلیم بھی کر لیں کہ آیت کریمہ جیسے عموم افراد پر دال ہے ویسے ہی عموم محل پر دال ہے تو پھر بھی مجیب کا یہ کہنا کہ آیت کریمہ عموم محل پر علی حالہا باقی ہے بالکل غلط ہے کیونکہ قصہ عرفات سے صحرا کا مستثنیٰ ہونا اور حدیث انتیاب اور ارشاد حضرت عثمان

---

[1] الانعام آیت ۱۰۴

اور حضرت علی کی روایت سے عوالی وقری کا مستثنیٰ ہونا ایسا امر نہیں کہ ہمارے مجیب کے سوا کوئی فہیم منصف مزاج استثناء مذکور میں متردد ہو تماشا ہے کہ مجیب کے نزدیک حدیث طارق بن شہاب سے تو عموم افراد آیت کریمہ کا جاتا رہا مگر عموم محل روایات متعددہ مذکورہ اور اجماع اور اتفاق علماء سے بھی کہ بوادی اور براری میں جمعہ صحیح نہیں مخصوص نہیں ہوسکتا اس منہ زوری کا کیا ٹھکانا ہے اور ہمارے مجیب انصاف کریں گے تو حدیث ام عبداللہ جس کو باوجود شدت ضعف مجیب بنارسی تسلیم فرمارہے ہیں اس سے بھی تخصیصِ محل صاف واضح ہے اور ہم اس موقع پر اشارہ بھی کر آئے ہیں علی ہذا القیاس روایات وآثار متعددہ صحیحہ ضعیفہ کثیرہ اس تخصیص کو ظاہر فرمارہے ہیں جو قوۃ واعتبار میں حدیث طارق بن شہاب سے بمراتب زائد ہیں سو جب یہ امر محقق ہوگیا کہ مریض ومملوک وغیرہ اور اہل صحرا اور اہل قریٰ سب آیت مذکورہ سے مستثنیٰ ہیں تو اب عموم آیت سے وجوب جمعہ اہل قریٰ پر ثابت کرنا قابل سماعت عقلاً نہیں ہوسکتا وہو المطلوب مگر ان امور قطعیہ واضحہ سے آنکھیں بند کرکے مجیب کا پھر بھی یہ کہنا کہ کسی روایت سے اہل قریٰ اور اہل صحرا کا مستثنیٰ ہونا ثابت نہیں دروغ مصلحت آمیز کا پورا مصداق ہے علی ہذا القیاس مجیب کا یہ کہنا کہ جن وجوہ سے اوثق العریٰ میں اہل قریٰ کو مستثنیٰ کیا ہے ان کا جواب مکرر ہوچکا ہے بار باران کا ذکر فضول ہے مثل قول اول دروغ مصلحت آمیز ہے یا قول مشہور ع

مگر موشی بخواب اندر شتر شد

کا مصداق ہے ہمارے مجیب بحاث نے ماشاءاللہ چشم بددور کل پانچ ورق تو اوثق العریٰ کے جواب میں تحریر ہی فرمائے ہیں جس میں اکثر جگہ انکار ولانسلم سے کام لیا ہے اور بہت سے بے ہودہ اعتراضات و الزامات جگہ جگہ تحریر فرما کر اپنے لقب معترض بحاث کا ثبوت دیا ہے اس خوبی پر یہ کہنا کہ تحقیقات اوثق العریٰ کا بھی مکرر جواب دیا ہے ظاہر ہے کہ وہی دروغ الخ یا مگر موشی الخ کا قصہ ہے لیکن اتنی بات مجیب کے کلام سے بالبداہت معلوم ہوتی ہے کہ مجیب نے جواب دینے کا کوئی ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے کہ ایک ہی بار میں تکرار ہو جائے بار بار کی حاجت نہ ہو مگر مشکل تو یہ ہے کہ ایک بار بھی کسی بات کا جواب تمام رسالہ میں نہیں دے سکے باقی یہ امر ظاہر ہے کہ مجیب کی زبان وقلم پر ہمارا کیا زور ہے تاوقتیکہ وہ خود نہ چاہیں ہم ان کے زبان وقلم کو راستبازی پر کیسے مجبور کرسکتے ہیں۔

اس کے بعد یہ عرض ہے کہ اوثق العریٰ میں جو عموم آیت سے مریض مملوک، امرأۃ، صبی، اہل صحرا، مسافر، اہل قریٰ کا مستثنیٰ ہونا بیان فرمایا تھا ان میں سے مسافر کے مستثنیٰ ہونے پر مجیب ابوالمکارم دو اعتراض پیش فرماتے ہیں اول یہ[1] کہ روایت صحیح نہیں دوسرے بعد تسلیم اس سے عموم محل میں تخصیص جاری نہ ہوگی

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۱۰

بلکہ عموم امکنہ علی حالہا باقی ہے غایت مافی الباب عموم حال میں تخصیص ہوگی سوامر اول کی نسبت تو ہم کو اتنا ہی عرض کرنا کافی ہے کہ روایت مذکور حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہؓ اور تمیم داری اور ابن عمر اور مولی آل زبیر سے اسانید متعددہ کے ساتھ مروی ہوئی ہے اور بوجہ تعدد طرق حسب قاعدہ اصول حدیث مذکور معتبر اور مقبول شمار ہوتی ہے اور جمہور سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں اور آپ کے مسلم الثبوت حضرات حتی کہ امیر المومنین نواب صاحب اور خاتم المحدثین قاضی صاحب کا بھی یہی ارشاد ہے اور مجتہد مطلق مولوی شمس الحق اور محدث بنارسی مولوی محمد سعید وغیرہ بھی یہی فرمارہے ہیں باوجود ان سب باتوں کے مجیب ابوالمکارم کا تدین وفہم اگر ان کو استثناء مذکور کے تسلیم کی اجازت نہ دے تو ہم بھی مجبور نہیں کرتے اور اوثق العری کے مطلب میں ان کی اس زبردستی اور سینہ زوری سے بحمد للہ سرمو خلل نہیں آسکتا اوثق العریٰ کی تقریر کا تو مدعا اتنا ہی تھا کہ عموم آیت شریفہ کے بھروسہ پر جو ہم کو دھمکایا جاتا ہے اس کے عموم کی یہ کیفیت ہے کہ مریض مملوک امرأۃ صبی چار کی تخصیص تو حدیث طارق بن شہاب سے ہوگئی اور اہل صحرا کی تخصیص قصہ عرفات واجماع سے اور روایت تمیم داری وغیرہ سے مسافر خاص ہوگیا اور تعامل زمانہ نبوی سے کہ عوالی وغیرہ قریٰ میں کبھی اقامت جمعہ نہیں ہوئی اہل قریٰ بھی عموم مذکور سے مستثنیٰ ہوگئے اب ان تمام امور کے بعد عموم مذکور سے ہم پر حجت لانا کیونکر مفید اور قابل التفات ہوسکتا ہے جائے غور ہے کہ ہمارے محدثین حدیث طارق بن شہاب وغیرہ سے خصوصیات متعددہ عموم آیت میں تسلیم فرما چکے تو اب قصہ عرفات واجماع اور حدیث انتیاب وعمل درآمد زمانہ نبوت وخلافت وروایت حضرت علی وارشاد حضرت عثمان ودیگر روایات مذکورہ بالا سے تخصیص اہل صحرا واہل قریٰ میں تامل فرمانا کس قدر حیرت انگیز وتعجب خیز بات ہے اس پر بھی اگر ہمارے مجیب فقط ایک مسافر کو عموم مذکور سے مستثنیٰ نہ مانیں اور تمام روایات اور اقوال کے مخالفت منظور فرمائیں تو ان کو اختیار ہے استدلال مذکور میں ایک مسافر کی عدم تخصیص سے کونسا خلل آسکتا ہے بلکہ ہم سے پوچھئے تو ہم تو یہ عرض کرتے ہیں کہ ہماری طرف سے اجازت ہے مجیب ممدوح مریض مملوک وغیرہ سب کی تخصیص کا انکار فرمادیں نام بھی بڑا ہوگا اور ان معنی کر کام بھی بڑا ہوگا کہ اوثق العریٰ کی تمام خصوصیات کا انکار ہوگیا مگر یہ یاد رہے کہ تخصیص اہل قریٰ جو ہمارا مقصود ہے اگر اس کا انکار کریں گے بے شک دلیل طلب کی جائے گی اور بے دلیل انکار مذکور ہرگز مسموع نہ ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اوثق العریٰ میں جیسے اور خصوصیات کے مستقل دلائل بیان فرمائے ہیں ویسے ہی تخصیص اہل قریٰ کی دلیل مستقل تحریر کی ہے یہ نہیں کیا کہ تخصیص اہل قریٰ کو دیگر تخصیصات پر متفرع اور قیاس کرلیا ہو جس کی وجہ سے ان تخصیصات کے انکار سے تخصیص اہل قریٰ میں خلل اور نقصان آنے کا خطرہ ہو اس لئے ظاہر ہے کہ

اگر کوئی حجتی لا امتی دیانت وفہم کا خون کر کے تمام خصوصیات مذکورہ بالا کا بھی منکر ہو جائے تو ہماری تخصیص مجوث عنہا میں بحمد للہ سر موخلل نہ آئے گا اوثق العری میں ان خصوصیات کا ذکر تو صرف اسی وجہ سے فرمایا تھا کہ ہمارے مدعیان حدیث کو اعون علی الفہم ہو جائیں اور ان کی وجہ سے تخصیص متنازع فیہ کا سمجھنا سہل ہو جائے اس پر اگر کوئی متعصب الٹا انہیں تخصیصات کا انکار کرنے لگے جو حقیقت میں اپنی بدفہمی کا اقرار ہے تو ہم کو پروانہ ہمارے مدعی کو مضر اس کے بعد مجیب ابوالمکارم مسافر کے استثنا کو تسلیم فرما کر اوثق العریٰ کے ارشاد کا جواب دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ مسافر[1] کا مستثنیٰ ہونا اگر ثابت بھی ہو جائے تو ہم کو کچھ مضرت نہیں کیونکہ ان کے مستثنیٰ ہونے سے آیت کا عموم باعتبار محل علی حالہا باقی ہے اس میں کچھ فتور نہیں آسکتا اس صورت میں اگر فتور آتا ہے تو عموم حال یعنی افراد میں آتا ہے مگر ہم اس کا جواب جو کچھ ابھی ذکر کر آئے ہیں اس کو مجیب بغور ملاحظہ فرمالیں کہ تسلیم اور عدم تسلیم دونوں صورتوں میں مجیب کی اس تقریر سے جواب اوثق العریٰ میں کسی قسم کا نقصان نہیں آسکتا ہمارے مجیب دقیقہ سنج جو اس حال اور محل کے فرق کو بے محل بار بار ذکر فرماتے ہیں بالکل لغو اور فضول ہے خوب توجہ کے ساتھ ہماری عرض کو سن لیں کہ اول تو یہ فرق حال و محل ناواقفیت کا ثمرہ یا دھوکہ کی ٹٹی ہے کیونکہ اوثق العری کی عبارت کا بالبداہت یہ مطلب ہے جس کو ہم بھی مکرر عرض کر چکے ہیں کہ مسافر، امرأۃ، مملوک، اہل صحرا وغیرہ جیسے عموم آیت کریمہ سے مستثنیٰ ہیں ایسے ہی اہل قری بھی مخصوص ہیں اب ہمارے مجیب خود ہی فرمادیویں کہ اس میں تخصیص مکانی ہے یا تخصیص افرادی اس عبارت میں تو مکان کا ذکر بھی نہیں کون نہیں جانتا کہ اہل قری مثل اہل صحرا اور مسافر وغیرہ افراد مکلّفین بالصلوٰۃ میں داخل ہیں تعمیم و تخصیص مکانی میں اس کو شمار کرنا اور اس تعمیم و تخصیص پر اس کو موقوف سمجھنا اس کی وجہ سے مدعائے اوثق العری پر اعتراض کرنا سراسر سخافت رائے اور مغالطہ دہی ہے جب عبارت اوثق العری کا صاف طور سے یہ مطلب ہے کہ جمیع افراد مکلّفین بالصلوۃ میں سے جیسے مسافر مریض اہل صحرا مستثنیٰ ہیں ویسے ہی اہل قری بھی جو بالبداہت افراد مذکورہ اور تعمیم آیت میں داخل تھی خارج ہیں تو اب اس میں یہ خیالی تیر چلا کر کہ قری تو افراد مصلین میں داخل نہیں بلکہ محل صلوۃ ہیں یہ کہہ دینا کہ آیت کریمہ میں دو عموم ہیں ایک باعتبار افراد کے دوسرا باعتبار محل کے اور حدیث طارق بن شہاب سے عموم افرادی جاتا رہا اور عموم محل علی حالہا باقی ہے اور اس کو جواب کافی سمجھ لینا مجتہدین زمانۂ حال کے سوا دوسرا تو کر نہیں سکتا۔ اجی صاحب قری کو آپ محل فرمائیے ہم کو کب اس کا انکار ہے مگر اہل قری تو افراد میں داخل ہیں جیسا کہ مریض مسافر داخل افراد ہیں اگر یہی عقل وفہم ہے تو کل کو ہمارے مجیب بحاث کو یہ بھی

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۱۰-۱۱

کہنا پڑے گا کہ سفر و مرض چونکہ داخل احوال ہیں اس لئے ان کے استثنا سے بھی عموم افراد میں کسی طرح کی تخصیص پیدا نہیں ہوئی البتہ عموم احوال علی حالہا باقی نہ رہا اسی طرح پر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ صبی یعنی طفولیت چونکہ ایک وقت مخصوص اور زمانہ محدود کا نام ہے تو صبی یعنی لڑکے کی تخصیص سے حدیث مذکور میں عموم زمانی جاتا رہا عموم افراد علی حالہا باقی ہے **نعوذ باللّٰہ من الجھل و التعصب.**

مگر اہل عقل تو امر ثانی کے جواب میں جیسا یہ فرمائیں گے کہ سفر و مرض داخل احوال ہوا کریں اور زمانہ صبا داخل اوقات ہوا کرے مگر مسافر و مریض وصبی تو داخل افراد ہیں ایسا ہی امر اول کے مقابلہ میں فرمائیں گے کہ قریٰ گو محل میں داخل ہوں لیکن اہل قریٰ تو داخل افراد ہیں باقی یہ امر عنقریب گذر چکا ہے کہ اگر مجیب کے اس فرق بے اصل کو مان بھی لیا جائے تو مدعائے اوثق العریٰ میں کسی قسم کا خلل نہیں آ سکتا کیونکہ اول تو واقعہ عرفات وغیرہ سے عموم محل بھی جاتا رہا دوسرے جب حدیث طارق بن شہاب کی وجہ سے عموم افراد آیت مذکورہ میں علی حالہا نہ رہا تو حدیث انتیاب وقصہ عوالی وغیرہ امور مذکورہ بالا سے اگر عموم محل جاتا رہا تو اس میں انکار کی کیا بات ہے بالجملہ جواب مذکورۂ اوثق العریٰ ہر طرح سے درست اور صحیح ہے اور مجیب نے جو کچھ خامہ فرسائی کی ہے اس کا خلاصہ علی وجہ منع الخلو یا کم فہمی ہے یا حق پوشی کما مر تفصیلہ۔

اب اس کے بعد دقیقہ سنجان حق پسند کی خدمت میں عرض ہے کہ اس تمام تقریر کا مبنیٰ اور تخصیص و استثناء مذکور کی حاجت جب ہے کہ عمومات نصوص کا مطلب ظاہر نظر کے موافق سرسری طور پر لے لیا جائے اور اگر فکر صائب اور امعان نظر سے کام لیا جائے تو اقرب الی التحقیق اور احق بالقبول یہی امر معلوم ہوتا ہے کہ اہل ظاہر جو عموم آیت کریمہ اور عموم بعض روایات کو اپنا مستدل سمجھ رہے ہیں ان کی جواب دہی کے لئے تخصیص و استثناء مذکورہ کی اصلا حاجت اور نہ عمومات مذکورہ مذہب حنفیہ کے مخالف ہیں چنانچہ عبارت اوثق العریٰ اس بارے میں بلفظہ یہ ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ فرضیت جمعہ پہلے محقق ہو چکی تھی اب جس پر اور جس جگہ جمعہ فرض تھا اور جہاں ادا ہوتا تھا وہ امور سب پہلے معلوم اور محقق ہو چکے تھے اور قبل نزول آیت سب قواعد ممہد ہو لئے تھے پس اس آیت کے اندر جو مومن مخاطب ہیں یہ وہی مومنین ہیں کہ جن پر فرضیت جمعہ مقرر ہو چکی تھی پس اس کے عموم سے کسی کی استثناء کی حاجت نہیں ہے کیونکہ وہ سرے سے داخل ہی نہیں تھی علی ہذا القیاس جو احادیث کہ ان میں عام لفظوں سے وجوب جمعہ بیان کیا گیا ہے ان سب سے وہ لوگ مذکورہ بالا سب کے سب مستثنیٰ ہیں **الی آخر کلامہ الحق.**

اس تحقیق کے دلنشین ہو جانے کے بعد ظاہر ہے کہ عموم آیت یا عموم روایت سے حنفیہ پر الزام لگانا

بالکل بے سود ہے اور نہ حنفیہ کو اس کے جواب دینے کی حاجت والحمدللہ اور ہمارے مجیب نے جو تعمیم حال اور تعمیم محل اپنی ذکاوت سے بیان فرما کر جواب دیا ہے اس کو قابل جواب سمجھنا تو درکنار اس کا سننا بھی کوئی فہیم غالباً پسند نہ کرے گا اس کے بعد مجیب ابوالمکارم واقعہ عرفات سے اہل صحرا کے مستثنیٰ ہونے کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں رہا[1] اہل صحرا کا واقعہ اور حجۃ الوداع سے مستثنیٰ ہونا سو یہ صحیح نہیں جس کی بحث بجواب رسالہ شوق گذر چکی ہے، انتہی۔ چونکہ بجواب مجیب اول ہم اس بحث کو تفصیل کے ساتھ عرض کر چکے ہیں اور ابوالمکارم نے اس موقع پر کچھ تحریر نہیں فرمایا محض جواب رسالہ حضرت شوق پر حوالہ کیا ہے اس لئے ہم کو بھی کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں معلوم ہوتی مگر بنظر بعض مصالح وفوائد یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفصلاً نہ سہی مجملاً ہی علامہ ابوالمکارم کے جواب کی کیفیت ہدیۂ ناظرین کر دی جائے اس لئے ہم نے جواب رسالۂ شوق کو ملاحظہ کیا اس کے ملاحظہ سے بالبداہت معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مجیب بالکل بے دست و پا عالم تحیر و مجبوری میں صرف اس خوف سے کہ تعریف ملا سے کہیں خارج نہ ہو جائیں کچھ فرما رہے ہیں اول تو فرماتے ہیں۔ ممکن ہے کہ خاص اہل مکہ نے وہاں جمعہ پڑھا ہو اس کے بعد فرماتے ہیں ہاں حافظ ابن قیم کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ آفاقی اور اہل مکہ سب نے ظہر و عصر قصراً وہاں پڑھا تھا جمعہ کسی نے نہیں پڑھا جو ان کے پہلے امکان مخترعہ کے صریح مخالف ہے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ حافظ ابن قیم نے جو فرمایا ہے اگر وہ واقعی بات ہے تو استدلال مولف واقعہ عرفات سے پھر بھی ناتمام ہے کیونکہ اس صورت میں ترک جمعہ کی وجہ یا تو نسک کو کہنا ہوگا یا سفر کو اس کے بعد میں لکھتے ہیں مگر حافظ ابن قیم کی تحقیق کے مطابق اس ترک کی وجہ سفر ہی ہے سبحان اللہ کیسی عجیب تقریر ہے کہ غلط ہونے کے سوا مخبوط وغیر مربوط ہونے میں بھی بے نظیر ہے کسی نے سچ کہا ہے۔

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا کچھ ۔۔۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اگر مکارم سے مراد یہی فضولیات ولغویات ہیں تو نعوذ باللہ من المکارم ہم جیسوں کا تو ذکر نہیں مگر میرے خیال میں نہیں آتا کہ کوئی نفیس الطبع لطیف المزاج ایسے خرافات کا دیکھنا اور اس کا جواب دینا بھی گوارا کرے دیکھئے اول تو یہ فرمایا ممکن ہے کہ اہل مکہ نے عرفات میں جمعہ پڑھا ہو جو روایات حدیث اور اقوال اکابر حتی کہ مجیب کے رئس الطائفہ علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم وغیرہ کی تصریحات کے مخالف ہے اور دلیل بالکل ندارد فقط امکان کو سپر بنایا جاتا ہے اب اگر اس امکان کی حقیقت اور کیفیت دریافت کی جاتی ہے تو معلوم نہیں کیا کیا دل خراش صدائیں سننی پڑتی ہیں اس کے بعد کہیں ابن قیم کی عبارت نظر پڑ گئی جو کہ

---

[1] ہدایۃ الوریٰ ص ۱۱

ہمارے مجیب کے امکان کے صریح مخالف ہے تو نشہ میں گونہ تخفیف پیدا ہوئی اور اس بین بین حالت میں ابن قیم کے ارشاد کی نہ تکذیب فرمائی نہ تصدیق فقط یہ کہہ دیا (ہاں حافظ ابن قیم کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ اور جملہ اہل آفاق نے آپ کی شرکت میں ظہر وعصر کو جمع کیا اور جمعہ کسی نے نہیں پڑھا) جو عین ہمارا مدعی تھا اس کے بعد جب مجیب نے دیکھا کہ دلیل تو کوئی اول ہی سے میسر نہ ہوئی تھی حیا وفہم سے اغماض کر کے فقط امکان کی آڑ لی تھی سو ابن قیم کے ارشاد نے اس کو بھی بالکل خاک میں ملا دیا اس وجہ سے سخت تحیر پیش آیا کہ اب کیا کیجئے حافظ ابن قیم کے ارشاد کو مانتے ہیں تو مطلوب ہاتھ سے جاتا ہے اور ان کے کلام کی تکذیب کرتے ہیں تو ایسے مربی دستگیر کی تکذیب کرنی بھی آسان بات نہیں اس لئے تصدیق وتکذیب دونوں سے اعراض فرما کر بین بین طریقہ اختیار کیا اور فرمایا پس اگر واقع میں یہی بات ہے تو اس سے بھی مولف کا استدلال ناتمام ہے اس واسطے کہ اس صورت میں ترک جمعہ کی وجہ یا تو نسک ٹھہرتی ہے یا سفر مطلب یہ ہے کہ عرفات میں ترک جمعہ کیوجہ صحرا نہیں بلکہ نسک ہے یا سفر مگر مجیب کا یہ قول خود انہیں کے کلام سابق کے مخالف ہے جو معروض ہو چکی ہے یعنی مجیب تخصیص مسافر کے منکر ہیں اور مسافر پر وجوب جمعہ کے قائل ہو چکے ہیں اب اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ ہمارے مجیب جن کی حالت کو دیکھ کر مثال مشہور احیر من انصب کا مصداق آنکھوں سے مشاہدہ ہو رہا ہے بڑی سرخروئی کے ساتھ اس کے بعد فرماتے ہیں لیکن حافظ ابن القیم کی تحقیق میں اس کی وجہ سفر ہے یعنی ترک جمعہ عرفات میں بوجہ عذر سفر تھا جو مجیب کے قول ودعوی کے صریح مخالف ہے اس کے بعد حافظ ابن القیم کی عبارت بھی نقل فرمائی ہے جس کو دیکھ کر ہر ایک عاقل مجیب کی جرأت وہمت کا بخوبی موازنہ کر سکتا ہے بقول شخصے ع

چہ دلا ور است دزدی کہ بکف چراغ دارد

ہائے افسوس ہمارے علامہ ابوالمکارم نے تو تحقیقات امور شرعیہ کو تکیہ نشینوں کی زٹل بنا دیا کیوں نہ ہو ایجاد و اجتہاد اسی کا نام ہے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مجیب نے اتنی لغویات بے سود جن کو عرض کر چکا ہوں تحریر فرمائیں مگر افسوس صاف طور سے یہ کہیں بھی نہ فرمایا کہ عرفات میں ترک جمعہ کی وجہ ان کے نزدیک کیا ہے اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ مجیب کے پرز ور اجتہاد کو علم وحیا وفہم و دیانت کوئی امر بھی مانع نہیں ہو سکتا اور مخالفت سلف وخلف اس کو مضر اور نہ کسی دلیل کی اس کو حاجت تو اس لئے کسی قرینہ اور اشارہ سے اس کو معین کرنا ہرگز قابل اطمینان نہیں ہو سکتا مگر مجیب کی ظاہر عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک باعث ترک جمعہ غالباً نسک ہے کیونکہ صحرا کا موجب ترک جمعہ ہونا جس کو اوثق العری میں تحریر فرمایا ہے اس کے تو حضرت مجیب صاف منکر ہیں باقی رہا سفر جس کو حافظ ابن القیم وغیرہ موجب ترک جمعہ فرماتے

ہیں وہ سرے سے مجیب کی مسلک کے خلاف ہے کیونکہ مجیب کے نزدیک مسافر کا وجوب جمعہ سے مستثنیٰ ہونا غیر مسلم ہے اب بظاہر نسک کے ماسوا کوئی امر موجب ترک جمعہ معلوم نہیں ہوتا اور نیز مجیب نے اپنی عبارت میں نسک اور سفر کو علی وجہ الترديد وجہ ترک جمعہ بیان کیا ہے مگر اول تو مجیب کا یہ قول محض بے دلیل ہے دوسرے مجیب تو مملوک و مریض وامرأۃ وصبی کے سوا کسی کے مستثنیٰ ہونے کے قائل ہی نہ تھے یہاں تک کہ باوجود روایات واقوال اکابر استثناء مذکور کو پھر بھی تسلیم نہیں فرماتے تھے اب اس استثناء جدید سے وہ حصر قدیم کیسے نیست ونابود ہوگیا، اور جب ہمارے مجیب اس استثناء جدید کی کوئی دلیل بیان فرمائیں گے اس وقت مجیب کی دلیل استثناء کا ان دلائل سے موازنہ کرنا ہوگا جو دلائل در بارۂ استثناء اہل قری اوثق العری میں مذکور ہیں نسک کو وجہ ترک جمعہ قرار دینا اور اس کے مقابلہ میں عقل ونقل دونوں کو بالائے طاق رکھ دینا فی الواقع مجیب کی دیانت یا خوش فہمی یا مجبوری ودرماندگی یا سب کا ثمرہ ہے پھر اس خوبی پر خم ٹھونک کر ہل من مبارز منہ بھر بھر کہا جاتا ہے **اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزه ونفخه ونفثه.** ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ نسک اور ترک جمعہ اس طرح پر کہ اس کی جگہ ظہر پڑھا جائے ان دونوں میں کیا تعلق ہے اور ایسی بے اصل بات کو تسلیم بھی کر لیجئے تو غایت مافی الباب جواز ترک نکلے گا استحباب جمعہ کا تو پھر بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ پھر نہیں معلوم کہ جمعہ جیسے امر مطلوب کو تمام مہاجرین وانصار اور خود فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا وجہ کیوں ترک فرما دیا جس کو مریض وصبیان ونساء وغیرہ بھی آپ کے زمانہ میں اہتمام کے ساتھ ادا کرتے تھے باوجودیکہ ان پر بالاتفاق فرض نہ تھا، باقی عبارت اوثق العری کی توضیح اور دلائل بسط کے ساتھ مجیب بنارسی کے جواب کے ذیل میں عرض کر آیا ہوں کہ حق اور صحیح یہی امر ہے کہ عرفات میں ترک جمعہ کی وجہ صحرا تھا اور اسی امر کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تسلیم فرمایا ہے کمامر، ہمارے ہر دو مجیب نے اس کے مقابلہ میں جو کچھ جد وجہد فرمائی ہے جس کا حال مفصلاً عرض کر چکا ہوں اوثق العری کے مقابلہ میں ہرگز قابل قبول نہیں اور صحرا کو سبب ترک جمعہ تسلیم نہ کرنا اور اس کے مقابلہ میں مجیب بنارسی کا سفر کو اور مجیب ابوالمکارم کا نسک کو سبب ترک جمعہ فرمانا اہل فہم وانصاف دیکھ لیں کہ کس قدر ضعیف ولچر بات ہے۔

اس کے بعد یہ التماس ہے کہ اوثق العریٰ میں اہل صحرا کی فرضیت جمعہ سے مستثنیٰ ہونے کی دو دلیلیں بیان فرمائی تھیں اول واقعہ عرفات جس کی کیفیت معلوم ہو چکی دوسرے اتفاق مجتہدین واجماع علماء کہ تمام حضرات اقامت جمعہ فی الصحراء کو ممنوع فرماتے ہیں، جس کی نسبت مجیب بنارسی نے تو کسی قسم کی لب کشائی نہیں فرمائی لیکن مجیب معترض بحاث مصداق چپ نشود اس کے جواب میں دو امر ارشاد فرماتے ہیں

اولؔ یہ کہ اس دعوی کا کیا ثبوت ہے دوسرے یہ کہ اگر ثبوت ہو بھی تو ہوا کرے ہم پر ان کا قول وفعل بلاسند معتبر حجت نہیں اوثق العری میں خود موجود ہے کہ مذہب اپنا موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھنا چاہئے آپ ہی فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل صحرا کو وجوب صلوٰۃ جمعہ سے کہاں مستثنیٰ فرمایا ہے، انتہی۔ امر اول کا جواب تو اتنا ہی کافی ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت جو ہم نقل کر چکے ہیں اس کو ملاحظہ فرمالیجئے کہ حضرت شاہ صاحب عمل درآمد زمانۂ نبوی اور اتفاق خلفاء اور مجمع علیہ ائمہ مجتہدین اسی امر کو بتلا رہے ہیں کہ بوادی اور براری میں جمعہ قائم نہ کیا جائے خاص بلدان میں اقامت جمعہ کے جائے عبارت مصفی اور علامہ عینی وغیرہ کے کلام جو اوراق گذشتہ میں منقول ہو چکے ہیں ان سب کو بھی دیکھ لیجئے امام ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں **والقاطع[۲] للشغب ان قوله تعالى فاسعوا الى ذكر الله ليس على اطلاقه اتفاقاً بين الائمة اذ لا يجوز اقامتها فى البرارى اجماعاً** علی ہذا شراح حدیث وغیرہ برابر اسی امر کو نقل فرما رہے ہیں علاوہ ازیں فتح الباری اور نیل الاوطار اور عون الباری کو مطالعہ کر لیجئے کہ تفصیل مذاہب میں کسی نے بھی یہ کہا ہے کہ فلاں کے نزدیک بوادی میں جمعہ درست ہے پھر تماشا ہے کہ ایسے امر واضح کی نسبت مجیب ابو المکارم فرماتے ہیں (اس کا کیا ثبوت ہے) بقول شخصے ؎

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

اس پر بھی مجیب کو صبر نہ ہو تو اتنی بات تو ضرور کریں کہ ائمہ مجتہدین اور اکابر دین میں سے بنقل معتبر دو چار نام ہی ایسے بیان فرمادیں کہ جو براری و بوادی میں وجوب جمعہ کے قائل ہوں اور یہ بھی نہ ہو سکے تو صحت جمعہ فی البراری ہی کو کہیں سے نقل فرمائیں اور یہ بھی نہ ہو تو خود انصاف سے سمجھ لیں کہ ان کو کیا کرنا چاہئے اب رہا امر ثانی یعنی عدم صحت جمعہ فی الصحاری متفق علیہ ہو تو ہمارے مجیب کی بلا سے، ہوا کرے اس کا جواب بقول حضرت شیخ یہی ہے کہ کچھ جواب نہ دیا جائے ؎

آنکس کہ بقران وخبر زو نرہی آن ست جوابش کہ جوابش ندہی

ظاہر ہے کہ ہمارے مجیب بحاث تنگ ہوتے ہوتے آخر تا بکے اپنیوں پر آ ہی گئے جب ائمہ دین اور علماء مجتہدین میں سے کسی نے بھی مجیب کی درماندگی پر رحم فرما کر دستگیری نہ کی تو اب بقول اکابر ع

دل در کسے مبند کہ دل بستۂ تو نیست

مقتضائے انصاف یہی ہے کہ ہمارے مجیب بھی کسی کے قول و ارشاد کی اصلا پروا نہ فرمائیں ہر چند یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اتفاق سلف صالحین اور اجماع ائمہ مجتہدین بلانکیر تمام علماء کے نزدیک برہان قوی

---

۱ ہدایۃ الوریٰ ص ۱۱

۲ فتح القدیر ابن ہمام المجلد الثانی، باب صلوٰۃ الجمعہ، ص ۵۱ (دار الفکر بیروت)

اور حجت قطعی ہے مگر جب ہمارے مجیب حسب قول مشہور **اذا یئس الانسان طال لسانه** زبان درازی کے ساتھ اکابر جمہور پر حملہ کر بیٹھے اور ان کے ارشاد کو اپنے اجتہاد بے بنیاد کے مقابلہ میں ساقط الاعتبار فرما دیا تو اب ہم اقوال مسلمہ اکابر کو اس بارے میں نقل کرنے میں کچھ بھی فائدہ نہیں سمجھتے کیونکہ جب ایک امر متفق علیہ سلف وخلف کی نسبت بالتصریح انکار فرما دیا تو دیگر اقوال مسلمہ علماء میں اسی طرح انکار فرما دینے میں ان کو کیا چیز مانع ہوسکتی ہے مگر محض بہ نظر اظہار لیاقت ودیانت مجیب یہ عرض ہے کہ حضرات مجتہدین اور ان کے اتباع کے اقوال تو اس بارے میں اس کثرت اور وضاحت کے ساتھ موجود ہیں کہ کسی اہل علم پر مخفی نہیں غضب تو یہ ہے کہ اتفاق مذکور کی حجیت کو حضرات محدثین اور قاضی صاحب اور نواب صاحب بلکہ خود مجیب اور ان کے ہم مشرب بھی تسلیم فرماتے ہیں چنانچہ ان کی تصنیفات اور تحریرات میں جابجا یہ امر موجود ہے دیکھئے نواب صاحب **حصول المامول** میں اجماع کی تعریف فرماتے ہیں **واما[1] اصطلاحا فهو اتفاق مجتهدی امت محمد صلی اللّٰه علیه وسلم بعد وفاته فی عصر من الاعصار علی امر من الامور** یعنی اجماع اسی کا نام ہے کہ کسی وقت میں کسی امر پر مجتہدین امت آپ کے زمانہ کے بعد متفق ہوجائیں اس کے بعد فرماتے ہیں **والمراد[2] بالاتفاق الاشتراك فی الاعتقاد اوالقول اوالفعل** یعنی یہ ضرور نہیں کہ خاص قولاً ہی ان کا اتفاق متحقق ہو بلکہ اعتقاد یا قول یا فعل کسی ایک امر میں بھی موافقت یا مشارکت معلوم ہو جائے گی تو وہ اجماع ہی شمار ہوگا اور اس اجماع واتفاق کو نواب صاحب مکرر واجب التسلیم ارشاد فرماتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ انصاف میں فرماتے ہیں **فان[3] اتفق جمهور الخلفاء والفقهاء علی شئ فهو المتبع** علیٰ ہٰذا **عقد الجید** وغیرہ میں بسط کے ساتھ اتباع سلف کو واجب فرماتے ہیں بلکہ ائمہ اربعہ کے اقوال میں حق کو منحصر اور ان کے اتباع کا امر اور ان کے خلاف کا انکار فرماتے ہیں پھر جائے حیرت ہے کہ ہمارے مجیب ایسے امر کا کہ جو مستمر از مانہ نبوت وخلافت میں معمول بہا رہا ہے اور مجتہدین امت اس پر متفق ہوں کیونکر ایسی بے باکی سے انکار فرماتے ہیں اور صحرا میں اقامت جمعہ کی اجازت دیتے ہیں باقی یہ فرمانا کہ ائمہ کا اتفاق کسی مسئلہ پر بلا سند شرعی حجت نہیں اول تو غلط ہے کیونکہ اتفاق ائمہ کے ثبوت کے بعد امر متفق علیہ کا اتباع ضروری ہے اس اجماع کی سند اور اس کا منشاء ہم کو معلوم ہو یا نہ ہو اوروں کو رہنے دیجئے وہی نواب صاحب اسی رسالہ میں فرماتے ہیں **قال[4]**

---

[1] حصول المامول من علم الاصول، المقصد الثالث الاجماع وفیہ ابحاث ص ۳۳ (مطبع علوی محمد علی بخش خاں لکھنؤ)

[2] حوالہ مذکور

[3] انصاف، باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء، ص ۲۵-۲۶ (مطبع چیون پرکاش دہلی)

[4] حصول المامول، المقصد الثالث، الاجماع وفیہ ابحاث، البحث الرابع ص ۳۶ (مطبع علوی محمد علی بخش خاں لکھنؤ)

ابوالحسن السهیلی اذا اجمعوا علی حکم ولم یعلم انه اجمعوا علیه من دلالته آیة اوقیاس اوغیره فانه یجب المصیر الیه لانهم لا یجمعون الا عن دلالته ولا یجب معرفتها یعنی اجماع ائمہ کے بعد اگر چہ اس کا مبنی اور سند ہم کو معلوم نہ ہو اس کا اتباع ضروری ہے اور اس کے منشاء کا معلوم ہونا ضروری نہیں دوسرے ہمارے مجیب امور بدیہیہ کا انکار فرمانے لگیں تو اس کا کیا علاج دیکھ لیجئے اوثق العریٰ میں صاف موجود ہے اور ہم بھی مکرر عرض کر چکے ہیں کہ عرفات میں آپ کا جمعہ کی جگہ ظہر پڑھنا اور تمام زمانۂ نبوت میں صحرا میں کبھی جمعہ کو قائم نہ فرمانا اور ارشاد حضرت علی اور حضرت عثمان با علی ندا اقامت جمعہ فی الصحرا اسے منع فرما رہا ہے بلکہ حدیث مرفوع میں اہل بدو کا استثناء موجود ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بوجہ تعدد طرق قابل اعتبار فرماتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ سند اجماع کے لئے حدیث ضعیف بھی کافی ہوتی ہے بلکہ نواب صاحب کے کلام میں صاف مذکور ہو چکا ہے کہ سند اجماع کے لئے قیاس بھی کافی ہے ہم نہایت متعجب ہیں کہ ایسے امور بدیہیہ مسلمہ کے انکار پر مجیب کو کیونکر جرأت ہوتی ہے اور ایسے خرافات کے اعتماد پر امور اجماعیہ اور متفق علیہ حضرات سلف کے ترک و خلاف کو کس زبان اور قلم سے حق کہا جاتا ہے اللہ اکبر ہمارے مجیب کے اجتہاد میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ متفق علیہ ائمہ اور مجمع علیہ اکابر سلف کے مقابلہ میں فقط لانسلم سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اقوال صحابہ اور تعامل دائمی حضرت سید المرسلین خاتم النبین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف بھی ادنیٰ التفات نہیں کیا جاتا جس کو دیکھ کر عارف کے قول کی تصدیق ہوتی ہے ؎ شعر

تو کہ قصد دین کنی با اجتہاد دیو بانگت می زند اندر نہاد

اکابر امت اور سلف صالحین کی عظمت شان حقیقت میں وہی جان سکتا ہے جس کو ان کے کمالات میں سے کچھ حصہ نصیب ہوا ہو ظاہر پرست سطحی بھی ان کے کمالات کو سمجھ لے تو میری ناقص رائے میں یہ امر ان اکابر کے علوشان کے مخالف ہے ابوداؤد میں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خط منقول ہے اس میں یہ عبارت بھی موجود ہے فارض[1] لنفسك مارضی به القوم لانفسهم فانهم علی علم وقفوا وببصر نافذ کفوا ولهم علی کشف الامور کانوا اقوی وبفضل ما کانوا فیه اولی فان کان الهدی ما انتم علیه لقد سبقتموهم الیه ولئن قلتم انما حدث بعدهم ما احدثه الامن اتبع غیر سبیلهم ورغب بنفسه عنهم فانهم هم السابقون فقد تکلموفیه بما یکفی و وصفوا منه ما یشفی فما دونهم من مقصر وما فوقهم من محسر وقد قصر قوم

[1] ابوداؤد، کتاب السنۃ باب لزوم السنہ، جلد دوم، ص ۶۳۳ (مختار اینڈ کمپنی، دیوبند)

دونهم فجفوا وطمح عنهم اقوام فخلوا وانهم بين ذالك لعلى هدى مستقيم، مگر ہمارے مجیب جب تعامل حضرت سید المرسلین اور عمل در آمد خلفائے راشدین اور متفق علیہ ائمہ دین کے انکار کی بھی کچھ پروانہیں کرتے تو عمر بن عبد العزیز کے ارشاد کی ان کے دل میں کیا وقعت ہوسکتی ہے اگر مجھ سے پوچھیئے تو تمام فرق مبتدعہ کی گمراہی کا بڑا سبب یہی خود رائے اور قلت عظمت اور عدم اتباع حضرات اکابر ہوا ہے باقی یہ امر مکرر معلوم ہو چکا ہے کہ احادیث قولی وفعلی واثار صحابہ واجماع ائمہ دین سے یہ امر ثابت ہے کہ صحرا محل اقامت جمعہ نہیں تو اب مجیب کا اس پر بھی یہ کہنا کہ کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل صحرا کو نماز جمعہ سے مستثنیٰ کیا ہے اس بات پر شاہد ہے کہ کسی کا ہاتھ تھک جائے تو تھک جائے مگر کہنے والے کی زبان نہیں تھک سکتی۔

تقریر اوثق العریٰ

اس کے بعد اوثق العری میں آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ کو اس امر کی نظیر میں پیش فرمایا ہے کہ حسب تصریحات مفسرین جیسے آیت مذکورہ میں الذین کفروا سے تمام کفار مراد نہیں بلکہ ابوجہل اور ابولہب وغیرہما کفار معین مراد ہیں ایسے ہی اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا سے جو آیت جمعہ میں موجود ہے تمام مومنین مراد نہیں بلکہ خاص اہل امصار وغیرہ جو اقامت جمعہ کے مکلّف ہیں مراد ہیں اہل قریٰ اہل براری وغیرہ پہلے ہی سے عموم آیت میں مثل عموم آیت سابقہ داخل نہیں کہ کسی کو تخصیص کی ضرورت اور استثناء کی حاجت پڑے اس کے جواب میں مجیب بنارسی نے تو اتنا ہی فرمایا ہے کہ اس کا جواب پہلے بہت بسط کے ساتھ گذر چکا ہے سو اس کے جواب میں ہم بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم کئی درجہ زائد بہت بسط کے ساتھ مجیب کے تمام امور کا جواب اسی موقع پر عرض کر آئے ہیں ملاحظہ فرمالیجئے۔

جواب مجیب بنارسی وابوالمکارم

اور مجیب ابوالمکارم فرماتے ہیں کہ یہ تقریر[1] من قبیل بناء فاسد علی الفاسد ہے کیونکہ قبل نزول آیت نہ جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ فلاں جگہ کے لوگوں پر جمعہ فرض ہے اور فلاں جگہ کے لوگوں پر جمعہ فرض نہیں ہے اس کے علاوہ وہ تقریر صحیح نہیں جس کے بیان میں طوالت ہے اور یہ مقام اس کا متحمل نہیں آئندہ موقع ملے گا تو عرض کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ، انتہی۔

---

[1] ہدایۃ الوریٰ،ص ۱۱

جواب

سمجھنے والے تو سمجھ گئے ہوں گے کہ تقریر مذکورہ اوثق العری کے جواب میں ہمارے مجیب نے بالکل پہلو تہی فرمائی، اس سے تو بہتر تھا کہ جیسے بہت امور مذکورہ اوثق العریٰ کے جواب میں سکوت کیا ہے ایسے ہی اس امر کو بھی بالکل قلم انداز فرماتے ذکر ہی نہ کرتے، بھلا کوئی پوچھے کہ مجیب نے کل پانچ ورق کا تو رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس خوبی پر یہ ارشاد ہوتا ہے کہ بیان میں طوالت ہے اور یہ مقام اس کا متحمل نہیں اور معلوم نہیں ہمارے مجیب اس سے بہتر دوسرا موقع کونسا خیال کیئے ہوئے ہیں جس کا وعدہ فرمایا جاتا ہے ۔

ہم کو معلوم ہے وعدہ کی حقیقت ان کے دل کے خوش رکھنے کو لیکن یہ خیال اچھا ہے

ایسے وعدوں کے ایفاء کا منتظر رہنا تو محض طول امل ہے ہاں سردست جو مجیب نے تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبل نزول آیت نہ فرضیت جمعہ ثابت نہ یہ ثابت کہ خاص فلان موقع میں جمعہ فرض ہے مگر مجیب کے دونوں جملوں میں سے ایک جملہ میں بھی بوئے صداقت نہیں دیکھ لیجئے روایات حدیث اور ارشاد مفسرین اور اقوال اہل سیر اور تصریحات محدثین اور خود مجیب کے معتقد علیہم کے مسلمات سے یہ امر شروع رسالہ میں محقق ہو چکا ہے کہ نزول آیت کا فرضیت جمعہ کے بہت بعد ہوا ہے اور مجیب صاحبوں نے تو ہم بے دلیل اور تخیل خلاف ہدایت کے سوا ایک دلیل بھی ایسی نہیں بیان فرمائی جس سے فرضیت جمعہ بعد نزول آیت ثابت ہوتی ہو علاوہ ازیں فرضیت کا آپ انکار فرمائیں مگر اقامت جمعہ تو بالیقین قبل نزول آیت آپ کو بھی ماننی پڑے گی بلکہ آپ نے **من حیث لا یحتسب** صفحہ اکتالیس پر اقرار بھی کر لیا ہے جس کی بحث بالتفصیل گذر چکی ہے اور اہل فہم جانتے ہیں کہ ہمارے مدعی کے لئے غایت مافی الامر اقامت جمعہ قبل نزول آیت کی حاجت ہے فرضیت جمعہ کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ نزول آیت سے پہلے جب برابر جمعہ پڑھا جاتا تھا خواہ بطور فرضیت اور خواہ بطور تنفل تو حضرات صحابہ کرام کو اس کی شرائط اور مواقع نزول آیت سے پہلے سب معلوم ہو چکے تھے اب دوسرا جملہ لیجئے جس میں مجیب فرماتے ہیں کہ یہ بھی ثابت نہیں کہ فلاں موقع میں جمعہ فرض ہے اور فلاں جگہ فرض نہیں یہ بھی مثل جملہ سابق بالکل بے اصل اور خلاف واقع ہے دیکھ لیجئے یہ امر محقق ہے کہ آپ نے قبل ہجرت خاص اہل مدینہ کو اقامت جمعہ کا امر فرمایا اہل قبا و دیگر اہل عوالی وغیرہ کسی کو نہیں فرمایا بوقت ہجرت قبا میں قیام فرمایا اور مکرر جمعے آپ کو وہاں پیش آئے مگر آپ نے نہ خود نماز جمعہ ادا فرمائی نہ اہل قبا کو امر فرمایا اور مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے ہی نماز جمعہ قائم فرمائی اور آپ کے زمانہ میں کبھی کسی موضع میں عوالی کے اندر کسی نے جمعہ نہیں پڑھا جس کو پڑھنا ہوتا

تھا بطریق تناوب مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر پڑھ جاتے تھے۔ جب آپ کے اس چند سالہ تعامل سے حضرات صحابہ قیود و مواقع جمعہ کو معلوم کر چکے تھے اور عدم اقامت جمعہ فی القری کو خوب مشاہدہ فرما چکے تھے اس کے بعد آیت جمعہ نازل ہوئی اس پر بھی ہمارے مجیب کا یہ فرمانا کہ تخصیص مواقع جمعہ کا ثبوت ہی نہیں انصاف سے فرمائیے کہ شوخ چشمی ہے یا نہیں؟ اور ان سب امور مسلمہ بدیہیہ سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر کے ہم اپنے مجیب شوخ چشم سے دریافت کرتے ہیں کہ آیت **ان الذین کفروا سواء علیھم** آہ جس کو اوثق العری میں نظیر کے لئے پیش فرمایا ہے اس میں تو آپ کو بھی گنجائش ردّ و کد نہیں تو اب مجیب بتلائیں کہ ان کفار کے تعیین کا کیا ثبوت ہے چاہئے تو یہ کہ ہمارے مجیب تعین مذکور کو قبل نزول آیت ثابت فرمائیں مگر خیر ہم زیادہ تنگی نہیں کرتے بعد نزول آیت ہی کسی دلیل سے ان کی تعیین ثابت فرمالیں کہ وہ کون کون ہیں؟ سب پر روشن ہے کہ ان کی تفصیل کسی کو معلوم نہیں تو اب یہی کہنا ہوگا کہ آیت ان الذین کفروا میں وہ تعین مراد ہے جو بوجہ علم وارادہ جناب باری عزاسمہ روز ازل میں ہو چکا تھا پھر جب یہ تعین ازلی جمیع کفار کے دخول کو عموم آیت مذکورہ میں مانع ہے تو وہ تعین خارجی جس کو تمام اصحاب کرام عرصہ دراز سے برابر مشاہدہ کرتے چلے آتے تھے اگر اہل قریٰ وغیرہ کو عموم **یا ایھا الذین امنوا** وغیرہ روایات میں داخل ہونے سے مانع ہو تو فرمائیے کہ اس میں تردد کی کیا بات ہے۔

اب ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ مفتیان اہل حدیث نے جو قصہ جواثا کو اپنا مستدل بنایا تھا اور عموم آیت اور عموم احادیث سے جو استدلالات پیش کئے تھے ان کی سب کی کیفیت تو پوری تفصیل کے ساتھ معلوم ہو چکی الحمد للہ لیکن بنی سالم میں جو آپ نے اول جمعہ پڑھا تھا اور اس سے بعض علماء نے اقامت جمعہ فی القری کو ثابت کیا ہے اس کا جواب باقی ہے سو ہر چند مفتیان مذکورین نے اس کو اپنے استدلال میں پیش نہیں کیا مگر مزید اطمینان اور اتمام حجت کی غرض سے تبرعاً اوثق العری میں اس کے بھی دو جواب تحریر فرمائے تھے۔

تقریر اوثق العریٰ

اول جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چند حضرت سید الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت قیام قبا میں اختلاف ہے کہ کتنے روز ہوا مگر درصورت اختلاف روایت بخاری کو بوجہ ازدیاد قوت وصحت تسلیم کرنا پڑے گا اور دیگر روایات کو اس کے مقابلہ میں حسب قاعدہ مسلمہ مرجوح ومتروک کیا جائے گا اور بخاری کی ایک روایت میں بضع عشرہ اور دوسری روایت میں اربع عشرہ لیلۃ مصرح موجود ہے چنانچہ شروع میں اس کا ذکر

آچکا ہے جب یہ باتیں معلوم ہو چکی تو اب سنئے بنی سالم میں آپ کا جمعہ پڑھنا جب صحیح ہوگا کہ آپ کا قیام قبا میں فقط چار روز مانا جائے جیسا کہ اہل سیر نے بھی ذکر فرمایا ہے مگر یہ بات اصح الکتب بخاری کی روایات کے بالکل مخالف ہے اور بخاری کی روایت کے موافق آپ کا بنی سالم میں جمعہ پڑھنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا کیونکہ جب آپ پیر کے روز قبا میں تشریف لائے جو کہ روایت میں موجود اور جمہور علما کے نزدیک مسلم ہے اور چودہ روز کے قیام کے بعد پندرھویں روز پیر ہی کو مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے پھر راہ میں بنی سالم کے اندر جمعہ پڑھنے کی کیا صورت ہے؟ تو اب معلوم ہو گیا کہ بنی سالم میں جمعہ پڑھنا چونکہ بخاری کی روایت کے صریح مخالف اور بخاری کے مقابلہ میں قابل ترک ہے اس لئے اس سے ہم پر استدلال قائم کرنا کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے، انتہی ۔

جواب مجیب بنارسی

اس کے جواب میں مجیب ابوالمکارم نے تو خاموشی اور سکوت محض سے کام لیا ہے البتہ محدث بنارسی نے لفظ جواب بقلم جلی لکھ کر پانچ سات سطریں تحریر فرمائی ہیں جن کی عبارت قاصر اور معنی مختل ہیں خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ جملہ اہل سیر[1] کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نے جمعہ بنی سالم میں پڑھا تو اس لئے اس کو تسلیم کیا جائے گا اور روایت اربع عشرۃ یوما اس کے مخالف ہے اس کو ماؤل کہنا پڑے گا البتہ روایت بخاری بضع عشرۃ جو کہ قول اہل سیر کے مطابق ہے اور اس کی وجہ سے تمام روایتوں میں مطابقت ہوسکتی ہے اس کو مانا جائے گا اور کہا جائے گا کہ دوشنبہ کے روز آپ قبا میں تشریف لائے اور بارہویں روز جو بضع عشرۃ کا مصداق ہے اور وہ روز جمعہ ہوتا ہے آپ قبا سے مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے اور اسی روز راہ میں بنی سالم کے اندر آپ نے جمعہ ادا فرمایا۔

مگر ہم حیران ہیں کہ یہ تاویل عجیب و جدید مصداق ایجاد بندہ جو ہمارے مجیب نے اپنے قوت خیالیہ سے گھڑی ہے اگر اس کو بجنسہٖ حسب ارشاد مجیب ہم تسلیم بھی کرلیں تو اوثق العریٰ کے ثبوت مدعی میں کیا نقصان آجائے گا غایت مافی الباب اتنا فرق ہوگا کہ چودہ روز کے قیام میں قبا میں جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو جمعہ واقع ہوتے تھے اور اب بارہ روز کے قیام میں قبا میں آپ کو ایک جمعہ واقع ہوگا مگر سب جانتے ہیں کہ ہمارے اثبات مدعی کے لئے اور مجیب کے الزام کے واسطے دو اور ایک دونوں برابر ہیں خیر یہ امر تو خوب روشن ہے کہ مجیب بنارسی کو اس کوہ کندن سے اتنا نفع بھی متصور نہیں جس کو کاہ بر

---

[1] کسر العریٰ ص ۱۲

آور دن ہی کہہ کر دل کو تسلی دے لی جائے اس وجہ سے ان کی جواب دہی کی طرف متوجہ ہونا بھی فضول معلوم ہوتا ہے مگر بہ نظر مزید تحقیق واطمینان اول تو یہ عرض ہے کہ مجیب کی یہ تطبیق مخترعہ بشرط فہم ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی اہل فہم بالبداہت سمجھتے ہیں کہ اس کا نام تطبیق رکھنا اور یہ کہنا کہ ہم نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی اور اس کو معتبر رکھا بالکل افترا اور دھوکہ دہی ہے مجیب کی تقریر کا مطلب تو یہ ہے کہ بخاری اصح الکتب کی ہر دو روایت یعنی بضع عشرۃ اور اربع عشرۃ بلکہ اہل سیر کا یہ ارشاد کہ آپ نے چار روز قیام فرمایا یہ سب تو غلط ہیں اور صحیح یہ ہے کہ آپ نے بارہ روز قیام فرمایا تا کہ اس کے حساب سے اقامت جمعہ بنی سالم میں درست اور قابل قبول ہو جائے جس سے یہ امر محقق ہو گیا کہ ہمارے مجیب نے اتنی بات میں تو قول مشہور اہل سیر کی بے شک موافقت کی کہ قبا سے بروز جمعہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو تشریف لے گئے اور بنی سالم کے اندر جمعہ پڑھا مگر مدت قیام قبا جس میں نزاع تھا اس میں ہمارے مجیب نے نہ اصح الکتب کے خلاف کی پروا کی نہ اہل سیر کے اشہر الاقوال کا کچھ خیال فرمایا اہل فہم وانصاف کے نزدیک تو یہ میری عرض ایک امر بدیہی ہے مگر بعض ابنائے روزگار کے خیال سے ہم اور بھی تفصیل کئے دیتے ہیں دیکھ لیجئے بخاری کے اربع عشرۃ یوما کی روایت کا ہمارے مجیب بدین وجہ انکار فرما رہے ہیں کہ اس صورت میں بنی سالم میں جمعہ کا ہونا جو متفق علیہ اہل سیر ہے غلط ہوا جاتا ہے اور جمہور اہل سیر جو مدت قیام قبا چار روز فرماتے ہیں اس کے مخالف اور منکر ہونے میں بھی کوئی خفا نہیں البتہ بخاری کی دوسری روایت کو جس میں بضع عشرۃ موجود ہے اس کو معتبر اور قول اہل سیر کے بظاہر موافق فرماتے ہیں مگر ہمارے مجیب کی یہ بالکل خام خیالی یا حیلہ سازی ہے سب جانتے ہیں کہ بضع عشر جو لفظ مبہم ہے اس کا مصداق تو بے شک بارہ اور چودہ دونوں ہو سکتے ہیں مگر بخاری اصح الکتب کی دوسری روایت میں اربع عشر مصرح موجود ہے اور مبہم ہمیشہ امر مفصل کے تابع اور اس کے مطابق ہوتا ہے اس لئے حسب قاعدہ بلحاظ روایت بخاری بضع عشر کے معنی چودہ روز کے لینے پڑیں گے، یہ امر واضح ہے کہ بضع عشر کو بارہ روز پر محمول کرنے کے لئے مجیب کے پاس کوئی حجت نہیں بجز اس کے کہ قول اہل سیر یعنی آپ کا بنی سالم میں جمعہ پڑھنا درست ہو جائے جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ہمارے مجیب اہل سیر کے قول کی وجہ سے روایت بخاری کو جو صحیح مسلم وغیرہ میں بھی موجود ہے ترک فرماتے ہیں حالانکہ اسی قول کے شروع میں مجیب بنارسی ترجیح روایت بخاری کو تسلیم کر چکے ہیں پھر اس تہافت صریح کی وجہ بجز دھوکہ دہی اور کیا ہو سکتی ہے بالجملہ ہمارے محدث مجیب جو چاہیں سو فرمائیں مگر ان کا مدعی صاف یہ ہے کہ حدیث متفقہ بخاری ومسلم وغیرہ کو بمقابلہ روایت مسلمہ اہل سیر متروک ومرجوح فرماتے ہیں جو خود ان کی تسلیم کے بھی مخالف ہے اور حسب قاعدہ بھی قابل قبول

نہیں اور پھر اس پرطرہ یہ ہے کہ جمہور اہل سیر مدت قیام قبا کل چار روز بیان فرماتے ہیں تو اب مجیب کا بارہ روز کے قیام کو صحیح بتلانا معلوم ہو گیا کہ محض ان کی تک بندی ہے۔ اہل سیر کہ جن کی آڑ میں روایت اصح الکتب کا انکار کیا جاتا تھا وہ بھی اس قول سے بری ہیں اس قدر کتر بیونت سے تو بہتر تھا کہ ہمارے مجیب قول اہل سیر کو صاف طرح سے تسلیم فرما لیتے اور بخاری مسلم وغیرہ کی روایات کو متروک کہہ دیتے چنانچہ بعض صاحبوں نے ایسا کیا بھی ہے اس صورت میں صرف یہی خرابی ہوتی کہ روایات صحیحہ متفق علیہا پر قول اہل سیر کو ترجیح دینی ہوگی مگر اہل سیر کی تو پوری موافقت رہتی آدھا تیتر آدھا بٹیر تو کرنا نہ پڑتا یہ تو نہ ہوتا کہ **بضع عشرہ لیلۃ** کے معنی بے دلیل بلکہ خلاف دلیل قوی محض اپنے خیال سے بارہ روز کے لئے جائیں اور فقط در بارۂ اقامت جمعہ فی بنی سالم اہل سیر کا اتباع کیا جائے اور در بارۂ مدت اقامت روایات بخاری مسلم وغیرہ اور قول اہل سیر سب کا خلاف کر کے روایت بضع عشرہ لیلۃ کی بہانے بخاری کے ذمہ مفت کا احسان رکھ دیا جائے ایسی بے ہودہ نام کی تطبیق و موافقت سے تو تعارض و اختلاف بدر جہا افضل ہے سچ ہے ہر چہ گیرد علتے علت شود، نواب صاحب اور قاضی صاحب وغیرہ کے ارشادات کو ملاحظ فرمالیجئے کہ کسی نے بھی بضع عشرہ لیلۃ کی اس طرح مٹی خراب نہیں کی غالباً وہ حضرات بھی اس تطبیق نوایجاد کو سنتے تو ہم سے زیادہ منقبض ہوتے اور پھر لطف یہ ہے کہ اس قدر کاٹ تراش کے بعد بھی استدلال بیان فرمودۂ اوثق العریٰ بحالہ مستحکم ہے اصل استدلال میں ایجادات مجیب سے کوئی نقصان نہیں آیا جس کو ہم ابھی عرض کر آئے ہیں خیر ہمارے مجیب کی تحقیق اور تطبیق کی حقیقت تو خوب واضح ہو گئی کہ بے اصل ہونے کے علاوہ بے سود بھی ہے مگر ہمارے مفید مطلب یہ امر ان کی تقریر سے ثابت ہو گیا کہ ہمارے مجیب اتفاق اہل سیر کے اعتماد پر صحیحین کی روایات تک کو متروک و مرجوع فرمانے کو کمر بستہ ہیں مگر جیسا اتفاق اہل سیر جمعہ بنی سالم کے بارے میں موجود ہے ویسا ہی اتفاق اہل سیر اس بارے میں محقق ہے کہ فرضیت جمعہ اور اقامت جمعہ مدینہ طیبہ میں بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی بلکہ امر ثانی میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ اس کی بابت روایات متعددہ مسلمہ محدثین و اہل سیر بھی موجود ہیں اور بخاری تو درکنار کوئی روایت بھی اس کے مخالف اس وقت تلک ہمارے مجیب پیش نہیں کر سکے پھر کیا وجہ ہے کہ مجیب صاحبوں کو بلا وجہ ایسے امر مقبولہ اہل سیر و مطابق جملہ روایات کے تسلیم کرنے میں تو انکار ہے اور اپنے مطلب کے وقت انہیں اہل سیر کے اعتماد پر روایات صحیحین کو بھی متروک کیا جاتا ہے چنانچہ اس کی بحث رسالہ میں گذر چکی ہے مجیب صاحبوں کے ذمہ لازم ہے کہ اس شوراشوری اور اس بے نمکی کا سبب مطابق فہم و قبول اہل انصاف بیان فرمائیں بینوا و توجروا۔

اس کے بعد اہل علم وفہم کی خدمت میں انصاف کی توقع پر اس قدر اور عرض ہے کہ مدت قیام قبا میں اختلاف روایات تو مسلم اب اس کے تصفیہ کی صورت حسب قرار داد علماء یا ترجیح ہے یا تطبیق اوثق العری میں طریقۂ ترجیح مذکور فرمایا ہے کما مر اور یہی طریقہ بنظر انصاف اظہر واسہل ہے یعنی اس روایت کو جو اصح الکتب اور مسلم وابوداؤد میں محقق ہے دربارۂ مدت قیام قبا اور روایتوں پر کہ جن کو اہل سیر وغیرہ نے نقل کیا ہے اور جو روایات کسی طرح بخاری وغیرہ کی روایت کی مساوی نہیں ہوسکتیں ترجیح دی ہے جس ترجیح میں کسی کو گنجائش انکار نہیں ہوسکتی چنانچہ ہمارے مجیب کو بھی بلاتوریہ صاف لفظوں میں ترجیح مذکورہ اوثق العری کا اقرار کرنا پڑا یہ جدی بات ہے کہ انہوں نے بضعہ عشر کی روایت کے وہمی اور بے اصل معنی معین فرما کر اوثق العری کے ارشاد کا ایسا جواب دیا کہ اوثق العری کے مدعی میں جس کے تسلیم کرنے سے بھی کوئی نقصان نہیں آسکتا جس کی تفصیل ابھی عرض کر آیا ہوں بالجملہ طریقہ ترجیح تو حسب قواعدہ مقررۂ اہلحدیث طریقہ مذکورہ اوثق العری کے سوا قابل قبول اور کچھ ہو نہیں سکتا اب رہی صورت تطبیق تو ہم خود عرض کرتے ہیں کہ تطبیق اور توافق بین الاحادیث بے شک احق بالقبول اور اولی بالتسلیم ہے اس لئے جو صاحب روایات مختلفہ متعلقہ قیام قبا میں حسب قواعد مسلمہ صورت توفیق بیان فرمادیں ہم ممنونیۃ کے ساتھ منظور کرنے کو حاضر ہیں مگر خدا کے لئے ایسی توفیق نہ ہو جیسی محدث بنارسی نے بیان فرمائی ہے جس کی تفصیلی کیفیت ابھی عرض کر آیا ہوں کہ بخاری مسلم ابوداؤد کی مصرح روایات کو تو پس پشت ڈالا اور ایک روایت مبہمہ کے معنی خیالی خلاف تصریحات صحاح اور جمہور اہل سیر معین فرما کر فقط ایک جزو میں اہل سیر کی موافقت کر کے فرمادیا سب روایتوں میں اتفاق ہوسکتا ہے کوئی اختلاف نہیں رہتا سبحان اللہ مگر موشی بخواب اندر شتر شد اس جھوٹے اور مخالف قواعد اہل علم کی توفیق کو بمقابلہ ترجیح مذکورہ اوثق العری وہی سن سکتا ہے کہ جو کانوں سے بہرہ یا عقل سے بے بہرہ ہو اور ہم سے پوچھئے تو تطبیق کی عمدہ صورت یہ ہے کہ بعض روایات بخاری میں بجائے اربع عشرہ لیلۃ کے **اربعا وعشرین لیلۃ** موجود ہے چنانچہ بخاری مطبوعہ احمدی اور مطبوعہ بمبئی کے متن میں یہی نسخہ داخل ہے اور فتح الباری کے متن میں بھی یہی نسخہ ماخوذ ہے اور اسی نسخہ کی نسبت علامہ عینی اور علامہ ابن حجر اپنی شروح میں فرماتے ہیں **وفی**[1] **روایۃ المستملی والحموی اربعا وعشرین لیلۃ** اور علامہ قسطلانی فرماتے ہیں **ولا**[2] **بوی ذر والوقت وابن عساکر فی نسخۃ اربعا و عشرین .**

---

[1] فتح الباری جلد۴، باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ، ص۱۷۵ (رشیدیہ پاکستان) باب ہل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ ص ۵۲۵

[2] ارشاد الساری، جلد اول، باب ہل تنبش قبول مشرکی الجاہلیۃ ویتخذ مکانہا مساجد، ص۳۵۲ (نول کشور لکھنؤ)

دوسری بات قابل گذارش یہ ہے کہ اکثر علما کا مذہب تو یہ ہے کہ عدد اقل میں عدد اکثر کی نفی ماخوذ نہیں ہوتی بلکہ عدد اقل عدد اکثر کے ثبوت و نفی دونوں سے ساکت ہوتا ہے یعنی اگر کوئی کہے کہ چار آدمی آئے تو اس میں جیسے چار سے زائد کا ثبوت نہیں ایسے ہی نفی بھی نہیں یہ بات دوسری ہے کہ بقرینہ حال یا مقام یا محاورہ و استعمال وغیرہ زائد کی نفی مراد لے لی جائے اور بعض علما ہر ایک عدد میں اس سے زائد کی نفی معتبر فرماتے ہیں مگر ان کا یہ مطلب نہیں کہ ہر عدد سے زائد کی نفی بطریق تصریح و تنصیص ثابت ہوتی ہے بلکہ ان کا مدعی یہ ہے کہ عدد سے اس سے زائد کی نفی بطریق ظاہر و متبادر مفہوم ہوتی ہے جس کا ثمرہ یہ نکلے گا کہ کسی عدد کی وجہ سے اس سے زائد کی نفی کرنی تو صحیح ہو جائے گی لیکن اگر دوسری دلیل سے عدد مذکور پر زیادتی صراحۃً ثابت ہوگی تو بلا تامل وہ زیادتی بوجہ تصریح کے احق بالقبول سمجھی جائے گی اور نفی زیادہ جو عدد اقل سے بطور متبادر مفہوم ہوتی تھی مرجوح اور متروک مانی جائے گی اہل علم غالباً اس عرض کے تسلیم فرمانے میں تامل نہ کریں گے اور نہ زیادہ تفصیل کی ان کو حاجت الحاصل ہر دو فریق کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے کہ امر واحد میں جب عدد اقل اور عدد اکثر جمع ہوں گے تو بوجہ عدد اکثر عدد اقل پر زیادتی کر لی جائے گی اور بلا نکیر یہ زیادتی معتبر ہوگی۔ یہ نہ ہوگا کہ بوجہ عدد اقل عدد اکثر کی زیادتی کا انکار کر دیا جائے فرق اگر ہے تو اتنا کہ فریق اول عددین مذکورین میں کسی قسم کا تقابل و تخالف ہی نہیں بتلاتے جس کی وجہ سے ترجیح کی بھی ضرورت ہو اور فریق ثانی کے نزدیک چونکہ ایک قسم کا تخالف عددین مذکورین میں مسلم ہے تو ان کو البتہ ترجیح کی ضرورت ہوگی اور اس زیادت کو جو عدد اکثر سے بالتنصیص ثابت ہوتی ہے اس نفی زیادت پر جو کہ عدد اقل سے بطریق تبادر مفہوم ہوتی ہے ترجیح دیں گے لیکن صورت مذکورہ میں تسلیم و قبول زیادت کا کوئی فریق منکر نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ باب فضل صلوٰۃ جماعۃ میں ارشاد فرماتے ہیں **لا**[1] **منافات بینهما فذکر القلیل لا ینفی الکثیر و مفهوم العدد باطل عند** جمہور الاصولیین حافظ ابن حجر اسی موقع پر فرماتے ہیں **ان**[2] **ذکر القلیل لا ینفی الکثیر وهذا قول من لا یعتبر مفهوم العدد الخ** علامہ عینی اور حافظ ابن حجر ارشاد حضرت عمر[3] وافقت ربی فی ثلث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں **ولیس**[4] **فی تخصیصه العدد بالثلاث ما ینفی الزیادة علیها لانه حصلت له الموافقة فی اشیاء غیر هذه الخ**

---

۱ باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ، فتح الباری جلد دوم ص ۹۰ (مطبع خیریہ مصر)

۲ باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ، فتح الباری ۲/۹۰ (مطبع خیریہ مصر)

۳ بخاری جلد اول، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی القبلۃ، ص ۵۸ (رشیدیہ دہلی)

۴ فتح الباری، جلد اول، باب ماجاء فی القبلۃ، کتاب الصلوٰۃ ص ۵۰۵ (مکتبہ الریاض الحدیثیہ)

ہمارے مجیب کے امیر المومنین عون الباری میں اسی موقع پر فرماتے ہیں **ولیس**[۱] **فی تخصیصه العدد بالثلاث ما ینفی الزیادہ فقد روی عنه موافقات بلغت الخمسة عشر** اور اس کی نظائر احادیث صحاح اور کلام علما اور خود قاضی صاحب اور نواب صاحب کے ارشادات میں اس کثرت سے موجود ہیں کہ متعصب بے باک بھی ان کا انکار نہیں کرسکتا۔

جب بحمد اللہ یہ دونوں باتیں معلوم ہو چکی تو اب روایات مذکورہ میں وجہ توفیق ظاہر ہے کیونکہ حسب معروضات سابقہ جب یہ امر واضح ہو گیا کہ عدد اقل اور عدد اکثر میں یا تو اصلا تخالف ہی نہیں یا ہے تو وہ تخالف سرسری ظاہری ایسا ہے کہ تصریح زیادت کے ہوتے ہوئے وہ ساقط الاعتبار ہے، اور مطابقت کے لئے مانع نہیں ہوسکتا تو اب چوبیس روز کے قیام کی تصریح کے مقابلہ میں جو بخاری کی روایت میں موجود ہے روایت **بضع عشر یا اربع عشر** جن کا مدعی واحد ہے اور روایت اربع جو اہل سیر کے نزدیک مقبول ہے دربارۂ نفی زیادت ہرگز معتبر نہ ہوں گی اور نہ روایات مذکورہ روایت اربعاوعشرین کی حقیقۃ میں معارض ہوں گے اور اسی طرح پر چار اور چودہ میں بھی کچھ مخالفت باقی نہ رہے گی بلکہ جملہ روایات معتبرہ بقولہ دربارۂ قیام قبا حسب قاعدہ مذکورہ مسلمہ علما باہم موافق اور احق بالقبول ہوں گے اور کسی روایت صحیحہ کے مسترد اور انکار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اور اس کے علاوہ قبا سے آپ کا جمعہ کے روز مدینہ منورہ کو تشریف لے جانا جس کو ہمارے مجیب امر متفقۂ اہل سیر فرما رہے ہیں اور جس کی بنا پر خلاف قاعدہ اہل علم اصح الکتب کی روایت تک کو مردود کرنے کو آمادہ ہیں بلا تکلف ایسا درست اور واجب التسلیم ہو جائے گا کہ کسی روایت صحیحہ معتبرہ کی اصلا مخالف ہی نہ رہے گا کیونکہ حضرت فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پیر کو قبا میں رونق افروز ہوئے اور اس کے بعد چوبیس روز یعنی پنجشنبہ تک قیام فرما کر جمعہ کو بجانب مدینہ منورہ روانہ ہو گئے وباللہ التوفیق البتہ ہمارے مجیب کو یہ صدمہ ضرور ہوگا کہ بجائے دو جمعہ اب تین جمعہ آپ کو قبا میں واقع ہوئے ہمارے عرض کرنے کی ضرورت نہیں اہل فہم خود توفیق معروضۂ احقر اور توفیق مذکورہ مجیب میں موازنہ فرمالیں اور اس پر بھی اگر ہمارے مجیب بمقتضائے ظاہر پرستی تعصب ہی سے کام لیں اور اپنے بے اصل تو ہم کے سامنے کسی کی نہ سنیں اور یہ فرمائیں کہ عدد اقل وعدد اکثر فی الحقیقۃ باہم متعارض ہوتے ہیں تو یہ خوب یاد رکھیں کہ اس صورت میں اول تو حسب ارشاد اوثق العری صحیحین وغیرہ کی روایت کے مقابلہ میں کسی دوسری روایت کی شنوائی نہ ہوگی اور آپ کی تک بندی کو تو کون سنتا ہے دوسرے یہ امر بھی مسلمات علماء میں ہے کہ جب مثبت ونافی میں تعارض ہوتا ہے تو مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے بالجملہ ہمارے مجیب

---

[۱] عون الباری علی ہامش نیل الاوطار الجزء الثانی ص ۱۶۶ (مصر)

تعارض و تطبیق جونسا طریقہ چاہیں اختیار فرمائیں ہر طرح مدعائے اوثق العری احق بالقبول ہوگا بلکہ ان سب امور سے قطع نظر کر کے اگر مجیب کی ایجاد سرتا پا فساد یعنی بارہ روز کے قیام کو بھی تسلیم کیا جائے تو بھی استدلال بیان فرمودۂ اوثق العری بجنسہ قائم اور صحیح ہے کما مر سابقا اور مجیب کی خوش فہمی اور علم و اجتہاد کی حقیقت ان پر واضح ہوگئی۔

جواب مجیب بنارسی

اگر مثل علامہ ابوالمکارم سکوت ہی پر اکتفا فرماتے تو امر ثانی سے تو جان بچی رہتی اوثق العری کے جواب اول اور اس کے مالہ اور ما علیہ سے تو فراغت ہوگئی۔

جواب اوثق العریٰ

جواب ثانی اوثق العری کا مطلب یہ ہے کہ اگر بنی سالم میں آپ کا جمعہ پڑھنا تسلیم ہی کر لیا جائے تو بھی قریہ میں اقامت جمعہ ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ بنی سالم مدینہ طیبہ کا محلّہ اور فناء مدینہ میں واقع ہے کوئی قریہ مستقل ہرگز نہیں، انتہی۔ اس کے جواب میں محدث بنارسی فرماتے ہیں کہ[1] بنی سالم مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے اور بستی مستقل ہے فناء مدینہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یوں تو قبا و عوالی سب کو فناء مدینہ میں داخل کر دیجئے فناء مدینہ کی کچھ حد بھی ہے یا نہیں انتہی۔

جواب

سبحان اللہ پہلے علامہ ابوالمکارم نے کسی نشہ میں قبا کو فنائے مدینہ میں داخل کرنا چاہا تھا اب محدث بنارسی کسی خمار میں بنی سالم کو بھی قریہ مستقل بنانے کے خیال میں ہیں اور ہم اسی موقع پر فنائے مصر کی تفصیل عرض کر چکے ہیں اس کو مجیب بنارسی بھی ملاحظہ فرمالیں مجیب کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے فنائے مصر کی تعریف کہیں دیکھی نہ سنی فقط قاموس میں کسی اتفاق سے **فناء الدار ما اتسع من امامها** نظر پڑ گیا اور اس کے معنی اپنی ظاہر پرستی سے یہ سمجھ گئے کہ فنا دار وہ ہے جو موقع اس کے سامنے اور متصل واقع ہو اور ایک میل مسافت تو بہت بعید ہے اس کو سامنے اور متصل کیونکر کہہ سکتے ہیں اور پھر فناء مصر کے معنی بھی اس کے موافق لے کر یہ کہہ دیا کہ بنی سالم جب مدینہ طیبہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے

---

[1] کسر العریٰ ص ۲۰

تو پھر فناء مدینہ میں کیسے شمار ہوسکتا ہے افسوس ہمارے مجیب کو فرط تعصب نے عبارت قاموس کے سمجھنے کی بھی مہلت نہ دی بقول شخصے اونٹ بے اونٹ تری کونسی کل سیدھی کتب فقہ کے مطالعہ کی گنجائش تو کہاں میسر آسکتی ہے۔ عبارت قاموس کا مطلب تو فقط اتنا ہے کہ فناء دار اس میدان کو کہتے ہیں کہ جو مکان کے سامنے ہو اس میں اس کی مسافت کی تحدید کہ پچاس گز ہو یا سو گز کچھ مذکور نہیں چنانچہ بہت سی کتب لغت میں اس کی جگہ یہ عبارت مذکور ہے **ما امتدّ من جوانبھا** یعنی مکان کی اطراف و جوانب میں جو میدان اور وسعت ہوتی ہے اس کو فناء کہتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ اس کی مسافت کی کوئی حد معین نہیں اور مشاہدہ سے سب کو معلوم ہے کہ تمام مکانات کی فناء میں مساوات نہیں ہوتی بلکہ کسی مکان کا فناء کم اور کسی کا اس سے اضعاف مضاعف زائد ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جو وسیع میدان مکان کے متعلق ہوگا وہ اس کا فناء ہوگا اسی طرح پر جس شہر کے اطراف و جوانب میں جو زمین مزروعہ اور میدان وغیرہ ایسا ہوگا کہ وہ اس شہر کے متعلقات میں سمجھا جائیگا اس کو فناء مصر کہیں گے فناء مصر کا ایک میل تک ممتد نہ ہونا معلوم نہیں مجیب نے کہاں سے سمجھ لیا اور انصاف سے دیکھئے تو معنی لغوی سے مطلب اوثق العری میں کوئی بحث ہی نہیں تھی اوثق العریٰ میں جو ارشاد فرمایا تھا کہ بنی سالم محلّہ مدینہ طیبہ کا ہے اور فناء مدینہ میں واقع ہے بے وقوف بھی جانتا ہے کہ اس سے مقصود فناء مصطلحہ فقہا تھا پھر معنی مقصود سے غافل یا متغافل ہوکر بے سوچے سمجھے معنی لغوی کو پیش کرنا نہایت ہی سخیف اور لغو بات ہے پھر لطف یہ ہے کہ اس کمال پر ناخوشی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ فناء مدینہ کی کچھ حد بھی ہے یا نہیں ہم اہل انصاف سے پوچھتے ہیں کہ اس کا جواب بجز اس کے اور کیا دیں کہ ہمارے مجیب کی کج فہمی اور ناواقفی کی آخر کچھ حد بھی ہے یا نہیں؟ عون الباری کو ملاحظہ فرمالیجئے کہ حدیث عتبان بن مالک کی شرح میں جو کہ مسجد بنی سالم کے امام تھے آپ کے امیر المومنین فرماتے ہیں **وانہ[1] کان فی المدینہ مساجد للجماعۃ سوی مسجدہ صلی اللہ علیہ وسلم** دیکھ لیجئے آپ کے نواب صاحب بھی بنی سالم کو مدینہ طیبہ کا محلّہ تسلیم فرماتے ہیں **واسوءتا واسوءتا**۔

بحث اثر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

اس کے بعد یہ بحث بھی قابل غور ہے کہ مفتیان دہلی نے اپنے فتوی میں تحریر فرمایا تھا کہ حدیث حضرت علی **لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع** جس پر فرقہ متعصبہ نازان و فرحان ہے اس کے

[1] عون الباری علی ہامش نیل الاوطار، الجزء الثانی ص ۱۷۷ (مطبع خیریہ مصر)

رفع میں بہت کلام ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اس کے مرفوع ہونے کو تسلیم نہیں فرماتے اور امام نووی حدیث علی متفق علی ضعفہ فرماتے ہیں ابن حزم الصحیح وقفہ ارشاد کرتے ہیں پس یہ حدیث موقوف کیونکر مذکورہ بالا یعنی قصہ جواثا کا معارضہ کر سکتی ہے انتہی۔

جواب اوثق العریٰ

اس کا جواب اوثق العریٰ میں غایت بسط اور وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث حضرت علی کو ضعیف اور موقوف کہہ کر اس کو متروک کر دینا مفتی صاحبوں کے اصول حدیث اور اصول فقہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ حدیث موقوف کہ جس میں قیاس کو دخل ہو وہ تو البتہ قول صحابی سمجھا جاتا ہے مگر جس حدیث موقوف میں قیاس کو دخل نہ ہو یا اس کے موید و موافق حدیث مرفوع موجود ہو وہ حدیث موقوف مرفوع سمجھی جاتی ہے اور اثر حضرت علی قسم ثانی سے ہے نہ اول سے کیونکہ شروط عبادات میں رائے کو دخل نہیں اس کے ثبوت کے واسطے نص صحیح ہونی ضروری ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں یہ خیال کرنا انہوں نے فرضیت جمعہ کے لئے مصر کی شرط بدون ارشاد شارع علیہ السلام محض اپنی رائے سے مقرر فرمادی نہایت ہی جسارت کی بات ہے اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ حسب زعم ان حضرات کی ادھر تو آیت **یا ایھا الذین امنوا اذا نودی الخ** عام اور جمعہ فی القری کے ثبوت پر دلیل کامل اور اس کے ساتھ احادیث دال علی العموم بھی موجود ادھر ان حضرات کے زعم کی موافق یہ امر بھی مسلم کی حضرت علی نے محض اپنی رائے سے قریٰ کو تمام نصوص عامہ سے مخصوص فرما کر عدم فرضیت جمعہ کا حکم لگا دیا تو پھر بالبداہت یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت علی نے حکم قرآن حدیث کو اپنی رائے سے منسوخ ومتروک فرمادیا **استغفر اللہ و نعوذ باللہ** صاحبو! ایسی جرأت اور بے قیدی تو ادنی مسلمان سے متوقع نہیں یہ کام تو اہل کا رہوا اور ضال و مضل کا ہے جس کو کچھ بھی فہم وانصاف ہے وہ جانتا ہے کہ حضرت علی بغیر حجت شرعی وعلم یقینی آیت قرآنی واحادیث نبوی کی تخصیص ہرگز نہیں فرما سکتے یقیناً ان کو وہ علم حاصل تھا جس کی وجہ سے نصوص مذکور کی تخصیص ظاہر فرمانے پر مجبور ہوئے اور جب اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ آپ کے ہجرت فرمانے کے تین روز کے بعد حضرت علی مکہ مکرمہ سے روانا ہو کر قبا میں آپ سے آملے اور وہاں کے حالات سب مشاہدہ کئے کہ آپ نے نہ خود جمعہ قائم فرمایا نہ اہل قبا کو بطور وجوب یا استحباب اقامت جمعہ کا ارشاد کیا اور اس کے بعد مدینہ طیبہ میں پہنچ کر آخیر تک ملازم خدمت رہے اور دیکھتے رہے کہ اس مدت دہ سالہ میں کبھی کسی قریہ یا صحرا میں آپؐ نے اقامت جمعہ نہ خود فرمائی نہ کسی اور کو کبھی کسی قسم

کی ترغیب اس بابت دلائی نہ کسی اہل قریہ کوترک جمعہ پر کبھی سرزنش فرمائی پھر تو حضرت علی کی حدیث کو اس علم قطعی کے بعد بھی موقوف کہہ کر غیر معتبر کہہ دینا نہایت ظلم کی بات معلوم ہوتی ہے اہل علم ودیانت تو امور مذکورہ بالا کے لحاظ کے بعد حدیث مذکور کو اعلیٰ درجہ کی حدیث مرفوع فرمائینگے باقی رہا یہ امر کہ اس اثر کا رفع ضعیف ہے یہ بھی مسلم نہیں کیونکہ احادیث متعددہ صحیحہ اور تعامل زمانہ نبوی جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے جب اس کے موید ہیں تو اس ضعف کا جبر نقصان ہوکر حسب قاعدہ علماء اثر مذکور حسن ہو گیا اگرچہ یہ اثر موقوف بھی جو حسب قاعدہ علماء مرفوع ہے ہمارے ثبوت مدعی کے لئے بنظر غور کافی تھا مگر جب اس کی تائید کے لئے حدیث حضرت علی جو کہ مرفوع ہے اور دیگر احادیث صحاح وتعامل خیر القرون موجود ہیں تو پھر اس کو موقوف کہہ کر ترک کرنا اور مرفوع کو سنداً ضعیف کہہ کر مسترد کرنا اہل علم کی شان سے نہایت مستبعد ہے جن کو علم ودیانت سے حصہ ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ روایات مذکورہ کے اجتماع کی وجہ سے ضعیف بھی اعلی درجہ کا قوی ہو گیا اور موقوف بھی موقوف نہ رہا بلکہ ان روایات صحیحہ اور تعامل یقینی کی وجہ سے کامل درجہ کا مرفوع ہو گیا جن کا خلاصہ یہ ہوا کہ اثر حضرت علی جس کے رفع کا مفتیان دہلی کو انکار اور اس کے موقوف ہونے کا اقرار تھا وہ اثر موقوف حسب قواعد اصول دو وجہ سے مرفوع ہے اول یہ کہ اس میں قیاس کی گنجائش نہیں بلکہ مفتیوں کے زعم کے موافق تو نص قرآنی اور احادیث کے خلاف ہے دوسرے احادیث مرفوعہ صحیحہ اثر مذکور کے موید وموافق موجود ہیں تو اب ایسے اثر کو موقوف کہہ کر مسترد کر دینا ظاہر ہے کہ انہیں حضرات کا کام ہے کہ جو اصل سے قواعد علمیہ سے غافل یا بوجہ فرط تعصب اس سے متغافل ہوں، انتہی۔

جواب از مجیب بنارسی

مگر افسوس کہ اس جواب مبسوط و مستحکم بدیہی التسلیم کے مقابلہ میں ہمارے ہر دو مجیب نے ایک بات بھی ٹھکانے کی نہ فرمائی بقول شخصے جوتیوں سے کان گانٹھ کر رہ گئے، محدث بنارسی نے تو تین باتیں اس کے جواب میں تحریر کر کے دفع الوقتی کو غنیمت سمجھا اول یہ کہ اس اثر کا کلام[1] حضرت علی ہونا ہی صحیح نہیں دوسرے اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو اثر مذکور کسی حدیث کے موافق نہیں بلکہ حدیث مرفوع طارق بن شہاب وغیرہ اور آیت قرآنی کے مخالف ہے تیسرے اس میں قیاس واجتہاد کو بالکل دخل ہے کیونکہ شہر میں چونکہ آدمی زیادہ ہوتے ہیں اس لئے حضرت علی نے یہ سمجھا ہو کہ نماز کامل طور سے شہر ہی میں ادا ہوتی ہے اور اس لئے انہوں نے **لا جمعة و لا تشریق الا فی مصر جامع** بطور نفی کمال ارشاد فرما دیا اور اب اثر

---

[1] کسر العریٰ ص ۲۱

حضرت علی اور حدیث طارق بن شہاب وغیرہ میں بھی توافق ہو جائے گا کیونکہ مقصود حضرت علی نفی کمال ہے نہ نفی صحتہ و جواز ا، انتہی ۔

جواب

ہم متعجب ہیں کہ عبارت اوثق العریٰ باوجودیکہ مجیب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے مگر اس کے تمام استدلالات کو ہضم کر کے اور تمام الزامات سے قطع نظر فرما کر مجیب نے ادھر ادھر کی باتوں سے اپنا کام چلانا چاہا خیر انہوں نے تو اوثق العریٰ کی باتوں کا جواب نہ دیا مگر ہم مجیب کی تینوں باتوں کا بالترتیب جواب عرض کرتے ہیں جس سے مجیب کی تقریر کی حقیقت اور ہماری عرض کی صداقت اور اوثق العری کی حقیت بخوبی واضح ہو جائے دیکھ لیجئے امر اول یعنی اثر مذکور کا مقولہ حضرت علی ہونا صحیح نہیں مجیب کا یہ قول تو ایسا خلاف واقع اور کذب صریح ہے کہ سامعین کی زبان پر بھی بے ساختہ تعوذ و استغفار آہی جائے گا اگر ہمارے مجیب کو اور کچھ معلوم نہ تھا تو یہی دیکھ لینا تھا کہ ان کے شیخ الکل حجت السلف والخلف اسی فتوی میں اور قاضی صاحب نیل الاوطار میں بواسطہ ابن حزم اثر مذکور کی تصحیح نقل فرما رہے ہیں وصحح ابن حزم وقفہ ان دونوں حوالوں کے بعد اکابر سلف کے اقوال اس بارے میں نقل کرنے کی ہم کو کچھ حاجت نہیں ہاں یہ بات ناظرین کی خدمت میں معروض ہے کہ دیکھئے ہمارے مجیب صاحبوں نے شروع رسالہ میں روایت دار قطنی منقولہ قاضی صاحب کے تسلیم میں یہ عذر پیش کیا تھا کہ اس کی تصحیح ثابت نہیں اور قاضی صاحب نے بھی اس کی صحت کی تصریح نہیں فرمائی کما مر اور اب باوجودیکہ قاضی صاحب اور مولوی نذیر حسین صاحب اثر حضرت علی کی صحت کو بالتصریح نقل فرما رہے ہیں اور کتب متداولہ میں اس کی سند صحیح موجود ہے مگر پھر بھی ہمارے مجیب نہایت جسارت و بے باکی کے ساتھ بلا وجہ کہتے ہیں کہ اس کا کلام حضرت علی ہونا صحیح نہیں جس سے ہمارے مجیب کا تدین وانصاف اور مبلغ علم کالبدر فی الدجی سب پر روشن ہو رہا ہے اور اس خوبی پر جگہ جگہ اوروں کو خوف خداوندی دلایا جاتا ہے جو مسلمان کی شان سے مستبعد اور **افلا تعقلون** کے خطاب کے لائق ہے اخیر میں یہ عرض ہے کہ حدیث ام عبداللہ الدوسیہ جس کو مجیب اپنا مستدل بنا چکے ہیں اس کو اور اثر مذکور کو در بارہ صحت وضعف مجیب اپنے ایمان سے موازنہ کر کے فرما دیں کہ کون قوی ہے اور کون ضعیف اگر اس پر بھی نہ شرمائیں تو اس کا کیا علاج اب لیجئے امر ثانی یعنی درصورت تسلیم صحت اثر مذکور کسی حدیث کے موافق نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سابقہ اور آیت کے مخالف ہے اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ اہل انصاف خود ملاحظہ فرمالیں کہ دونوں باتوں میں سے ایک بات میں بھی بوئے صداقت نہیں ظاہر ہے

کہ آیت سے مجیب کی مراد آیت **فاسعوا الی ذکر اللّٰہ** ہے اور احادیث سے حدیث طارق بن شہاب اور روایت جواثی اور حدیث کعب بن مالک اور حدیث ام عبداللہ مقصود ہے جن کی نسبت نہایت تفصیل کے ساتھ گفتگو گذر چکی ہے کہ ان نصوص میں سے ایک بھی ہمارے مجیب کے مثبت مدعی نہیں بلکہ بعض روایات جن کو مجیب مفید خیال کر رہے ہیں ان کے مطلب کے مخالف ہیں **کما مر مفصلاً** جس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ نصوص مذکورہ میں سے ایک بھی اثر حضرت علی کے مخالف نہیں باقی کم فہمی کا کوئی علاج نہیں علی ھذا القیاس مجیب کا یہ کہنا کہ کوئی حدیث اثر مذکور کے موافق نہیں بالکل خبط عشوا ہے اوثق العریٰ میں مکرر گذر چکا ہے کہ قیام قبا میں آپ کو دو جمعہ یقیناً واقع ہوئے جن میں سے ایک کو مجیب بنارسی بھی تسلیم فرماتے ہیں اور اس سے پہلے مدینہ طیبہ میں جمعہ قائم ہو چکا تھا باوجود اس کے آپ کا قبا میں جمعہ قائم نہ فرمانا اور اہل قبا کو کسی قسم کا ارشاد نہ کرنا، کہئے اثر علی کے سراسر موافق ہے یا نہیں؟ اور تمام زمانہ نزول وحی میں عوالی وغیرہ میں کہیں ایک دفعہ بھی جمعہ کا قائم نہ ہونا اور نہ آپ کا ان کو ارشاد فرمانا بتلایئے تو سہی کہ اثر مذکور کی موافقت پر نص صریح ہے یا نہیں حدیث انتیاب اہل عوالی اثر مذکور کی مؤید ہے یا نہیں خود حدیث جواثی جو اس امر پر دال ہے کہ اس وقت تلک بجز مسجد نبوی کہیں جمعہ نہ ہوتا تھا حالانکہ عوالی میں اس سے بہت پہلے اسلام قائم ہو چکا تھا اور عوالی میں بکثرت مسلمان موجود تھے ارشاد حضرت علی کے صریح مطابق ہے یا نہیں علاوہ اس کے اور چند روایات اوراق سابقہ میں مذکور ہو چکیں ہیں کہ ان کا مدعی وہی ہے جو اثر مذکور کا مطلب ہے ملاحظہ فرمالیجئے عقل وانصاف سے کام لیجئے تو اثر حضرت علی جو کہ حقیقت میں مرفوع کے حکم میں ہے اور جس کی بابت علامہ عینی وغیرہ تحریر فرماتے ہیں **قد صحح قول علی[1] بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ الذی ھو اعلم الناس بامر المدینہ لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع** ہمارے مدعی کے لئے دلیل شافی ہے اور عدم جواز جمعہ فی القریٰ کے بارے میں کسی روایت ودلیل کی تائید وموافقت کا محتاج نہیں مگر اس کے ساتھ جب یہ امر بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ ہمارے مجیب صاحبوں نے جس قدر روایات وآثار اس کی مقابلہ میں پیش فرمائے تھے وہ سب کے سب اثر مذکور کے موافق ہیں کوئی بھی معارض نہیں کما مر اور اسی کے ساتھ یہ بھی محقق ہو چکا کہ تعامل قطعی زمانۂ نبوت وعصر خلافت ودیگر روایات متعددہ صحیحہ کا بھی وہی مطلب ثابت ہوتا ہے جو اثر مذکور سے ظاہر ہے تو اب اثر مذکور کی نسبت یہ خیالات پادرہوا بار بار پیش کرنا کہ اس کے تو موافق کوئی اور حدیث نہیں بلکہ روایات مرفوعہ اثر مذکور کے مخالف ہیں سچ عرض کرتا ہوں کہ انہیں حضرات کا کام ہے کہ جن کو عقل وانصاف وحیا ودیانت

---

[1] عمدۃ القاری للعینی المجلد السادس، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن ص ۱۸۸ (مکتبہ رشیدیہ پاکستان)

سب کے عوض میں صرف زبان ہی زبان عطا ہوئی ہے کس قدر حیرت ناک امر ہے کہ ہمارے زمانہ کے محدثین چھوٹے بڑے سب مل کر قصہ جواثی کی بابت یہ فرماتے تھے کہ اہل جواثی نے اپنی رائے سے ہرگز جمعہ قائم نہ فرمایا ہوگا ضرور آپ کے استفسار اور ارشاد کے بعد قائم کیا ہوگا زمانۂ نزول وحی میں کیسے ہوسکتا ہے کہ بلا استفسار شارع علیہ السلام اپنی رائے سے حضرات صحابہ کسی امر کو معمول بہ قرار دیں اور اب وہی حضرات اثر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی نسبت یہ فرمارہے ہیں کہ حضرت علی نے جو کچھ فرمایا قرآن حدیث کے خلاف محض اپنی رائے اور قیاس سے فرمایا ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا سبحان اللہ حضرت علی سے تو یہ سوء ظن اور اہل جواثا سے وہ حسن عقیدت **سبحانك هذا بهتان عظيم** اس خرافات اور بے وجہ انقلاب کو دیکھ کر اگر کسی صدمہ رسیدہ کی زبان سے دل تنگی کے باعث دروغ گورا حافظہ نباشد نکل جائے تو فرمائے کہ اس بے چارے کا کیا قصور ہے دیکھئے حضرت علی علم وتفقہ میں اہل جواثی سے افضل واقفیت جملہ حالات میں ان سے بدرجہا زائد وہ حضرات برائے چندے آئے چلے گئے اور یہ اول سے لے کر آخر تلک ہر وقت کے ملازم خدمت اس پر اثر حضرت علی ارشاد قولی جس کا مفاد سلب کلی اور قصہ جواثی واقعہ فعلی جس کا مدلول ایجاب جزئی اور پھر اہل جواثی کا فعل قیاس جلی کے موافق اور حضرت علی کا ارشاد قیاس کے صریح مخالف باوجود اس کے حضرت علی کے ارشاد کو موقوف ومردود کہنے میں اور فعل اہل جواثی کو مرفوع ومقبول فرمانے میں نہ زبان میں لکنت نہ آنکھوں میں حیا ہے

شعر

خدا شرمائے اس غارت گر ایمان کو اے مومن   جو قتل بے گناہاں میں خدا سے بھی نہ شرمائے

اور آپ کے قاعدہ کے موافق جب حضرت علی کے اس ارشاد پر اور اس اعتقاد پر کہیں انکار نہ ہو وعید نازل نہ ہوئی وحی ممانعت نہ آئی تو حکماً مرفوع اور حکم الٰہی ہوگیا، پھر اب اس سے انکار کی اور اس کے تردید کی حسب قاعدہ مخترعہ کیا گنجائش رہی۔

اب باقی رہ گیا امر ثالث جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کے ارشاد میں نفی کمال مراد لی جائے نہ نفی جواز چونکہ شہر میں آدمی زیادہ ہوتے ہیں اس لئے حضرت علی نے اقامت جمعہ فی القریٰ کی نفی بطور کمال فرمادی ہو اور اس صورت میں اثر مذکور اور آیت واحادیث سابقہ میں کچھ تعارض باقی نہ رہے گا بلکہ موافقت ومطابقت ہوجائے گی، سبحان اللہ ایک تطبیق بخاری اور اہل سیر کی روایت میں ہمارے مجیب عنقریب ذکر فرماچکے ہیں جس کی تفصیلی حالت ہدیہ ناظرین کر چکا ہوں اور یہ اب دوسری تطبیق ہے جو اثر حضرت علی اور روایات مذکورہ سابقہ میں بیان کی جاتی ہے ان کے ملاحظہ سے صاف ظاہر ہے کہ علماء اصول رحمہم اللہ کو اس قسم کی تطبیقات عجیبہ کے دیکھنے اور سننے کی نوبت ہی نہیں آئی ورنہ اہل اصول جو تطبیق کو تعارض

پر مطلقاً ترجیح دیتے ہیں اس ترجیح کو قیامت تلک مقرر و مسلم نہ فرماتے ہمارے مجیب کی تطبیقات سے تو نسخ کا قائل ہو جانا بدرجہا سہل و قابل قبول ہے مجیب نے کسی خمار میں اثر مذکور کو موقوف اور مردود کہہ تو دیا مگر بطور خرق عادت خود بھی غالباً اس کے بطلان پر متنبہ ہو گئے اس لئے اثر مذکور کے معمول بہ بنانے اور روایات سابقہ کے ساتھ موافق کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور قول سابق کی مکافات کی طمع میں ایسی تطبیق عجیب بیان فرمائی کہ جس کو دیکھ کر کسی مظلوم کا قول یاد آتا ہے مصرعہ

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

ہر چند امور مذکورہ اوثق العریٰ کا جواب مجیب کچھ بھی نہیں دے سکے مگر اثر مذکور کو بمقابلہ دیگر روایات مرجوح کہنے میں بعض علماء بھی ان کے شریک تو ہیں اور یہ تطبیق جو ہمارے مجیب نے تراشی ہے علمائے معتبرین میں سے کسی کو اس کا خطرہ بھی غالباً نہ گذرا ہوگا ہمارے خیال میں تو یہ ہے کہ یہ تطبیق مجیب صاحب نے اپنے مخالفوں سے مجبوری کی حالت میں اڑائی ہے موقع کا مناسب و غیر مناسب ہونا یہ عقل و فہم کے متعلق ہے آخر یہ امر تو مسلم ہے کہ نقل کرنے میں بہت وسعت ہے حتی کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ آدمی کی نقل آدمی ہی کر سکے یہ خدا کی شان ہے کہ جو حضرات لای نفی جنس کا مصداق نفی واجب کو بھی تسلیم نہ فرماتے تھے اب اس کا مصداق محض ایک خیالی نفی اولویۃ کو فخر و مسرت کے ساتھ بنانے کو موجود ہیں افسوس کہ مطابق عقل و نقل تاویل فرمانے والے تو اہل رائے اور مخالف احادیث سمجھے جائیں اور بے ہودہ اور لغو تاویلات و تحریفات بیان کرنے والے عامل بظاہر الحدیث کہلائیں اس سے بڑھ کر علامت قیامت اور کیا ہوگی اذا[1] وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة ارشاد سید الانس والجان ہے دیکھ لیجئے جو ہمارے مجیب نے تاویل بیان فرمائی ہے نہ وہ متبادر الی الفہم ہے نہ کوئی قرینہ اس پر قائم ہے خود مجیب بھی ضرورت تطبیق روایات کو اس کی دلیل بتلاتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بجز رفع تعارض کوئی قرینہ تاویل مذکور کے مؤید نہیں ہے پھر بھلا اس تطبیق واجب القبول کے مقابلہ میں جس کو بحوالہ اوثق العریٰ بالتفصیل ہم بھی عرض کر چکے ہیں اور مشید بالاقوال والاحادیث ہے اس ایجاد بندہ اگرچہ گندہ کو کون دشمن عقل و انصاف پسند کر سکتا ہے یہ کیا انصاف ہے کہ مجیب تطبیق بیان فرمودہ اوثق العریٰ میں تو سقم نکال نہ سکے اور دوسری تطبیق جس کو اہل فہم تحریف کہتے ہیں پیش فرما کے سبکدوش ہو گئے اور فہم سے کام لیجئے تو ان امور بدیہیہ کے سوا تاویل مجیب میں چند سقم اور بھی ہیں مجیب کا یہ کہنا کہ ارشاد حضرت علیؓ قیاس کے بالکل موافق ہے اہل فہم کے نزدیک قیاس جلی اور بداہت عقل کے بالکل مخالف ہے دیکھئے بالبداہت یہ معلوم

[1] بخاری جلد اول ص ۱۴، کتاب العلم، باب من سئل علما وهو مشتغل فی حدیثه فاتم الحدیث ثم اجاب السائل (رشیدیہ دہلی)

ہوتا ہے کہ جمعہ میں بھی مثل صلوٰۃ خمسہ وغیرہ تخصیص مکانی نہ ہونی چاہئے اور جب اُن تاکیدات ووعیدات نصوص کو ملاحظہ کیا جاتا ہے جو در بارۂ جمعہ وارد ہیں تو بجائے تخصیص الٹی تعمیم زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے علاوہ ازیں عمومات واطلاقات امکنہ جو نصوص واردہ فی الجمعہ میں موجود ہیں جن کے اعتماد پر ہمارے مجیب دیگر نصوص اور تعامل زمانہ نبوی تلک کو ایک لخت متروک فرمارہے ہیں ان سے بھی تعمیم مکانی متبادر ہے چنانچہ فتح القدیر عینی وغیرہ میں یہ مضمون دربارۂ اثر حضرت علی موجود ہے ثم[۱] **یجیب ان یحمل علی کونه سماعاً لان دلیل الاقتراض من کتاب اللّٰہ تعالی یفیدہ علی العموم فی الامکنة فاقدامه علی نفیها فی بعض الا ماکن لایکون الا عن سماع لانه خلاف القیاس المستمر فی مثله** اس پر بھی اثر حضرت علی کو موافق قیاس کہنا اور اقامت جمعہ فی جواثی کو قیاس کے مخالف سمجھنا انہیں حضرات کا کام ہے جو بلافہم وعقل عامل بالحدیث بن بیٹھے ہیں پھر اس کی دلیل خیالی مجیب یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے یہ سمجھا ہو کہ نماز کامل طور سے شہر ہی میں ادا ہوتی ہے اور اس وجہ سے نفی کمال کی کردی ہو جس کے دیکھنے سے یوں خیال گذرتا ہے کہ بوجہ جھکڑ جس کے افسانے عوام میں مشہور ہیں کہیں اس کی روح ہمارے مجیب میں حلول کرگئی ہے جاحظ نے نقل کیا ہے کہ ایک لڑکا استاد کو قرآن سناتا تھا اس نے یہ آیت پڑھی **علیها ملائکة غلاظ شداد لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون** مگر بجائے **لا یعصون** اس نے **یعصون** پڑھا اور **یومرون** کی جگہ **لایومرون** پڑھ گیا استاد کو طیش آگیا اور سب وضرب کے بعد کہا کہ کمبخت یہ شان ملائکۃ الرحمٰن کی نہیں یہ حال تو رہزن قزاق غارت گروں کا ہے سو ہم حضرت مجیب کی شان میں تو کچھ عرض نہیں کرسکتے مگر اتنا ضرور کہتے ہیں کہ صاحب باب مدینۃ العلم کی شان تو اس سے بہت اعلی اور ارفع ہے یہ بات تو آج کل کے رہزنوں کے مناسب حال ہے ابھی تو ہمارے مجیب نے یہ کہا تھا کہ ارشاد حضرت علی آیت واحادیث سب کے خلاف ہے ایک روایت بھی اس کے موافق نہیں جس کا یہ مطلب تھا کہ حضرت علی کو کسی حدیث اور آیت جمعہ کی خبر نہیں تھی بلکہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے وفات کے بعد تک بھی ان کو آیت تلک کی خبر نہیں ہوئی بالیقین ایسی بات اہل حدیث زمانۂ حال کے سوا کوئی جاہل بھی نہیں کہہ سکتا **استغفر اللّٰہ واتوب الیه** اس سے تو حضرت علی کے علم قرآن وحدیث کی حقیقت معلوم ہو چکی تھی اب مجیب فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنے قیاس واجتہاد سے بسبب قلت ناس قری سے نفی جمعہ بطور کمال فرمادی جس سے ان کے اجتہاد وفہم کی کیفیت معلوم ہوتی ہے جب ہمارے مجیب اس امر کو تسلیم فرمارہے

۱؎ فتح القدیر المجلد الثانی صلوٰۃ الجمعۃ ص ۵۱ (دار الفکر بیروت)

ہیں کہ فرضیت جمعہ میں امصار وقری دونوں مساوی ہیں اصلا تفاوت نہیں پھر معلوم نہیں کہ حضرت علی نے ثبوت اقامت جمعہ کو امصار میں بطور حصر کیوں بیان فرمایا جس سے قریٰ میں اقامت مذکورہ کی نفی محقق ہو گئی باوجود تسلیم مساوات یہ تفاوت عظیم کیسا اوراس کی کیا وجہ اور باوجود مساوات فی الفرضیۃ اگر صرف قلت وکثرت رجال کی وجہ سے یہ تفاوت نامعقول تجویز کیا گیا ہے تو پھر جمعہ اور عیدین ہی کی کیا خصوصیت تھی صلوات خمسہ تراویح کسوف استسقا جنازہ ان سب میں بھی یہی تفاوت نوایجاد جاری ہوگا اور نفی تشریق کا خیال کیا جاتا ہے تو پھر تو اذان واقامت وحلق ذکر کی نفی بھی بطور کمال قریٰ سے کرنی پڑے گی بلکہ اسی طور پر مصر جس قدر عظیم ہوگا اسی قدر جمعہ میں اولویت بڑھتی جائے گی علاوہ ازیں اس ارشاد مرتضوی سے آخر مقصود ومطلوب کیا ہے ہم جہاں تلک خیال کرتے ہیں اس سے زائد سمجھ میں نہیں آتا کہ مجیب یہ کہیں گے کہ حضرت علی کا مدعی یہ ہے کہ نماز جمعہ گو اہل قریٰ پر بھی فرض ہے اور قریٰ محل اقامت جمعہ بھی ہیں مگر قریٰ میں اقامت جمعہ خلاف اولی ہے بہتر یہ ہے کہ شہر میں آکر پڑھیں تاکہ کثرت جماعت موجب تکثیر ثواب ہو مگر اول تو یہ بتلایئے کہ کسی کا یہ مذہب ہے بھی اور اگر آپ کا مذہب آج سے یہی ہے کسی کا ہو یا نہ ہو تو پھر یہ فرمایئے کہ چند شہروں کے آدمی ایک جگہ مجتمع ہوکر نماز پنج گانہ یا جمعہ قائم کریں اور اپنی مساجد کو معطل چھوڑ آئیں تو بوجہ کثرت مذکورہ یہاں بھی اولویت کا حکم ہوگا یا نہیں اور لاتشریق کے معنی کیا لئے جائیں گے یہ لئے جائیں گے کہ اہل قریٰ کو تکبیر تشریق نہیں کہنا چاہئے یا یہ مطلب ہے کہ اہل قریٰ ایام تشریق میں امصار میں حاضر ہوکر نماز پڑھا کریں ہمارے مجیب تو نقل کے مقلد نہ عقل کے پابند ان کو اختیار ہے جو چاہیں سو کریں مگر خدا کے لئے ان خرافات مخترعہ کو حضرت علی کے ذمہ تو نہ لگائیں یہ امر کس قدر حیرت ناک ہے کہ یہ حضرات جمود علی الظاہر میں غلو فرمادیں تو **العظمة لله** اور تاویلات کی طرف متوجہ ہوں تو اس کو دیکھ کر اہل رائے اور قیاس بھی یہی کہہ اٹھیں نعوذ باللہ۔ محدث بنارسی نے یہ بھی تو خیال نہ کیا کہ تمام فقہاء ومحدثین نے حضرت علی کا مذہب یہ نقل فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک قری محل اقامت جمعہ نہیں ہیں پھر ان کا یہ مذہب قرار دینا کہ وہ بھی اقامت مذکورہ کے قائل ہیں فقط کمال واولویت کے منکر ہیں **توجیه الکلام بمالا یرضی به القائل** ہے یا نہیں اور جب مجیب کے طریقۂ تاویل وتطبیق کو دیکھا جاتا ہے تو پھر تو **خبط الکلام بمالا یرضی به العاقل** کہنے کو دل چاہتا ہے دیکھئے علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں **وقال**[۱] **ابن حزم فی المحلّی ذلك عن علی وعن حذیفة لیس علی اهل القری جمعة انما الجمع علی اهل الا مصار مثل المدینة** مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے **عن**[۲] **حذیفة قال لیس**

۱؎ عینی شرح ہدایہ الجزء الثانی، للمجلد الاول، باب صلوٰۃ الجمعۃ ص۹۸۲ (دار الفکر بیروت) ۲؎ عینی شرح ہدایہ الجزء الثانی للمجلد الاول باب صلوٰۃ الجمعۃ ص۹۸۲ (دار الفکر بیروت)

علی اهل القریٰ جمعة انما الجمع علی اهل الامصار مثل المدائن کس قدر تصریح اور توضیح کے ساتھ یہ حضرات اہل قریٰ سے نفی اور خاص اہل امصار پر جمعہ کو ضروری فرمارہے ہیں اور مدینہ اور مدائن کی مثال نے تو ہمارے مجیب کی نفی کمال کی توجیہ کو بطریق کامل نفی فرمادیا حسب زعم مجیب بوجہ قلت وکثرت رجال جو محض امر اضافی ہے اگر حضرت علی نے یہ نفی فرمائی تھی تو پھر مدینہ اور مدائن کی تحدید و تعیین کے کیا معنی کیونکہ جس قدر کثرت زیادہ ہوگی فضیلت بھی زیادہ پائی جائے گی اس پر بھی مجیب بنارسی اگر اپنی خوش فہمی سے باز نہ آئیں اور حق وباطل سے قطع نظر کرکے وہی نفی کمال واستحباب فرمائے جائیں تو پھر اس کا جواب یہی ہے کہ جو روایات مجیب نے اس رسالہ میں اپنے استدلال میں پیش فرمائے ہیں ان کے جواب دینے کی کسی کو ضرورت نہیں سب میں حسب ارشاد مجیب بضرورت تطبیق یہی تاویلیں جاری کی جائیں گی مثلاً حرۂ بنی بیاضہ میں آپ نے جو جمعہ پڑھا اور حسب زعم مجیب اس کو قریہ بھی تسلیم کرلیجئے مگر اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اقامت بطریق استحباب تھی تو اب اس میں سے فرضیت جمعہ اہل قریٰ پر جو مجیب کا مدعی تھا گاؤخورد ہوگئے ایسے ہی اہل جواثی کے فعل کو گو مرفوع بھی مان لیجئے مگر حمل علی الاستحباب کی وجہ سے وہ بھی مثبت مدعائے مجیب نہ ہوگا علی ہذا القیاس انتیاب کے معنی بھی وہی لے لیجئے جو ہمارے مجیب نے سب کے خلاف تراشے ہیں لیکن جب اس کو استحباب پر حمل کریں گے تو مجیب کو کیا نفع ہوگا اسی طرح پر حدیث **جمع اهل العوالی فی مسجده یوم الجمعة** اور حدیث **الجمعة علی من اٰواه اللیل** اور ارشاد حضرت عمر **جمعوا حیث ما کنتم** اور اہل سواحل کا حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ میں جمعہ پڑھنا اور حضرت ابن عمر کا اہل میاہ کو اقامت جمعہ سے منع نہ فرمانا ان سب کو استحباب واولویت پر محمول کرلیجئے تو پھر وجوب اقامت جمعہ فی القری جو مجیب کا مقصود تھا ثابت نہ ہوگا اور آیت قرآنی اور حدیث طارق بن شہاب اور حدیث ام عبداللہ میں گو صیغۂ امر یا لفظ وجوب صراحۃً کے ساتھ موجود ہے مگر وہاں بھی اس استحباب واولویت کی گنجائش ہے چنانچہ بعض علما کا یہ مذہب ہے اور وہ یہ تاویل آیت وغیرہ میں خلاف ظاہر جاری بھی کرتے ہیں نیل الاوطار فتح الباری وغیرہ کو ملاحظہ فرمالیجئے باندیشہ طول تفصیل سے معذور ہوں جب اثر حضرت علی کہ جس میں نفی کمال کی گنجائش نہ اس کا کوئی قائل ہمارے مجیب اس کو نفی کمال پر محمول کرتے ہیں تو پھر روایات مذکورہ میں استحباب واولویت کے انکار کی کیا وجہ ان میں تو بعض علمانے یہ تاویل کی بھی ہے۔ بالجملہ محدث بنارسی نے جو اثر حضرت علی کے جواب میں تین باتیں بیان فرمائی تھیں ان سب کا جواب تفصیل کے ساتھ معلوم ہو چکا اور ظاہر ہوگیا کہ یہ تمام امور ہمارے مجیب کی قوت خیالیہ کے نتائج ہیں اوثق العریٰ میں جو امر واضح اور حق صریح بیان کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں ان امور کو کوئی

عاقل قابل التفات بھی نہ سمجھے گا اور اثر مذکور ہی ثبوت مدعائے احناف کے لئے بنظر غایر کافی ووافی ہے چہ جائیکہ روایات صحیحہ اور تعامل خیر القرون بھی اس کی موافق اور سراسر مطابق ہو کما مر سابقا اور جتنی روایات اور آثار اور جو آیت قرآنی مجیب نے نقل فرمائی ہیں کوئی بھی اثر مذکور کے مخالف نہ ہو چنانچہ اوثق العریٰ میں باحسن اسلوب مذکور ہے اور ہم بھی پوری توضیح اس کی عرض کر چکے ہیں جس کو فہم وانصاف سے حصہ ملا ہے انشاء اللہ وہ ان امور کو ملاحظہ فرما کر جان ودل سے قبول کرے گا اور ہمارے مجیب کی تک بندی کو اس کے مقابلہ میں ایسا ہی سمجھے گا جیسا کسی شخص نے جاٹ بے جاٹ ترے سر پر کھاٹ کے جواب میں محض بوجھ میں دبانے کی غرض سے تیلی بے تیلی تیرے سر پر کولھو کہہ دیا تھا

سحر با معجزہ پہلو نزند دل خوش دار مکر فرعون کجا صرفہ موسیٰ بہ برد

جواب ابوالمکارم

اب اس کے بعد ہمارے مجیب علامہ ابوالمکارم نے جو اثر حضرت علی کے جواب میں خامہ فرسائی کی ہے اس کی بھی کچھ حقیقت سن لیجئے اوثق العری کے جواب میں تو انہوں نے اپنی عادت مستمرہ کے موافق صرف یہی تحریر فرمایا (اس پر بحث تمام وکمال بجواب حضرت شوق گذر چکی ہے اس بحث سے آپ اور حضرت شوق دونوں بہت بہت محظوظ ہوں گے) انتہی۔

مگر ہم نے جواب مذکور کو دیکھا تو مجیب بحاث کے ہذیاں سرائی دربارہ امور شرعیہ ملاحظہ کر کے بار بار تحریف غالین اور انتحال مبطلیں اور تاویل جاہلیں کا دھیان آتا ہے اور مجیب اول نے جو اثر مذکور کے جواب میں تین باتیں بیان کیں تھی جن کی کیفیت معلوم ہو چکی ہے ان کو یاد کر کے رحمۃ اللہ براولیں نباش کہنے کو دل چاہتا تھا مجیب ابوالمکارم نے اثر حضرت علی میں نہایت مطلق العنانی کے ساتھ دس بحثیں پیش کی ہیں جن کو دیکھ کر حضرت شیخ کے قول کی تصدیق آنکھوں سے نظر آئی ہے

بنطق آدمی بہتر است از دواب دواب از تو بہ گر نگوئی صواب

مجیب بنارسی نے جو کچھ رطب ویابس تحریر فرمایا تھا اس کو مطلب اوثق العریٰ سے تعلق اور امر متنازع فیہ میں آخر دخل تو تھا اور مجیب ابوالمکارم نے جو کچھ بحثیں دربارۂ اثر مذکور بیان کی ہیں اور ان میں سے اکثر کو اصل مقصود سے لگاؤ بھی نہیں باقی ان ابحاث کا فی نفسہ لغو اور فضول ہونا یہ کوئی امر جدید نہیں یہ تو مجیب کے مکارم میں داخل ہے اور اس پر غضب یہ ہے کہ اپنے رسالہ کی لوح پر نہایت فخر ومسرت کے ساتھ مجیب موصوف نے تحریر فرما دیا ہے کہ اثر حضرت علی کے ہم نے دس جواب ایسے دیئے ہیں کہ ناظرین ملاحظہ فرما کر پھڑک

اٹھیں گے جس کو دیکھ کر تعجب پر تعجب ہوتا ہے شاید دو نقطے غلطی سے زائد لگ گئے ہوں اجمالی طور پر بھی ان کا ذکر بے سود اور بار خاطر معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ مجیب ان کو اپنے حق میں سند کمال اور مایۂ کبر و ناز خیال فرما رہے ہیں اس لئے ان کو بالکلیہ ترک کر دینا بھی شاید غیر مناسب ہو بالآخر یہ خیال میں آیا کہ جن باتوں کو عبارات اوثق العریٰ سے کچھ لگاؤ ہو ان کو بالتفصیل اور جو امور مطالب اوثق العری سے اجنبی محض ہیں ان کو غایت مافی الباب بالا جمال عرض کر دیا جائے مولانا ظہیر احسن شوق کے جن کے جواب میں مجیب نے یہ مباحث عشرہ اصل میں پیش کیئے ہیں انہوں نے جملہ امور کا جواب تفصیلی بیان فرمایا ہے اس لئے جملہ امور کی تفصیل کے ساتھ تردید بیان کرنا اور بھی زیادہ فضول نظر آتا ہے۔

بحث اول

مجیب ابوالمکارم نے اثر مذکور لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع پر اول یہ بحث پیش کی ہے کہ یہ اثر موقوف ہے مرفوع نہیں اور کسی امر کی فرضیت قول صحابی سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ثبوت فرضیت کے لئے دلیل قطعی درکار ہے اور اس کی تائید کے لئے عبارت مجمع الانہر بھی نقل کی ہے۔

جواب

جس کے جواب میں ہم کو بشرط فہم وانصاف یہی عرض کرنا کافی ہے کہ اول تو اثر مذکور حسب قواعد مسلمہ علماً حکماً مرفوع ہے اور دیگر روایات مرفوعہ صحیحہ اور تعامل نبوی وغیرہ اس کی موید چنانچہ اوثق العریٰ میں بالتصریح موجود ہے اور بجواب مجیب بنارسی ہم بھی مفصلاً عرض کر آئے ہیں مجیب ابوالمکارم کی کس قدر بے انصافی اور بے باکی ہے کہ اوثق العریٰ کی ان تمام باتوں کو یک لخت چھوڑ کر فقط یہ کہہ دیا کہ یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ حضرت علیؓ کا قول ہے اہل علم کو ان کے ایسے فضول ابحاث سے ان کی ناواقفی اور مطلق العنانی خوب واضح ہوتی ہے اور اثر مذکور میں ایسی لغویات سے کوئی سقم نہیں آ سکتا۔

بحث ثانی

دوسری یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دلیل قطعی کی ضرورت فرض اعتقادی کیلئے ہوتی ہے فرض عملی کیلئے دلیل ظنی بھی کافی ہے چنانچہ کتب حنفیہ میں اس کی تصریح موجود ہے جس سے بشرط فہم اشکال موجودہ مجمع الانہر کا جواب سہولت کے ساتھ سمجھ میں آ سکتا ہے بحث ثانی میں مجیب نے بہت کچھ زور طبع

دکھلایا ہے اور فضول گوئی کا پورا حق ادا کیا ہے جس کو دیکھنا بھی ہر ایک کا کام نہیں مگر مدعائے اصلی فقط اتنا ہے کہ مجیب ابوالمکارم فرماتے ہیں اثر حضرت علی سے اس وقت استدلال صحیح ہوسکتا ہے جب حضرت علی سے مصر جامع کی تعریف بھی منقول ہو ورنہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ مصر جامع کی تعریف میں اختلاف ہے۔

جواب

ہم کو سخت اندیشہ ہے کہ اگر ہمارے مجیب نے خدانخواستہ دو چار قواعد اور ایسے ہی ایجاد فرمادیئے تو کوئی نص بھی غالبًا قابل استدلال باقی نہیں رہے گی، کیل، فرق، صاع، مد، مکوک، ذراع، درہم، دینار قلہ، بلکہ حیض، نفاس، سفر وغیرہ وغیرہ امور کی تفسیر وتحدید میں اختلاف ہے تو اب جن احادیث میں ان امور کا ذکر ہے ان سے حسب اختراع مجیب اس وقت تلک استدلال صحیح نہیں ہوسکتا جب تک ان امور کی تحدید وتعیین بھی خود شارع علیہ السلام سے منقول نہ ہوئی افسوس جن غریبوں کو غیظ وغضب کے ساتھ اہل الرائے کہا جاتا ہے اور مخالف حدیث کہہ کر دل ٹھنڈا کیا جاتا ہے ایمان سے فرمادیجئے کہ ان میں سے کسی نے بھی ایسی خرافات کی وجہ سے کسی حدیث کو ساقط الاحتجاج قرار دیا ہے صاحبو اگر عمل بالظاہر اور محبت احادیث اسی حماقت اور خودراء کا نام ہے کہ جب کسی قول اور روایت معتبرہ سے جان بچانی ہوئی تو خلاف عقل ونقل محض حماقت سے اس میں خدشہ نکالنے کو موجود ہوگئے تو نعوذ باللہ منہا اس کے بعد ہم مجیب سے دو باتیں اور دریافت کرتے ہیں امید کہ اپنے قاعدہ مخترعہ کو ملحوظ فرماکر ہمارے استفسار کا جواب شافی دیا جائے اول یہ کہ مجیب کے قاعدہ کی موافق حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب سے فرضیت قراءۃ فاتحہ اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتی جب تک کہ تعیین وتحدید فاتحہ بھی حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محقق نہ ہولے کیونکہ تحدید فاتحہ میں اختلاف ہے بعض تسمیہ کو فاتحہ میں شمار کرتے ہیں بعض خارج بتلاتے ہیں دوسرے قصہ جواثا جو روایت ابن عباس سے مروی ہوچکا ہے اس سے بھی استدلال صحیح نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ خود حضرت ابن عباس سے قریہ کی تعریف منقول نہ ہو باقی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ گو ہمارے مجیب اور ان کے ہم مشرب صحت جمعہ کے لئے کسی موضع کی تخصیص نہ فرمائیں مگر مصر قریہ صحرا کی تعریف ومصداق میں ان کو بھی باہم فرق تسلیم کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا ہم کو کیونکہ ہمارے مجیب وغیرہ امتیاز فی الحکم کے منکر ہیں امتیاز اور تباین فی المصداق تو ایسا بدیہی اور مسلم امر ہے کہ کوئی دیوانہ بلکہ کوئی ملا معترض بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا تو اب امور مذکورہ کی مصداق اور تعریف میں باہم امتیاز جیسا ہم کو ضروری ہے ہمارے مجیب

اوران کے ہم مشربوں بلکہ سارے جہاں کوایسا ہی ضروری اور بدیہی التسلیم ہے اس لئے مجیب اوران کے موافقین کو چاہئے کہ مصر کی تعریف واضح اور جامع مانع تحریر فرمائیں مگر سوچ سمجھ کر انشاء اللہ اس سے بعض وہ مغالطے کہ جس میں مجیب وغیرہ مبتلا ہیں اور اوروں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں بسہولت طے ہو جائیں گے اور اگر مجیب کچھ سوچ سمجھ کر اس سے پہلو تہی فرمائیں اور بغرض پردہ پوشی یہ کہیں کہ گو مصر قریہ وغیرہ میں فرق بدیہی اور مسلم ہے مگر ہم کو اس کے فرق بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اقامت جمعہ کے لئے سب امکنہ برابر ہیں اگر ہم کسی قسم کی تخصیص کے قائل ہوتے تو ہم کو تعریف وامتیاز کی ضرورت ہوتی تو اول تو اہل فہم ان کی اس پہلو تہی اور عذر لچر کو سن کر ہی انشاء اللہ ان کی عقل وفہم کا موازنہ کر لیں گے شروح بخاری کو ملاحظہ کر لیجئے شوافع وغیرہ حضرات بھی مصر وقریہ کی تعریف بیان فرمارہے ہیں اس کے سوا مجیب بنارسی اثر حضرت علی کی تطبیق میں یہ ارشاد کر آئے ہیں کہ امصار میں اقامت جمعہ اولی ہے تو اب امصار گو صحت و وجوب جمعہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوں مگر اولویۃ جمعہ کو تو وہ بھی مختص بالا مصار فرمائیں گے اس لئے مصر وقریہ کی تمیز وتحدید کرنی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں مصر کو جانے دیجئے مگر روایت جواثا میں جو کہ مجیب کا مستدل ہے جب لفظ قریہ صریح موجود ہے تو قریہ کی تعریف جامع مانع ضرور ہونی چاہئے اور مجیب کے قاعدہ کے موافق تو خود حضرت ابن عباس سے منقول ہونا ضروری ہے بقول مجیب کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک قریہ سے مراد کچھ اور ہو اور ہمارے مجیب کچھ اور سمجھ کر ہر جگہ جمعہ پڑھ کر اور پڑھوا کر گنہگار ہوں اور گنہگار کریں بالجملہ مجیب اور ان کے ہم مشرب جن کو تعریفات مصر منقولہ احناف میں طرح طرح کے خیالات پیش آتے ہیں جن کی وجہ سے احناف پر بلا وجہ الفاظ طعن وتشنیع استعمال کئے جاتے ہیں اور ہمارے مجیب اس بارے میں حضرت علی کو حکم مقرر فرمانے کی رائے دے رہے ہیں ان کو لازم ہے کہ مصر یا قریہ کی تعریف جامع مانع تفصیل کے ساتھ خواہ مشورہ کے بعد خواہ فرادی فرادی بیان فرمائیں اور اس کے بعد کسی کو حکم مقرر کرنے کی فکر کریں اور ہم تو مجیب کی اس تمام خرافات کو تسلیم کر کے بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت حذیفہ سے تعریف مصر میں مثل المدینہ اور مثل المدائن خود منقول بھی ہے چنانچہ بحوالہ ابن حزم اور ابن ابی شیبہ منقول ہو چکا۔

بحث ثالث

اثر حضرت علی میں مجیب نے بحث ثالث جو بیان فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حنفیہ کے نزدیک علاوہ امام دو یا تین آدمیوں سے بھی جمعہ صحیح ہو جاتا ہے تو پھر مصر جامع کی شرط سے کیا فائدہ کیونکہ

مصر جامع کی شرط تو اسی غرض سے تھی کہ اگر مصلی فوج داری کریں تو حاکم روک دے اور یہ تین چار آدمی کیا فوجداری کر سکتے ہیں۔

جواب

جنابِ من چار آدمیوں سے جمعہ کا جائز اور صحیح ہو جانا اور بات ہے اتنی بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجمع عظیم کا ہونا نہ ہونا برابر ہے عرف و عادت کو دیکھئے تو جمعہ میں مجمع پورا ہوتا ہے اور حکم شرعی کو ملاحظہ فرمائیے تو یہی امر مستحسن ہے کہ جمعہ میں مجمع عظیم ہونا چاہئے اس لئے مصر واذن عام جمعہ کے لئے ضروری ہوا یہ دوسری بات ہے کہ کسی مجبوری کی وجہ سے اگر چار آدمی ہی ہوں گے تو جمعہ درست ہو جائے گا اگر مجیب کا یہی فہم ہے تو حدیث **یومّ[1] القوم اقرء هم لِکتاب الله** پر بھی ضرور یہ اعتراض کریں گے کہ جب قراءۃ فاتحہ الکتاب صحت صلوٰہ کے لئے کافی ووافی ہے تو پھر اقرء لکتاب اللہ کے ارشاد سے کیا فائدہ؟ مجیب کے سامنے فہم کی بات عرض کرنا تو بقول شخصے رونا اور اپنی آنکھیں کھونا ہے مگر اہل انصاف و طالب حق کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اجتماع مسلمین اور اشاعت دین نہایت مہتم بالشان اور جامع خیر و برکات دارین ہے مگر ان میں باہم فرق مراتب ضرور ہے جس کی وجہ سے شارع علیہ السلام نے ان کے قیود و شروط ازمنہ وامکنہ کو ان کے مناسب حال متعین فرما کر سب کو مطلع کر دیا قیود مذکورہ کا لحاظ نہ کرنا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مختلط کر دینا انہیں کا کام ہے جن کو حقیقت تک رسائی نہیں اور حقیقت شناسان احکام شریعت کی اتباع سے بھی استنکاف ہے اس کی تفصیل سے بوجوہ متعددہ معذور ہوں مگر ایک دو حوالہ عرض کئے دیتا ہوں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت اور جمعہ کے بیان میں اس مضمون کو اپنی تصنیفات میں ذکر فرمایا ہے حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں **والاشاعۃ[2] اشاعتان اشاعة فی الحی و اشاعة فی المدینة والاشاعة فی الحی تیسیر فی کل وقت صلوٰة والاشاعة فی المدینة لا تیسیر الاغبّ طائفة من الزمان کالا سبوع** دوسرے موقع میں فرماتے ہیں **لماّ[3] کان حقیقة الجمعة اشاعة الدین فی البلد وجب ان ینظر الی تمدن وجماعة** حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رسالہ ایضاح میں بدعت وصفیہ کی بحث میں ارشاد فرماتے ہیں وازاں[4] جملہ است تعیین امکنہ یا بطریق لزوم

[1] ترمذی جلد اول، باب من احق بالامامة، ص ۵۵ (رشیدیہ دہلی)
[2] حجۃ اللہ البالغہ، الجماعۃ ص ۲۵ (مطبع اشرفی دیوبند)
[3] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم الجمعہ ص ۳۰ (مطبع اشرفی دیوبند)
[4] ایضاح الحق الصریح ص ۱۹ (افضل المطابع شیخ الٰہی بخش)

مثل تعیین مکان طاہر غیر مقابر وحمامات برائے نماز وامصار برائے جمعہ واعیاد ومساجد برائے اعتکاف و مواقیت احرام وحرم وکعبہ وعرفات ومنیٰ ومزدلفہ وصفا ومروہ برائے حج وعمرہ وغیر مساجد برائے معاملات الخ ارشادات منقولہ سے یہ امر روشن ہے کہ اجتماع مسلمین واشاعت دین اور جملہ احکام شرع متین کے لئے شروط وقیود زمانی ومکانی وغیرہ ان کے مناسب شان مقرر ہیں ان کو باہم مختلط کر دینا فی الحقیقۃ اختلاط فی الدین ہے اور حقیقت صلوٰۃ جمعہ کے لئے جیسا یوم جمعہ ضروری ہے ایسا ہی تمدن ومصریت کا محقق ہونا واجب ہے تمدن کی قید کو اڑا کر ہر موضع اور صحرا ومیدان میں اقامت جمعہ کو صحیح کہنا حقیقت شناسان کلام ربانی اور دقیقہ سنجان کلام نبوی کے نزدیک بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی احمق دیندار یوم جمعہ کی قید کو زائل کر کے شوق عبادت میں اور دنوں میں بھی جمعہ پڑھنے کو تیار ہو جائے یا کوئی مجیب کا ہم خیال صلوٰۃ استسقا وجنائز وعیدین کے لئے صحرا کی اولویۃ کو لغو سمجھ کر تمام امکنہ کو یکساں بتلانے لگے اور ہمارے مجیب کی طرح بھی کہے کہ جب صلوٰۃ عیدین وغیرہ کے لئے مجمع عظیم ضروری نہیں بلکہ ایک دو بھی ادا کر سکتے ہیں تو پھر صحرا اور میدان کی قید سے کیا نفع جس چھوٹی سے چھوٹی مسجد یا مکان میں چاہے ادا کر لے، دیکھئے ہمارے مجیب اپنے قیاس واجتہاد کے زور سے کس کس قید شرعی سے آزادی حاصل کرتے ہیں، امر اول کے بعد جو مجیب نے اسی بحث میں یہ فرمایا ہے مصر جامع کی شرط تو اسی غرض سے ہے کہ مصلے فوجداری کریں تو حاکم ان کو روکے اس کو دیکھ کر تو کسی کا مقولہ (چہ خوش گفت است سعدی درزلیخا) یاد آتا ہے کہ کوئی پوچھے کہ قید مصر کی وجہ یہ کس نے بیان کی ہے افسوس ہمارے مجیب علام کو اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ صحت جمعہ کیلئے جیسے مصر کی قید ہے دوسری قید حاکم کی بھی ہے یا نہیں کہ حاکم کی ضرورت کی وجہ سے فقہاء نے مصر کی قید لگائی ہے بلکہ اس کے بالعکس کہتے تو مضائقہ نہ تھا یعنی جب صحت جمعہ کے لئے مصر اور اذن عام شرط ہوا تو ظاہر ہے کہ مجمع عظیم ہوگا جس کی وجہ سے حاکم کی ضرورت ہوتی۔ باقی اہل فہم کو تقریر سابق سے معلوم ہو چکا ہے کہ حقیقت صلوۃ جمعہ کے لئے تمدن ومصریت چونکہ ضروری اور واجب ہے اور اس اشاعت مخصوصہ کے لئے یہی محل مخصوص شرعاً مناسب ہے اس لئے اقامت جمعہ کے لئے مصر ضرور ہوا خواہ مجمع قلیل ہو یا کثیر اور قریٰ صغیرہ اور بوادی اور براری میں گو کتنا ہی مجمع ہو درست نہ ہوگا بالجملہ حنفیہ کے نزدیک جیسا صلوۃ جمعہ کے لئے یوم مخصوص کی ضرورت ہے ایسے ہی محل خاص یعنی مصر اور مجمع خاص یعنی ماسوا امام کے تین آدمیوں کی ضرورت ہے یہ بالکل جہالت اور افترا ہے کہ مصر کی ضرورت صرف حاکم کی وجہ سے ہے اور پھر اس پر یہ کہہ دینا کہ تین آدمیوں سے جمعہ ہو جاتا ہے تو پھر مصر جامع کی شرط سے فائدہ ہی کیا ہے بالکل بے فہمی اور ناواقفی کی بات ہے ان سب امور کے علاوہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ہمارے مجیب باوجود دعوی عمل

بظاہر الحدیث اثر حضرت علی کو جو حکماً مرفوع ہے محض اپنے اٹکل کے تیروں سے مجروح ومتروک کرنا چاہتے ہیں جو غایت شرم وندامت کی بات ہے۔

بحث رابع

اس کے بعد اثر مذکور پر معترض بحاث نے جو بحث رابع بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب صاحبین لاتشریق کے خلاف ہے یعنی دونوں صاحب تکبیرات تشریق کو اہل مصر اور اہل قریہ پر یکساں تسلیم فرماتے ہیں سو جب اثر مذکور کے ایک جملہ میں خود حنفیہ ہی میں باہم اختلاف ہے تو پھر اثر مذکور سے مخالفوں پر کیونکر حجت قائم کر سکتے ہیں۔

جواب

اس بے ہودہ بحث کو اگر کوئی تسلیم بھی کر لے تو حسب ادعائے مجیب غایت ما فی الباب یہ ہوگا کہ حنفیہ اثر مذکور سے مجیب پر حجت قائم نہ کر سکیں اور ان کو الزام نہ دے سکیں مگر اہل دیانت فرمائیں کہ فقط اتنی بات سے ہمارے مجیب کو روایت صحیح صریح مرفوع حکماً کا ترک کر دینا عند اللہ کیونکر جائز اور حلال ہو گیا کیا عمل بالحدیث صرف حنفیہ کے الزام کے خوف سے کیا جاتا ہے، اس کے بعد یہ التماس ہے کہ تکبیرات تشریق کی نسبت جو امام اور صاحبین میں اختلاف ہے اس کی تفصیل بیان کرنی تو فضول ہے البتہ قابل بیان وتنبیہ یہ امر ہے کہ مجیب کا یہ قاعدہ کہ امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ دین کسی نص سے حجت پیش نہیں فرما سکتے تاوقتیکہ ان کے تمام اتباع وموافقین پہلے اس کو تسلیم نہ فرما لیں اگر ایک بھی مخالف ہو گیا تو نص مذکور بمقابلہ خصم ساقط الاحتجاج ہو جائے گی اس قدر مہمل اور جھوٹا قاعدہ ہے کہ ملائکۃ الرحمٰن تو درکنار اہل علم ودیانت بھی اس کے قائل سے احتراز واجتناب کلی پسند واختیار فرمائیں گے جو شخص تمام اہل نقل اور اہل عقل کے خلاف ایسی بدیہی البطلان بات کہے اور اس کو اہل علم میں شمار کرنا سخت افترا اور محض تہمت ہے اور اس سے بڑھ کر یہ غضب ہے کہ فرماتے ہیں کہ روایت مذکورہ کے دوسرے ٹکڑے میں چونکہ اختلاف ہے اس لئے پہلا ٹکڑہ یعنی لاجمعۃ جو متفق علیہ تھا وہ بھی قابل احتجاج نہ رہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ہمارے مجیب خواہ مخواہ مباحث علمی میں دخل دے کر ناحق چوٹ کھاتے ہیں اور پھر ان مضامین نوایجاد پر وہ غرہ اور ناز ہے اور ایسے ایسے القاب اپنے لئے تجویز کئے جاتے ہیں کہ جس کو دیکھ کر اور سن کر سخت تعجب ہوتا ہے مگر جہاں دو رکعت (اذا صلی رکعتین انتظر الوحی) کے بعد نزول وحی کا انتظار کیا جاتا ہو وہاں کچھ

تعجب بھی نہیں ہم متعدد مواقع نووی فتح الباری وغیرہ کتب معتبرہ میں ایسے دکھلا سکتے ہیں کہ حضرات شوافع بعض روایات سے اوروں پر حجت قائم فرماتے ہیں حالانکہ خود امام شافعی ان روایات کے معنی میں شوافع کے خلاف ہیں جائے غور ہے کہ جب امام مذہب کے مخالفت کی وجہ سے وہ روایات مقلدین کے حق میں ساقط الاحتجاج نہ ہوئیں تو پھر شاگرد یا کسی مقلد کی مخالفت کے باعث کوئی روایت امام کے حق میں کیونکر ساقط الاحتجاج ہوسکتی ہے اور مجیب کا یہ خیال کہ روایت کے چند جملوں میں سے ایک جملہ میں بھی اختلاف ہوگیا تو باقی جملہ متفق علیہا بھی قابل احتجاج نہ رہیں گے اتنا لغو خیال ہے کہ اس کے مخالف نظائر کثیرہ ہر ایک اہل علم بیان کرسکتا ہے بلکہ ایسے بھی نظائر موجود ہیں کہ شخص واحد ایک روایت کے چند جملوں میں سے کسی خاص جملہ کو کسی عذر کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتا اور باقی جملوں کو مسلم اور معمول بہا سمجھتا ہے اور اس قسم کی نظائر اور استدلالات ہر ایک مذہب میں بلانکیر اتنے موجود ہیں کہ انشاء اللہ کوئی لا مذہب بھی اس کا انکار نہ کرے گا میرے خیال میں مجیب جس عالم سے دریافت کریں گے وہ ان کو اس قاعدہ کا اہمال و ابطال معہ نظائر مذکورہ بتلائے گا اگر کسی اور سے پوچھنے میں غرہ مہارت فن حدیث یا خدانخواستہ حیا مانع ہو تو مجتہد مطلق مولوی شمس الحق صاحب سے ہی دریافت اور تحقیق فرمالیں غالباً وہ بھی ہماری معروضات کی موافقت فرمادیں گے نظر بریں ہم کو ان نظائر کی تشریح ایک طول فضول معلوم ہوتا ہے البتہ ایک دو نظیر جو امر مبحوث عنہ کے متعلق خود مجیب کے مشرب میں موجود ہے اس کو عرض کئے دیتے ہیں دیکھئے حدیث طارق بن شہاب جو مدعائے مجیب پر اول درجہ کی حجت سمجھی جاتی ہے جس کی بحث تفصیل کے ساتھ مکرر گذر چکی ہے اب ہم کو اس کے جواب دینے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہی مجیب کے قاعدہ مسلمہ مخترعہ کے موافق یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ حدیث مذکور میں آگے چل کر جو لفظ عبد موجود ہے اس کے حکم میں اختلاف ہے حتی کہ امام اہل ظاہر داؤد ظاہری رحمہ اللہ اس پر جمعہ کو فرض فرماتے ہیں اور عبد کے استثناء کو تسلیم نہیں کرتے پھر کیا وجہ ہے کہ امام داؤد نے حدیث طارق کے خلاف فتوی دیا تو اب بقول مجیب ابوالمکارم جب خود مجیب کے یہاں حدیث مذکور کے احتجاج اور عدم احتجاج میں یہ خلاف ہے تو پھر دوسروں پر اس سے احتجاج پیش کرنا کب سزاوار ہے اور اسی کے ساتھ جب اس امر کا بھی خیال کیا جائے کہ بہت سے محدثین حدیث مذکور کے حکم یعنی وجوب جمعہ سے مسافر کو بھی مستثنیٰ فرماتے ہیں اور بعض صاحب اس استثناء کے منکر ہیں اور ہمارے مجیب بھی اسی طرف مائل ہیں کما مر تو پھر تو مجیب کے گھر میں ہی حدیث طارق کی بابت اختلافات پیش آگئے اس لئے ان کے قاعدہ مخترعہ کی رو سے تاوقتیکہ اس خانہ جنگی سے فراغت نہ ہو جائے حدیث طارق بن شہاب کو خصم پر حجت نہ لائیں اور سنئے آیت کریمہ **فاسعوا الی ذکر اللّٰہ** کو بھی ہمارے مجیب

اوران کے ہم مسلک حضرات حجت قوی خیال فرمارہے ہیں چنانچہ اس کی بحث بھی گذر چکی ہے لیکن مجیب ابوالمکارم کے قاعدہ کی موافق جوابات معروضہ سابقہ کی اصلا حاجت نہ رہی کیونکہ آیت مذکورہ میں ذکراللہ سے مراد جمہور نے خطبہ لیا ہے مگر مجیب کے ہم مشرب اس سے مراد صلوٰۃ اور خطبہ دونوں بلکہ صرف صلوٰۃ لیتے ہیں کیونکہ خطبہ صلوٰۃ جمعہ کے لئے ان کے نزدیک واجب نہیں غایت مافی الباب مسنون ہے چنانچہ روضۃ الندیہ کی عبارت میں یہ مضمون موجود ہے توجب آیت مذکورہ کے ایک ٹکڑے میں مجیب کے یہاں اختلاف ہے تو پھر دوسروں پر اس کو حجت بنانا بقول ان کے کیونکر سزادار ہے اوراسی کے ساتھ جب یہ بھی خیال کیا جائے کہ ارشاد فاسعوا کے معنی خلاف جمہور بحسب الظاہر بعض صاحب دوڑ کر چلنے کے لے رہے ہیں تو پھر تو آیت مذکورہ سے کسی مخالف پر استدلال پیش کرنا اوراس کے الزام کی توقع رکھنا مجیب کے محققہ قاعدہ کے موافق بالکل ہی باطل ہے ہمارے مجیب اوران کے موافقین کے استدلالات میں آیت مذکورہ اورحدیث طارق بن شہاب عمدہ استدلال شمار کئے جاتے تھے مگر مجیب کے اس قاعدہ نوایجاد کی رو سے اس قابل نہ رہی کہ کسی کو زحمت جواب کھینچنے پڑے مگر اوثق العریٰ میں چونکہ ان دونوں استدلالوں کے جواب قابل قبول اہل علم اور لائق پسند اہل حق تحریر فرمائی تھی اس لئے ہم نے بھی سابق میں ان کی پوری تشریح عرض کردی ہے ورنہ مجیب ابوالمکارم کی جواب دہی کے لئے کافی اوران کی شان کے مناسب یہی ہے جو اَب معروض ہوا۔

بحث خامس

اس کے بعد مجیب نے اثر مذکور پر بحث خامس تحریر فرمائی ہے چونکہ بحث مذکور کو مطلب اوثق العریٰ سے اتنا بھی تعلق نہیں جتنا سفیدی کو زنگی سے اور نہ اس کی وجہ سے اثر مذکور میں کسی قسم کا خدشہ متوہم ہوسکتا ہے صرف مولانا ظہیراحسن سے **صلوۃ العید فی القری تکرہ تحریما** کی دلیل پوچھی جاتی ہے جس سے ارشاد **السوال نصف العلم** کی تصدیق ہوتی ہے اور مجیب خوش ہورہے ہیں کہ ان مباحث کی وجہ سے اثر حضرت علیؓ حنفیہ کا مستدل نہیں ہوسکتا ایسے فضول امور کا رد کرنا بھی فضول معلوم ہوتا ہے اس کے بعد پانچ ابحاث اور مجیب نے بہ نسبت اثر مذکور تحریر فرمائے ہیں جن میں اکثر امور فضول ہیں اثر مذکور میں ان کی وجہ سے کوئی نقص پیدا نہیں ہوسکتا کہیں مجیب لبیب اضحیہ اور صدقۃ الفطر میں خیالی اعتراضات بیان فرماتے ہیں کبھی اقامت جمعہ فی المنی جو موسم حج میں عند الحنفیہ درست ہے اس پر بے سود الزام لگانے کو تیار ہیں کبھی قری کبیرہ اور صغیرہ کے فرق پر اعتراض کرتے ہیں کبھی اثر حضرت علی کو آثار صحابہ کے مخالف

بتایا جاتا ہے کبھی نصوص مرفوعہ کے مضاد کہا جاتا ہے جس کے ملاحظہ سے رقص الجمل یا **الغریق یتشبث بکل حشیش** کا تماشا نظر آتا ہے چونکہ ان کی تفصیل کے پیچھے پڑنا بے سود اور لا حاصل معلوم ہوتا ہے اس لئے یہ عرض ہے کہ مجیب نے جس قدر باتیں جدوجہد کے ساتھ مباحث ما بعد میں تحریر فرمائی ہیں ان میں اثر مذکور کے متعلق اور ہمارے مدعی کے مخالف کل دو امر ہیں ایک تو یہ کہ حضرت علی کے اثر میں اقامت جمعہ کے لئے مصر کو خاص فرمایا گیا ہے تو اب کسی قریہ میں اقامت جمعہ درست نہ ہونی چاہئے حالانکہ حنفیہ کے یہاں قری کبیرہ میں اقامت جمعہ صحیح ہے دوسرے اثر مذکور آثار واحادیث کے مخالف ہے اس لئے ان کے مقابلہ میں متروک ہونا چاہئے، سو امر اول کے جواب میں تو یہ عرض ہے کہ حضرات صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین سے جو روایات بابت تفسیر مصر منقول ہیں وہی ہمارے نزدیک مسلم اور معمول بہا ہیں اور ان میں کسی میں قریہ کا ذکر نہیں حضرت علیؓ حضرت حذیفہ عطا امام ابوحنیفہ کے اقوال کو ملاحظہ فرمالیجئے مگر اتنی بات ضروری ہے کہ مصر کی تعریف جو ان حضرات کے ارشاد سے معلوم ہوتی ہے وہ بعض قری کبیرہ پر بھی صادق آتی ہے سو جو قری کبیرہ ایسے ہوں گے کہ جن پر منجملہ تعریفات مصر کوئی تعریف صادق ہوگی ان کو احکام شرعیہ میں مصر کہا جائے گا گو عرف میں ان کو قریہ کہا جاتا ہو بلکہ اصطلاح علماء میں قریہ کبیرہ اسی کو کہیں گے جس قریہ پر تعریف مصر صادق آتی ہو بعض علمائے متاخرین نے بغرض توضیح یہ فرمادیا ہے کہ مصر اور قصبات اور قریہ کبیرہ میں سب میں اقامت جمعہ درست ہے مگر ان کا یہ مطلب نہیں کہ اکابر سلف نے فقط مصر میں اجازت دی تھی اور ہمارے نزدیک قصبات وقری کبیرہ میں بھی جائز ہے، ان کی غرض یہ ہے کہ جمعہ کو مصر عرفی ہی کے ساتھ مخصوص نہ سمجھا جائے بلکہ مصر عرفی اور قصبات وقری مذکورہ سب مصر شرعی بیان فرمودہ اکابر میں داخل ہیں بالجملہ اثر حضرت علی میں جو مصر جامع مذکور ہے قصبات وقریٰ مذکورہ سب اس میں داخل ہیں اس سے کوئی امر مبائن اور زائد نہیں ہے جو ہمارے مجیب مطلب فقہا کو اثر حضرت علی کے مخالف سمجھ کر اعتراض فرمانے کو تیار ہوگئے اگر حضرات علماء یہ توضیح نہ فرماتے تو کچھ عجب نہ تھا کہ بہت سے ظاہر بین حضرت علیؓ وغیرہ کے اقوال میں مصر جامع اور مدینہ عظیمہ کو دیکھ کر اپنی عرف پر اعتماد کر کے قصبات وقری کو یک لخت خارج کر دیتے اب باقی رہا امر ثانی یعنی مجیب کا یہ کہنا کہ اثر حضرت علی آثار متعددہ اور احادیث کثیرہ کے معارض ہے اس کا جواب اوثق العریٰ میں خود موجود ہے اور ہم بھی تفصیل و توضیح کے ساتھ محدث بنارسی کے جواب میں ابھی عرض کر چکے ہیں اس کے ملاحظہ سے خوب معلوم ہوسکتا ہے کہ مجیب کا یہ کہنا بالکل بے اصل اور خلاف واقع ہے جس کا مبنی ناواقفیت ہے یا تعصب مگر افسوس ہے کہ اوثق العری میں اس کے متعلق جو تقریر مذکور ہے جس کا حال مفصلاً معروض ہو چکا ہے اس کے جواب سے

مجیب نے پہلوتہی کی اور پھر شوخی و بے باکی دیکھئے کہ اسی تعارض کو پیش کئے جاتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ مجیب نے جو احادیث اثر حضرت علی کے معارض پیش کی ہیں چند روائتیں تو ایسی ہیں کہ جن کو اس بحث سے کوئی علاقہ ہی نہیں بلکہ صلوٰۃ جمعہ یا عید کا ان میں ذکر تک نہیں فقط قربانی کا ذکر ہے علیٰ ہذا القیاس بعض روایات میں نماز جمعہ یا عید کا ذکر تو ہے مگر ما نحن فیہ سے کوئی بحث نہیں البتہ بعض روایات مثل قصہ جواثی یا ارشاد حضرت عمر **جمعوا حیث ما کنتم** ایسے ہیں کہ جو بظاہر مطلب مجیب کے موید نظر آتے ہیں مگر ان سب کا جواب اوثق العریٰ میں موجود ہے اور ہم بھی شرح وبسط کے ساتھ ان تمام روایات کا جواب مکرر عرض کر چکے ہیں اعادہ کی حاجت نہیں مجیب اور ان کے موافقین کو لازم ہے کہ قصۂ جواثی اور ارشاد حضرت عمرؓ وغیرہ کو اب اپنے استدلال میں پیش نہ فرمائیں تاوقتیکہ امور مذکورہ اوثق العریٰ کو ملاحظہ نہ فرمالیں اور ان امور کا معقول جواب نہ دے لیں اس وقت تک فعل اہل جواثی اور ارشاد حضرت عمر وغیرہ سے استدلال کرنا ہرگز قابل سماعت ولائق جواب نہ ہوگا اور مجیب نے تو ایسی بے باکی پر کمر باندھی ہے کہ روایت ابن ماجہ اور نسائی جس میں سفر میں اضحیہ یعنی قربانی کرنے کا ذکر ہے اس سے اقامت جمعہ فی القری کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور ان کے مخالفت کے وجہ سے اثر حضرت علی کو متروک فرما رہے ایسے خرافات کا جواب دینا تو درکنار ایسے استدلالات کے وجہ سے تو مجیب کی جس قدر تجہیل وتحمیق کی جائے عین حق وصواب ہے مگر مجیب کی عنایتوں سے چونکہ ہم کو کسی قسم کی تمنا اور آرزو باقی نہیں رہی اور نہ ناظرین پر اس کی اظہار کی حاجت اس لئے اس سے اعراض کر کے یہ التماس ہے کہ مجیب نے جو ابحاث عشرہ مذکورہ بیان کر کے اثر حضرت علی کو متروک فرمایا ہے عنداللہ مذموم ہونے کے سوا غایت شرم وندامت کی بات ہے کیونکہ اول تو ابحاث مذکورہ میں جس قدر امور بیان کئے ہیں قریب کل کے کل ایسے ہیں کہ نہ عقل کی موافق نہ نقل کے مطابق اور قابل قبول تو ایک بات بھی نہ کہی دوسرے مجیب کے مشرب اور دعوی عمل بالحدیث سے اس قدر بعید اور مبائن ہیں کہ العظمۃ للہ ایسے بے ہودہ وجوہ خلاف عقل ونقل محض پاس سخن کی ضرورت سے گھڑ کر نصوص شرعیہ کو مطروح اور ساقط الاعتبار قرار دینا اہل اہوا کا کام ہے عامل بظاہر النصوص ہو کر نصوص کے مقابلہ میں ایسے حماقت آمیز تکلفات سے کام لینا قیامت کی بہت قوی علامت ہے عقل حق پسند سے کام لیجئے تو تمام اہل ظاہر کو ایسے قائل اور اس کے اقوال سے ننگ وعار آنا چاہئے نہ کہ اس کی حمایت اور ان اقوال کی اشاعت میں بدل ہمت ومال کر کے تمام اہل ظاہر کو دھبہ لگایا جائے، جو صاحب جوہر انصاف رکھتے ہیں وہ تو ہماری اس ملامت کو انشاء اللہ شفیق فصاد کے نشتر سے کم نہ سمجھیں گے اور متعصب ومعاند تو کیا عجب ہے کہ ہماری عرض کو سن کر الٹی ترقی کرنے کو ایسے مستعد ہو جائیں کہ خود ہم کو

یہ کہنا پڑے۔

غرض ایمان سے ضد اس غارت گردیں کو بڑھی تجھے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

خیر پھر اگر یہی انصاف وتدین ہے تو یاد رکھئے کہ کسی نص قرآنی وحدیث نبوی سے کسی مدعی پر استدلال لانا ایسا دشوار ہو جائے گا کہ جس کی توقع بدشواری ہو سکتی ہے دور نہ جائیے حدیث طارق بن شہاب جس کو ہمارے ہر دو مجیب اپنے ثبوت مدعی کے لئے اعلیٰ دلیل تصور فرماتے ہیں اور تمام علما مسائل متعددہ در بارہ صلوٰۃ جمعہ اس سے استخراج فرمارہے ہیں بالکل ساقط الاعتبار ہو جائیں گے اور مجیب کے تمام خیالات خاک میں مل جائیں گے کیونکہ جن ابحاث عشرہ پر مجیب کو ناز ہے اور جن کے بھروسے پر اثر حضرت علی کو ساقط الاحتجاج بتلا رہے ہیں وہ ابحاث معہ شئے زائد حدیث طارق بن شہاب میں موجود ہیں اہل علم وفہم جانتے ہیں کہ ساقط الاحتجاج ہونے کے لئے تو ایک خرابی بھی کافی ہے چہ جائیکہ حدیث طارق بن شہاب میں دس کی جگہ پندرہ موجود ہوں تو اب مجیب طارق بن شہاب کی حدیث سے کیونکر کسی مدعی پر استدلال قائم کر سکتے ہیں بلکہ اثر حضرت علی سے پہلے حدیث طارق بن شہاب کو جھک مار کر ساقط الاعتبار کہنا پڑے گا دیکھئے اول آپ اثر حضرت علی کو ساقط موقوف کہہ کر اس کو ساقط الاحتجاج بتلاتے ہیں اور مکرر تنبیہات پر بھی اس امر کو نہیں دیکھتے کہ وہ موقوف کیسا ہے۔ پس فقط موقوف ہونے پر حکم سقوط لگایا جاتا ہے اس کے جواب میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث طارق بن شہاب مرسل ہے چنانچہ امام خطابی فرماتے ہیں لیس[1] **اسناد هذا الحديث بذاك وطارق بن شهاب لايصح له سماع من النبی صلی الله عليه وسلم الا انه قد لقی النبی صلی الله عليه وسلم** اور وہ علماء کہ جو جمعہ کو فرض عین نہیں مانتے بلکہ فرض کفایہ کہتے ہیں وہ حضرات حدیث مذکور کے ترک کی وجہ ارسال ہے پیش کرتے ہیں جب ہمارے مجیب اپنی غرض کو ارسال کی تفصیل بیان کریں گے اور حدیث طارق کو صحیح فرمائیں گے اس وقت ان کو موقوف کی تفصیل بھی سمجھنی پڑے گی اور اثر حضرت علی کو صحیح کہنا ہوگا دوسری وجہ اثر حضرت علی کے ترک کی یہ فرماتے ہیں کہ اثر مذکور سے استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب مصر جامع کی تعریف حضرت علی سے منقول ہو۔ سو اس کے جواب میں بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث طارق سے بھی استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب عبد کی تفسیر اور تعریف خود حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، معلوم نہیں کہ مدبر، مکاتب، معتق البعض ماذون اور وہ غلام کہ جس پر مولی غلہ اور خراج معین کردے کون ارشاد مذکور میں داخل ہیں اور کون خارج تو ہمارے مجیب کے ذمہ لازم ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو اول

---

[1] معالم السنن الجزء الاول، ومن باب جمعۃ المملوک والمرأۃ ص ۲۴۴ (دائرۃ المعارف حیدر آباد)

منقول فرمادیں کہ عبد مملوک جو حدیث طارق میں واقع ہے اس سے کیا مراد ہے اور اقسام مذکورہ میں سے کون اس استثناء میں داخل یعنی حکم وجوب جمعہ سے خارج ہے اور کون نہیں تاوقتیکہ انواع مذکورہ عبید کی تفصیل معہ احکام حدیث مرفوع سے معلوم نہ ہو اس وقت تک ہمارے مجیب اپنے ارشاد کے موافق جمعہ کو ملتوی رکھیں اور حدیث طارق بن شہاب پر نہ خود عمل کریں اور نہ اوروں کو فتویٰ دیں اور نہ کسی پر حدیث مذکور سے حجت پیش فرمائیں کیونکہ استثناء کی جہالت مستثنیٰ منہ کو بھی مجہول اور ساقط الاعتبار کر دیتی ہے تلویح میں ہے حتیٰ[1] **ان مجموع الاستثناء وصدر الکلام بمنزلۃ کلام واحد فجھالتہ توجب جھالۃ المستثنیٰ منہ فیصیر مجھولا مجملا متوقفا علی البیان** اور اسی کے ساتھ جب یہ بھی دیکھا جائے کہ مریض کی بھی کوئی تفصیل اور تعیین حدیث مذکور میں موجود نہیں تو اب تو حسب قاعدہ مجیب حدیث طارق سے اس وقت استدلال ہو سکے گا جب پہلے عبد مملوک اور مریض دونوں کی تفسیر اور تعیین حدیث مرفوع سے ثابت ہو جائے اور یہ نہ ہو سکے تو پھر جن چیزوں سے مجیب قطع نظر کرنے کے عادی ہیں ان سے قطع نظر فرما کر یہی کہہ دیں کہ مریض اور عبد مملوک بجمیع اقسامہ مطلقاً حکم وجوب جمعہ سے مستثنیٰ اور خارج ہیں اور یہ بھی نہ کر سکیں تو پھر اپنے اس قاعدہ مخترعہ کو اپنی جیب میں رکھیں اور اس میں بھی اگر تامل ہو تو حدیث طارق بن شہاب سے جو طمطراق کے ساتھ استدلال کیا تھا اس کو واپس فرمالیں اور پھر بھول کر بھی استدلال مذکور کا نام نہ لیں۔ تیسری بحث جو اثر حضرت علی میں مجیب نے بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حنفیہ کے یہاں تین چار آدمیوں سے جمعہ ہو جاتا ہے تو پھر مصر جامع کی شرط سے کیا فائدہ اس کے جواب میں بھی یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ جب مجیب کے مذہب میں بلا تخصیص مکان کیف ما اتفق صرف دو آدمیوں سے بدون کسی شرط زائد کے جمعہ مثل دیگر صلوات صحیح ہو سکتا ہے تو عبد مملوک کے استثناء کی کیا وجہ اور مسافر کی تخصیص کا کیا سبب جس کو بہت سے محدثین بھی تسلیم فرماتے ہیں اور قریہ اور امام کی شرط سے کیا فائدہ جو ام عبداللہ کی روایت میں موجود ہے اور مجیب بنارسی اس کو معتبر اور مستدل فرما چکے ہیں کما مر اور خاتم المحدثین قاضی شوکانی اور امیر المومنین نواب صاحب وغیرہ کے **فلم یتمکن من اقامتھا بمکۃ** کا کیا مطلب، بحث رابع کا یہ خلاصہ تھا کہ اثر حضرت علی لاجمعۃ ولاتشریق الخ کے دوسرے ٹکڑے یعنی لا تشریق کے معنی میں جب باہم حنفیہ میں اختلاف ہے تو اول ٹکڑے یعنی لاجمعۃ سے دوسروں پر کیسی حجت پیش کی جاتی ہے جس کے جواب میں مجیب کے قاعدہ کی موافق کہا جا سکتا ہے کہ حدیث طارق بن شہاب میں جب اہل ظاہر عبد مملوک کے استثناء میں باہم مختلف ہیں چنانچہ داؤد ظاہری حکم وجوب جمعہ سے عبد کو

---

[1] التلویح فصل قصر العام علی بعض ما یتناولہ ص ۱۱۹ (نول کشور لکھنؤ)

مستثنیٰ نہیں فرماتے تو پھر حدیث مذکور کے اول جملہ سے دوسروں پر کیسے حجت لائی جاتی ہے اور اس سے اہل قری پر کیونکر جمعہ واجب ہوسکتا ہے بحث پنجم کو امر مبحوث عنہ یعنی اقامت جمعہ فی القری اور اثر حضرت علی سے کوئی تعلق نہیں کما مر البتہ استحسانا آپ کے طرز پر یہ عرض ہے کہ حدیث طارق بن شہاب میں لفظ کل مسلم سے مکلّف وغیر مکلّف دونوں مراد ہیں تو مجنون استثناء سے باقی رہ گیا اور خاص مکلّف ہی مراد ہیں تو صبی کا استثنا کیسا۔ بحث سادس کا یہ مطلب ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جب صلوۃ عیدین اہل قری کو جائز نہیں تو پھر صدقۃ الفطر اور اضحیہ کیونکر ان کے لئے جائز ہوگیا حالانکہ اضحیہ اور صدقۃ الفطر نماز عید کے تابع ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ مجیب کی ناواقفیت اور غلط بیانی ہر فقرہ سے مترشح ہے اور ہمارے مستدل میں اس لغو بیانی سے کوئی سقم پیدا نہیں ہوسکتا ہم مجیب سے دریافت کرتے ہیں کہ صبی صغیر کے لئے جب مجیب کے مذہب میں بھی نماز عیدین جائز نہیں تو پھر صدقۃ الفطر کے واجب ہونے اور اضحیہ اس کی طرف سے کرنے کے کیا معنی کیونکہ مجیب کے ارشاد کی موافق اضحیہ اور صدقۃ الفطر تو صلوٰۃ عیدین کے تابع ہیں اور اسی پر کیا ہے جب مجیب نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ صدقۃ الفطر اور اضحیہ صلوٰۃ عید کے ایسے تابع ہیں کہ بدون صلوٰۃ جائز ہی نہیں ہوسکتی تو ان پر اور ان کے مذہب پر اتنے اعتراض ہوں گے کہ مجیب اور ان کے ہم مشربوں کا سارا اجتہاد اور سعی صرف ہونے کے بعد بھی سبکدوشی محال نظر آتی ہیں۔ بحث سابع کا یہ مدعی ہے کہ جب مؤلف یعنی مولانا ظہیر احسن کے یہاں جمعہ قری میں درست نہیں تو پھر منا میں فی الموسم ان کے یہاں جمعہ کیسے درست ہوگیا، اس کا جواب یہی ہے کہ جب مجیب ابوالمکارم کے یہاں حدیث طارق بن شہاب کا یہ مطلب ہے کہ بجز عبد، امراۃ، صبی، مریض سب مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ عرفات میں جمعہ درست نہیں اور کسی نے حجۃ الوادع میں جمعہ ادا نہ کیا کما مر مفصلاً بحث ثامن کا مقصود یہ تھا کہ مولف کے نزدیک جب قریہ کبیرہ میں جمعہ درست معلوم ہوتا ہے تو اثر حضرت علی مولف کے بھی موافق نہ رہا کیونکہ اثر مذکور سے بالتصریح معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ مصر کے سوا دوسری جگہ درست نہیں۔ اس کا جواب بھی مجیب کے طور پر ہماری طرف سے یہ ہے کہ حدیث طارق بن شہاب کا حسب تسلیم مجیب جب یہ مدعی ہے کہ بجز عبد، امراۃ صبی، مریض اور سب پر جمعہ فرض ہے تو اب حدیث طارق مذہب مجیب کے بھی مخالف ہے کیونکہ اہل عرفات اور مجنون اور محبوس اور صاحب مطر شدید اور بعض اعمیٰ پر بھی مجیب صلوٰۃ جمعہ کو فرض نہیں بتلاتے، بحث تاسع اور عاشر کا خلاصہ یہ ہے کہ اثر حضرت علی چونکہ آثار صحابہ اور احادیث مرفوعہ کے خلاف ہے اس لئے متروک اور غیر قابل اعتبار ہونا چاہئے، اس کا جواب مجیب کے طرز کی موافق یہی ہے کہ حدیث طارق بن اشہاب چونکہ آثار صحابہ اور احادیث مرفوعہ اور تعامل

مستمر زمانہ نبوت اور عمل در آمد عصر خلافت کے مخالف ہے چنانچہ نہایت تفصیل کے ساتھ مکرر عرض کر چکا ہوں اور جو معنی ہمارے مجیب نے حدیث طارق بن شہاب کے لے رکھے ہیں یعنی اہل بوادی اور اہل براری اور مسافر اور خانہ بدوش سب پر جمعہ فرض ہے اس کی رو سے اجماع ائمہ مجتہدین کے بھی مضاد ہے اس وجہ سے حدیث مذکور معمول بہ نہ رہی وجوہ مذکورہ کے سوا اور بھی ایسے وجوہ جن کو مجیب نے اثر حضرت علی میں مایۂ فخر سمجھ کر پیش کیا ہے حدیث طارق بن شہاب میں موجود ہیں مگر ہم ان فضولیات سے خود کارہ ہیں فقط مجیب کی اس طبع آزمائی کے جواب میں جوانہوں نے اثر مرتضوی کی تردید میں کی تھی اور اپنے تمام رسالہ کا لب لباب اور مابہ الفخر خیال فرماتے تھے ہم اس طول کے متحمل ہوئے اور ان کے ابحاث عشرہ کے مقابلہ میں ہم نے بھی دس باتیں ویسی ہی حدیث طارق بن شہاب میں جو ان کی عمدہ دلیل تھی عرض کر دیں، باقی حق بات یہی ہے کہ اثر حضرت علی اور حدیث طارق بن شہاب دونوں صحیح اور واجب التسلیم والعمل ہیں ہمارے مجیب نے جو خلاف عقل ونقل روایات صحیحہ کے ابطال کا نیا طریقہ نکالا ہے یہ ان کو اور ان کے ہوا خواہوں کو ہی مبارک ہو ہم تو اس کو اہل اہوا مبتدعین کا کام سمجھتے ہیں ہم سچ عرض کرتے ہیں کہ دس باتیں جو ہم نے مجیب کے الزام اور ان کی تنبیہ کی غرض سے ان کے مسلک کے موافق حدیث طارق بن شہاب میں عرض کی ہیں ہم کو تو ان کے بیان پر بھی فی الجملہ ندامت ہے اوثق العری کو ملاحظہ فرمائیے کہ حدیث بن شہاب کے معنی ظاہری کے تسلیم فرمانے میں کوئی عذر بارد بھی پیش فرمایا ہے یا دیگر روایات مستدلۂ مجیب میں کوئی امر بعید از عقل ونقل بیان کیا ہے۔ یہ بات البتہ کی ہے کہ ہر موقع پر معنی قابل پسند اہل فہم جو جملہ روایات ونصوص میں موافق ہوں بیان فرما کر تمام روایات کو منطبق کر کے دکھلا دیا ہے چنانچہ ہم بھی تمام امور کو تفصیل کے ساتھ اپنے اپنے موقع پر عرض کر چکے ہیں۔ اور ہمارے مجیب کی یہ حالت ہے کہ تطبیق روایات پر آئیں تو نعوذ باللہ کہنے کو دل چاہتا ہے اور ترک ترجیح بین الروایات کرنا چاہیں تو استغفار پڑھنے کی جی میں آئے اثر حضرت علی کی تردید میں جو کچھ مجیب نے تحقیق و تدقیق فرمائی ہے جس پر خود مجیب بھی پھولے نہیں سماتے ہماری عرض پر حجت کافی ہے اور اگر کوئی دوسرا بے باک بھی یہی طریقہ ان کے مقابلہ میں اختیار کرے تو آیت قرآنی اور روایات حدیث جس قدر مجیب نے بیان کی ہیں کوئی بھی قابل استدلال مجیب نہیں رہ سکتے چنانچہ حدیث طارق بن شہاب کی کیفیت بطور نمونہ ہم عرض بھی کر چکے ہیں اہل علم وانصاف جملہ امور کو خود ملاحظہ فرمالیں۔

الحمد للہ، کہ ہم ہر دو مجیب کی جواب دہی اور خدمت گزاری سے بعنایت الٰہی فارغ ہو چکے اور ہر دو رسالہ کا جواب مفصل تمام ہو گیا اور ہم نے اپنے خیال کے موافق کسی امر کے جواب دینے سے

پہلوتہی نہیں کی یہی وجہ ہے کہ ہمارے ناچیز تحریر اس قدر طویل ہوگئی جس کا خود ہم کو بھی خیال تھا نہ ارادہ۔
مگر ہم نے اپنے رسالہ میں یہ نہیں کیا کہ محض ادھر ادھر کے حوالوں سے کام لیا ہو یا اصل مقصود سے تجاہل عارفانہ کر کے کسی امر جزوی پر بے اصل اور بے سود مواخذہ کیوجہ سے سرخروئی حاصل کی ہو بلکہ ہم نے اصل مقصود کے سوا مجیب صاحبوں کے فضول اور زوایدا مور کی کیفیت بھی معہ جواب عرض کر دی ہے گو ان وجوہ اور بعض دیگر وجوہ سے تحریر طویل ہوگئی جس کے باعث بعض ناظرین اس کے مطالعے سے پہلوتہی فرمائیں تو عجب نہیں مگر متعدد منافع اور مصالح کی وجہ سے ہم کو یہ طول اختیار کرنا پڑا جن کا بیان کرنا بھی طول سے خالی نہیں **و العذر عند کرام الناس مقبول** ہاں اسی کے ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ گو طول ہے مگر انشاء اللہ محض فضول ہرگز نہیں بقول شخصے

اگرچہ عشق میں آفت بھی ہے بلا بھی ہے مگر برا ہی نہیں کچھ نہ کچھ بھلا بھی ہے

آخر میں ہم ہر دو مجیب بالخصوص مجیب ابوالمکارم کو اپنی وہ دردسری جو ہم نے ان کے رطب و یابس امور کی جواب دہی میں گوارہ کی ہے حتی کہ ہدایت الوری کے سوا مذہب مختار کے اقوال کے بھی جوابات عرض کرنے میں ہم نے بخل نہیں کیا اور ابحاث عشرہ در بارہ اثر حضرت علی جو مذہب مختار میں مجیب نے تحریر فرمائی تھیں جن کی جواب دہی ہمارے ذمہ نہ تھی ان ابحاث کے جوابات تحقیقی والزامی بھی عرض کر دیئے ان سب امور کو یاد دلا کر یہ عرض کرتے ہیں کہ حدیث طارق بن شہاب کی نسبت مجیب کے مسلک کی موافق جو ابحاث وخدشات تھے وہ تو ابھی مفصلاً معروض ہو چکے ہیں اور مطلب تحقیقی قابل قبول اہل علم و فہم کے بحوالہ اوثق العری اوراق سابقہ میں شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے اب ایک دو بات حدیث مذکور کے متعلق ہمارا ابھی دل چاہتا ہے کہ عرض کریں بشرطیکہ انصاف وتدبر کے ساتھ جواب عنایت ہو ہم کو توقع ہے کہ ہمارے ہر دو مجیب اس کلفت اور جانفشانی کا ضرور خیال فرما کر جو ہم نے ان کی وجہ سے گوارا کی ہے ہماری عرض کو توجہ کے ساتھ سنیں گے اور اس کے جواب میں تدبر و انصاف سے درگذر نہ فرمائیں گے دیکھئے حدیث مذکور میں جو ارشاد ہے **الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة** کلمۂ فی جماعۃ میں دو احتمال ہیں یا اس کو واجب کا صلہ بنایا جائے گا یا کائن اور موجود مقدر مان کر مسلم کی صفت کہنا ہوگا ایسے ہی جماعۃ کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں یا جماعت سے مراد جماعۃ صلوٰۃ ہوگی یا مجمع ناس چنانچہ لفظ جماعۃ دونوں معنی میں خود نصوص میں بکثرت مستعمل ہے اب ان دو کو ان دو میں ضرب دینے سے ظاہر ہے کہ معنی حدیث میں چار احتمال پیدا ہوں گے سو ہم صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ معانی واحتمالات مذکورہ میں سے جون سے معنی اور احتمال آپ کے نزدیک حق ہوں ان کو معین فرما دیجئے اور جس کو آپ حق

نہ سمجھیں اس کو بھی بتلا دیجئے مگر شرط یہ ہے کہ جو کچھ ارشاد ہو اس کی دلیل قابل قبول بھی ارشاد ہو تحکم بے جا اور تخیل ناروا سے کام نہ لیا جائے ورنہ یاد رہے کہ فقط اپنے استدلال قوی ہی سے محرومی اور دست برداری کرنی نہ پڑے گی بلکہ اس کے ساتھ دوسرے حسرت وناکامی یہ بھی ضرور ہوگی کہ خلاف اجماع تمام شرائط وقیود کو اڑا کر جو ایک شرط جماعۃ کی تسلیم کی گئی تھی اور اس کی دلیل بھی حدیث طارق بن شہاب لے دے کر بیان کی جاتی تھی وہ بھی گاؤ خورد ہو جائے گی اور آپ حضرات کے مسلک کے مطابق کوئی اور دلیل بھی مدعائے مذکور یعنی ثبوت وجوب جماعت کے لئے ہاتھ آتی نظر نہیں آتی بالجملہ آپ جب تک احتمالات مذکورہ میں سے کوئی احتمال اپنے مفید مدعی مدلل معین نہ فرمالیں اس وقت تک حدیث طارق بن شہاب سے ہمارے اوپر حجت لانا ہرگز قابل سماعت نہ ہوگا اور اگر ہم بدین خیال کہ مجیب صاحبوں سے اوثق العریٰ کے ارشاد کا تو جواب آیا ہی نہ تھا پھر اس پر مجیب ابوالمکارم کے اس طریقہ کی موافق جو انہوں نے تردید اثر حضرت علی کی ضرورت سے ایجاد واختیار فرمایا ہے حدیث طارق بن شہاب میں آٹھ دس خدشہ اور پیدا ہو گئے اب ان سب امور کے بعد ہم بھی اپنی معروضات کا جواب طلب کریں تو بالبداہت تکلیف مالا یطاق کا قصہ نظر آتا ہے اس لئے اگر عفو وانظار معسر کے فضائل کی طمع میں ہم اپنی معروضات سے قطع نظر کرلیں اور حدیث طارق بن شہاب کی بنظر رعایت وترحم وہی معنی لیں جو مجیب اور ان کے ہواخواہ لے رہے ہیں تو پھر بھی یہ خدشہ موجود ہے کہ حدیث طارق بن شہاب سے بنظر انصاف صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وجوب صلوٰۃ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے اباحت یا استحباب جمعہ کے لئے جماعت کا ضروری اور واجب ہونا ہرگز معلوم نہیں ہوتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدون تحقق جماعت اقامت جمعہ فرض نہ ہوگی یہ نہیں کہ مباح یا مستحب بھی نہ ہوگی تو حدیث طارق بن شہاب کا مستدل ہونا تو تاوقتیکہ معانی محتملہ مذکورہ میں سے کسی ایک احتمال کو معین نہ فرمالیں بالکل لغو ہو ہی گیا تھا اب یہ ہوا کہ مذہب مجیب اور حدیث میں مخالفت بالفعل محقق ہوگئی کیونکہ مجیب اور ان کے موافقین حدیث طارق ہی کے اعتماد پر جملہ قیود وشرائط جمعہ مسلمہ سلف و خلف کو اڑا کر صلوٰۃ جمعہ کے لئے صرف جماعت کو واجب فرماتے ہیں حالانکہ حسب معروضہ سابق حدیث موصوف سے صرف وجوب جمعہ کے لئے جماعت ضروری معلوم ہوتی ہے صحت جمعہ کے لئے جماعت کا ضروری ہونا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا ہم نہایت مشکور ہوں گے اگر ہر دو مجیب مشورہ باہمی کے بعد بھی ہمارے معروضات کو سوچ سمجھ کر جواب باصواب عنایت فرمائیں گے **واللہ الموفق والمعین، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد سید المرسلین وخاتم النبین وعلی الہ واصحابہ الطیبین الطاھرین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین. آمین.**

الدین النصیحۃ[1]

ہمارے ہر دو مجیب کو کیا عجب ہے جو ہماری نصیحت مخلصانہ سے بھی ملال ہو اور اس وجہ سے ہم کو بھی عرض کرنے میں تامل ہوتا تھا مگر بالآخر یہی خیال ہوا کہ حسب ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ جو امر ان کے حق میں نافع ہو اس کو عرض کر دیا جائے ان کو اختیار ہے جس محمل پر چاہیں ہماری عرض کو محمول کریں اور جس نظر سے چاہیں اس کو دیکھیں ۔

من انچہ شرط وفا ہست با تو میگویم تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

ہم نے یوں سنا تھا کہ ایک جماعت حاملین بالحدیث میں قرارداد باہمی ہے کہ جو رسالہ مقلدین کی طرف سے شائع ہو بلا تمیز اس امر کے کہ مولف اس کا کون ہے اور وہ رسالہ کیسا ہے اس کا جواب ضرور مشتہر ہونا چاہئے کوئی رسالہ چھوٹا بڑا ایسا نہ ہو کہ جس کی نسبت کوئی یہ کہہ سکے کہ اس کا جواب منکرین تقلید نہیں دے سکے یا نہیں دیا حتی کہ اس کی بھی قید نہیں کہ جواب کیسا ہو صحیح یا غلط اور مجیب کیسا ہو معتبر یا غیر معتبر، عالم یا غیر عالم جو کچھ ہو سو ہو مگر جواب کا نام ہو جانا ضروری ہے لیکن ہم اس امر کو خلاف شان علم و دیانت سمجھ کر اس کی صحت میں متامل تھے اب اوثق العریٰ کے متعدد جوابوں کی شہرت سن کر جو ہم نے ان صاحبوں کے رسائل دیکھے کہ جن کی نسبت کسی وجہ سے یہ خیال ہوتا تھا کہ انہوں نے جواب دہی میں فہم وانصاف سے کام لیا ہوگا بالخصوص مولوی محمد سعید صاحب محدث بنارسی کہ مثل اکثر محدثین زمانہ حال طالبعلمی سے پہلے عالم و محدث نہیں بن بیٹھے تو ہم کو مجبوراً اس مضمون مسموع کی تصدیق کرنی پڑے اگر قرارداد باہمی میں کسی قسم کا تامل ہو تو ہو مگر قرارداد قلبی میں تو ہرگز گنجائش تامل نہیں معلوم ہوتی جب ان صاحبوں کا یہ حال ہے کہ بوجہ تعصب و بے باکی جو محدثین زمانہ حال کا خاصہ شاملہ اور مدار شہرت ومقبولیت ہی تمیز حق و باطل سے معذور اور تعظیم وادب اکابر سے بالکل معری اور نفور ہیں تو پھر اُن صاحبوں کی تصانیف جو علم و دیانت سے برائے نام ہی تعلق رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ جہل و ہوا اور سب وتبرا سے کیونکر معمور نہ ہوں گے چنانچہ اس کا ایک ادنی نمونہ یہیں ملاحظہ فرمالیجئے کہ یہی فتوی جو مفتیان دہلی نے ابتداءً جس میں نہ کوئی ان کا مقابل خاص ہے اور نہ مخالف تحریر فرمایا ہے اس میں بعض مفتیوں کے کلام میں مذہب احناف کی نسبت ہوس من ہوسات الشیطان اور وسوسۂ شیطانی اور کالحباری فی الصحارے کلمات موجود ہیں سچ ہے جتنا چھوٹا اتنا ہی کھوٹا اس

---

[1] بخاری ۱/۱۳، تعلیقاً (رشیدیہ دہلی) ابوداؤد ۲/ ۶۷۶ (مختار اینڈ کمپنی دیوبند)

فتویٰ کے جواب میں اوثق العریٰ میں یہ کیا کہ مفتیان موصوف کے جملہ امور کا جواب شافی اور ان کے تمام خیالات کی تردید کافی نہایت تحقیق وتوضیح کے ساتھ تحریر فرمائی اور ان کذب وعناد آمیز فقرات کا جواب تو درکنار ادنی شکایت بھی ظاہر نہ فرمائی اور واقعی اوفق باتباع نصوص یہی طرز ہے جو اوثق العریٰ میں اختیار فرمایا علاوہ ازیں جس امر کی جواب دہی کا خود حق تعالیٰ شانہ متکفل ہو چکا ہو اس کے جواب کی فکر کرنا اور عزیمت کو ہاتھ سے دینا کونسی نفع کی بات ہے پھر ایسے جلی اور واضح امر سے آنکھیں بند کر کے مجیب بنارسی کو بوجہ عصبیت فقط اتنی بات پر طیش آ گیا کہ حجت السلف والخلف مولانا سید نذیر حسین کے فتویٰ کا جواب کیوں لکھا اور اخیر رسالہ تک بے وجہ یا یوں کہیئے کہ بوجہ بے فہمی بے باکانہ الفاظ اور گستاخانہ کلمات اکثر مواقع میں تحریر کیئے اور افسوس کہ کسی قسم کی حیا اور شرم مجیب محدث کے پاس تک نہ آئی مجیب صاحبوں کی اس برعکس کارروائی اور اس کم فہمی اور ناانصافی کو دیکھ کر جو بجواب اوثق العریٰ ان سے جا بجا سرزد ہوئی ہے بے شک ہم نے بھی اس قسم کی باتوں کا جواب دیا اور ان صاحبوں کے علم وانصاف کی حقیقت پر متعدد مواقع میں متنبہ کر دیا مگر ہم نے ایک تو یہ نہیں کیا کہ اپنی طرف سے مطلب حق کو غلط سمجھ کر کسی کی تغلیط اور تجہیل کی ہو دوسرے یہ نہیں کیا کہ خدانخواستہ تمام محدثین اور جملہ اہل ظاہر کے مذہب کو کہیں باطل یا وسوسہ شیطانی کہا ہو حتی کہ قاضی صاحب اور نواب صاحب اور مولوی سید نذیر حسین صاحب کے لئے بھی ہم نے اس قسم کی بات تمام رسالہ میں کہیں پسند نہیں کی اب اوثق العریٰ کا تو ذکر بھی نہ کیجئے مگر اہل انصاف ہمارے کلمات اور ان کی تحریرات کو موازنہ فرمالیں کہ انہوں نے بلا وجہ حضرات اکابر اور مذہب احناف کی بابت کیا کیا کچھ بے ہودگی ظاہر فرمائی ہے اور ہم نے باوجود وجوہ وجیہہ کس قدر درگذر کی ہے۔

یہ کیفیت اجمالی تو ان حضرات کے فہم وانصاف کی تھی اب ان کے اتباع کی سنئے کہ مولوی عزیز الدین ساکن آگرہ جن کا مشغلہ وعظ گوئی ہے اور اسی فکر میں اِدھر اُدھر کا سفر بھی کرتے رہتے ہیں ان کی طرف سے حضرت مولانا کے رسالہ **مسمی بہ سبیل الرشاد** کا جواب تھوڑا عرصہ ہوا جو شائع ہوا ہے اس کے دیکھنے سے بالبداہت یہ معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مذکور علم ودیانت تہذیب وانصاف میں ہمارے ہر دو مجیب سے بدرجہا فائق ہیں بالکل وہی قصہ ہے جتنا چھوٹا اتنا ہی کھوٹا اس رسالہ کا نام غالبًا **صیانۃ العباد عن تلبیسات سبیل الرشاد** ہے اہل فہم تو اتنی ہی بات سے رسالہ اور صاحب رسالہ کی حالت بالاجمال دریافت کر سکتے ہیں مگر جو صاحب مزید اطلاع کے شائق ہوں رسالہ مذکور کو ملاحظہ فرمالیں کہ کس قدر لغو اور بے ہودہ ہے گو بعض علماء نے اس کا جواب مبسوط اور عمدہ تحریر فرمایا ہے جو غالبًا زیر طبع ہے، مگر رسالہ مذکور ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی تردید میں تضیع اوقات کی جائے اور غضب یہ ہے کہ ہم کو معتبر

ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ محدث بنارسی تقریراً وتحریراً اس رسالہ کی توصیف وتحسین میں رطب اللسان والقلم ہیں ان حالات کے دیکھنے کے بعد کہ ہوی متبعاً اور اعجاب کل ذی رائے برایۂ کے پوری مصداق ہیں کسی قسم کی گنجائش نظر نہیں آتی مگر خیر خواہانہ اتماماً للحجۃ اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ جو کچھ ہوا سو ہوا آئندہ کو ایسے خرافات سے تائب ہو جئے اور ایسے بے ہودہ تحریروں سے کہ غوغائی برشگال کا نمونہ ہیں کسی قسم کی توقع نہ رکھئے اپنے مومن بھائیوں کے حالات سے تو آپ زیادہ واقف ہیں مگر اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ جس کو علم و فہم سے کچھ بھی تعلق ہوگا وہ ایسے فضولیات کو بمقابلہ اکابر اہل حق کسی طرح نہیں پسند کرسکتا بلکہ ایسے امور سے سخت متنفر ہوگا آپ اپنے فریق کے چند منصف صاحب علم و دیانت کے روبرو سبیل الرشاد اور صیانۃ العباد کو پیش فرما کر تنہائی میں واقعی امر ان سے دریافت فرمایئے اور دیکھئے کہ وہ صاحب کیا فرماتے ہیں ہم کو جو حسن ظن اہل علم کے ساتھ ہے اس کی وجہ سے ہم کو یہی امید ہے کہ اہل علم ایسے لغویات کی کبھی تحسین نہ کریں گے کہ جن کی تحسین سے ان کے علم و دیانت پر حرف آئے غایت مافی الباب بضرورت پردہ پوشی اخوان جو اپنی بھی پردہ پوشی ہے علی الاعلان حق گوئی سے باز رہیں بلکہ ہم تو محدث بنارسی کی طرف بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ بوجہ مصالح چند در چند رسالہ مذکور کی توصیف فرما رہے ہیں مگر امر واقعی کے دل میں ضرور معترف ہوں گے **واللہ علیم بذات الصدور** ان حالات ندامت خیز کے بیان کرنے کے بعد ہماری یہ عرض ہے کہ اگر کسی وجہ اور غرض سے واقعی آپ صاحبوں سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی رسالہ کا جواب آپ کی طرف سے شائع نہ ہو تو ہم کو اس میں کوئی ملال وشکایت نہیں مگر خدا کے لئے اپنی اس قرارداد میں دو باتوں کا خاص طور سے ضرور التزام فرمالیجئے بالخصوص حضرت مولانا کے کسی فتویٰ یا رسالہ کا جواب لکھنا ہو تو اس میں تو دونوں باتوں کا پورا التزام کرنا نہات ضروری ہے اول یہ کہ آپ کی جماعت میں جو صاحب لیاقت علمی کے سوا فہم وانصاف میں بھی ممتاز سمجھے جائیں ان کو غور بلکہ مشورہ کے بعد منتخب فرما کر اس کام پر مامور کیجئے اور جو تحریر وہ کریں اس کو اور چند اہل علم وفہم بھی ملاحظہ فرمالیا کریں اس کے بعد وہ شائع کی جائے دوسری بات یہ ہے کہ بہ نسبت اکابر کلمات بے باکانہ اور گستاخانہ ہرگز نہ استعمال کئے جائیں اگر میری خیر خواہانہ التماس کے موافق اوثق العریٰ کا صرف ایک جواب آپ صاحبوں کی طرف سے ہوتا اور گو اس میں برس دن چھ مہینے کی اور بھی تاخیر ہو جاتی تو اس تعدد رسائل سے آپ کے حق میں غالباً ہزار درجہ بہتر ہوتا اور اکابر اہل علم کے مقابلہ میں ایسے بدنام کنندۂ نکونامی چند کو تو قلم اٹھانے سے بالکل منع فرمادیجئے کہ جو اپنے ساتھ اپنی تمام جماعت کی وقعت وعزت کو خاک میں ملادیں اگر غور وفکر کے ساتھ اس طرز پر حضرت مولانا کی تحریرات کا جواب آپ حضرات کی طرف سے ہوا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ انشاء اللہ اس

طرف بھی خوبی وسنجیدگی کے ساتھ اس کا ضرور جواب دیا جائے گا جو اہل علم کے نزدیک مفید اور قابل لحاظ سمجھا جائے گا ورنہ خدانخواستہ اگر آپ اپنے اسی طریقۂ قدیم پر قائم رہے کہ جو چاہا لکھا اور جیسا چاہا لکھا اور جس نے چاہا لکھا تو موافق مثل مشہور کلوخ انداز را پاداش سنگ است ادھر سے بھی آپ کو نہایت دلخراش فقرے اپنے اور اپنے اکابر کی نسبت غالبًا سننے پڑیں گے اور حسب ارشاد والبادی اظلم اس کا بھی وبال آپ کے سر ہوگا اب آپ کو اختیار ہے جو مسلک پسند خاطر ہو اس کو اختیار فرمائیں اور اسی کے جواب کے منتظر رہیں تحقیق شرعیات کا شوق ہو تو ہماری عرض پر کاربند ہوجئے اور اگر نعوذ باللہ کوئی صاحب ارشاد **لیجاری[1] به العلماء اولیماری به السفهاء او لیصرف به وجوه الناس الیه** کے مصداق اور مصدق بننا چاہیں تو وہ مختار ہیں۔ **وما علینا الا البلاغ ولا حول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم.**

---

[1] مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۴ (اصح المطابع دہلی)

التلمیع الی مفساد التجمیع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم انت عضدی و نصیری بك احول وبك اصول

اما بعد حضرات ناظرین کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ جب احقر کسر العریٰ اور ہدایۃ الوریٰ دونوں کی جواب دہی سے فارغ ہو چکا تو ایک عرصہ کے بعد ایک رسالہ مسمّٰی بہ نور الابصار مولفہٗ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جو مولف نے بجواب رسالہ جامع الآثار مولفہٗ مولانا ظہیر احسن صاحب شوق تحریر کیا ہے نظر سے گذرا اور اس کے اخیر میں بطور ضمیمہ ایک رسالہ مختصر التجمیع فی القریٰ بنقض مافی اوثق العریٰ مولفہ مولوی ابوعبداللہ مولی بخش خان صاحب بڑاکڑی جو اوثق العریٰ کے جواب میں لکھا گیا ہے ہم نے دیکھا چونکہ خان صاحب کا رسالہ کسر العریٰ کے بعد میں تالیف کیا گیا ہے چنانچہ خان صاحب خود اپنے رسالہ میں اپنے رسالہ کے بعدیت کے مقر ہیں تو ہم کو یہ خیال ہوا کہ جوابات متعددہ کے بعد جو خاں صاحب نے تحریر جواب کی تکلیف گوارا کی ہے تو ضرور ان جوابوں کی نقصانات کی مکافات اور جبر مافات کیا ہوگا مگر مطالعہ کے بعد کسی کا مقولہ رحمۃ اللہ علی النباش الاول بے ساختہ یاد آ گیا جب اوثق العریٰ کے متعدد جواب مشتہر ہو چکے تھے جو خانصاحب کے ہم مشربوں کی فخر وابتہاج کے لئے کافی اور تحلۃ قسم کے لئے وافی تھے تو پھر معلوم نہیں کہ خان صاحب نے اس بار کو اپنی گردن پر کیوں لیا ہم نے تمام رسالہ کو اس طمع میں دیکھا کہ کوئی بات نئی گو عمدہ نہ ہو نظر پڑی مگر اول سے آخر تک کوئی بات رسائل سابقہ سے زائد ہم کو نظر نہ آئی لیکن حسب ارشاد عیب من جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو یہ عرض ہے کہ البتہ دو امر خان صاحب کی تحریر میں پہلے دونوں تحریروں سے زائد معلوم ہوئے اول جہالت وحماقت دوسرے گستاخی وجسارت اور یہ ہر دو امر ہر چند اہل علم سے نہایت مستبعد اور موجب تعجب وتحیر ہیں مگر مولوی ابوالمکارم صاحب معترض بحاث اعظم گڈھی اور بالخصوص مولوی محمد سعید صاحب محدث بنارسی کی تحریرات نے ہمارا خیال بدل دیا اور استبعاد واستعجاب مذکور خاک میں ملا دیا ؂

وذاك ان الفحول البيض عاجزة عن الجميل فكيف الخصيته السود

ہم اصل رسالہ میں عرض کر چکے ہیں کہ ہر چند محدثین دہلی کے فتویٰ میں تمام اکابر حنفیہ بلکہ صحابہ کرام و تابعین کی نسبت کھلم کھلا نہایت شنیع الفاظ استعمال کئے گئے ہیں مگر اوثق العریٰ میں ان لایعنی امور کے مقابلہ میں بھی کلمات ناملایم سے اجتناب کلی اختیار فرمایا گیا باوجود اس کے جو صاحب اہل حدیث میں

سے جواب دیتے ہیں وہ تبرا گوئی کو سپر بناتے ہیں کیا مقتضائے عقل و تدین یہی ہے استغفر اللہ مگر کسی نے سچ فرمایا ہے ؎

وقت ضرورت چو نماند گریز دست بگیرو سر شمشیر تیز

اور اس سے بھی عجیب تر اور بات سنئے ہمارے تمام مجادل و مکابر تحریر فرمارہے ہیں کہ ہم نے اوثق العریٰ کا جواب مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق صاحب محدث عظیم آبادی کے ارشاد سے تصنیف کیا بعض لکھتے ہیں کہ کہ ان کی ہی اعانت سے طبع بھی ہوا اب انصاف فرمائیے کہ یہ شور حماقت آمیز و تعصب خیز اور یہ فضول جوابات اور پٹھانوں کے جاہلانہ کلمات ایک تحقیق علمی اور بحث شرعی کے مقابلہ میں ارشاد **والغوا فيه لعلكم تغلبون** کا نمونہ ہے یا نہیں جو کسی طرح اہل علم بلکہ شرفاء کے بھی مناسب شان نہیں اس لئے ہمارا حسن ظن یہی کہتا ہے کہ اوثق العریٰ کے بعد تحقیقات العلیٰ کی ردی ہونے میں کوئی تردد باقی نہیں رہا مگر غالبًا مولوی شمس الحق صاحب محدث کا یہ خیال تو ہرگز نہ ہوگا کہ اس عوام کی جھک جھک اور بک بک سے امر حق کو مغلوب بنا کر اپنی غلبہ کے متوقع ہوں ہاں عجب نہیں جو یہ جوابات خود مولوی صاحب موصوف کے نزدیک بھی قابل اعتبار نہ ہوں اور اسی وجہ سے ان مولفین کو یکے بعد دیگرے تردید اوثق العریٰ پر مامور کیا ہو مثلاً مولوی محمد سعید صاحب کے جواب کو ناقص سمجھ کر دوسرے صاحب کو اس امید پر ارشاد تحریر جواب ہوا ہو کہ یہ شاید کچھ جبر نقصان کریں دوسرے کے بعد تیسرے کو اسی توقع پر تحریر جواب کا حکم کیا ہو مگر یہ جواب اخیر تحریر فرمودہ خان صاحب ایسا نہیں کہ اب پھر بھی مولانا شمس الحق کو کسی صاحب کی نسبت ایسے ارشاد فرمانے کی تکلیف کرنی پڑے جواب کی بے ہودگی اور لغویت کے علاوہ خان صاحب نے شجاعت خداداد سے اپنے شیخ العرب والعجم اور محدث عظیم آبادی وغیرہ کی نسبت سب وشتم کا ایسا دروازہ کھول دیا کہ خان صاحب کے اکابر واصاغر کی شان میں جس قدر کوئی الفاظ قبیح استعمال کرے تو کوئی منصف مزاج اس کو بے جا نہیں کہہ سکتا اور پہلے ہر دو مجیب سے جیسے بدفہمی و کجروی میں سبقت لے گئے ایسی ہی سخت کلامی اور گستاخی میں بھی درجۂ اعلیٰ حاصل کیا اب درشتی بے باکی وہی کمی کر سکتا ہے جس کو ایسے کلمات یاد ہی نہ ہوں یا حیا و شرافت سے اس کو کچھ حصہ ملا ہو بالجملہ خان صاحب ممدوح کی تحریر چونکہ جہالت و حماقت طبع زاد اور بے باکی و مطلق العنانی خداداد میں سب پر فائق ہے اس لئے کسی وجہ سے یہ استحقاق نہیں رکھتے کہ رسائل سابقہ کی تردید کے بعد کوئی عاقل اس کی تردید کی طرف متوجہ ہو بلکہ جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جوابات سابقہ سے کوئی امر زائد لائق جواب خان صاحب نے تحریر نہیں فرمایا جن کا جواب بلکہ بعض کے جوابات شافی بحمد اللہ ہو چکے ہیں تو پھر تو خان صاحب کی تردید ایسا فضول امر نظر آتا ہے کہ عند العقلاء موجب حیا و

ندامت ہونا چاہئے مگر ہم بعض مخلصین ومکرمین کے ارشاد کے موافق صرف اس غرض سے خامہ فرسائی کی کلفت گوارا کرتے ہیں کہ تحریر مذکور کی نسبت جو ہم نے اجمالاً عرض کیا ہے اس کی تفصیل اور ہمارے قول کی تصدیق ناظرین کو خوب معلوم ہوجائے واللہ ولی التوفیق۔ خان صاحب نے شروع مقصد سے پہلی اول تو اہل زمانہ کے فتنہ پردازی اور جہل وحماقت کی گرم بازاری اور کذب وخیانت واشرار کی برخورداری اور اہل حق اور طریقہ سنت واہل سنت کی ذلت وخواری پر افسوس ظاہر فرمایا ہے اور علماء کی حالت پر بہت کچھ تاسف کیا ہے ہر چند اس تمام نوحۂ وزاری کے جواب میں جو کلمہ حق ارید بہا الباطل کا مصداق ہے اسی قدر کہہ دینا کافی ہے ۔ شعر

اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　　تو کجا بہر تماشا میروی

مگر اہل فہم کی تنبیہ کے لئے اتنا اور عرض کئے دیتے ہیں قال[1] **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال الرجل ہلک الناس فہو اہلکہم** اس کو بھی ضرور ملحوظ رکھیں کیونکہ نیت کے بدلنے سے قصہ ہی کچھ اور ہوجاتا ہے **انما[2] الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی** خان صاحب نے سرسری طور پر کلمات کے صدق پر اعتماد کر کے ان کو نقل تو فرما دیا مگر غالباً خرابی نیت کا کچھ اندیشہ نہیں کیا اور اگر وہ ایسا کرتے تو خان صاحب اور دوسروں میں فرق ہی کیا ہوتا۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ فتوی شیخ الکل شیخ العرب والعجم مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کی ردو جواب میں ایک رسالہ مسمی بہ اوثق العری ہمارے نظر سے گذرا جو تمام منکرات شرعیہ مثل کذب وخیانت ومغالطہ وغیرہ پر مشتمل تھا اس لئے یہ عاجز اس کی جواب دہی کی طرف حسب فرمایش فلاں متوجہ ہوا، انتہی۔ بحذف الفاظ الشنیعہ ہر چند ایسے کلمات موجب سواد الوجہ فی الدارین کی ابطال کی طرف کہ جن کی جواب دہی کے لئے ملائکۃ الجبار مامور ہوں اور خود احکم الحاکمین جل جلالہ کی طرف سے ان کے قائل کو اعلان جنگ دیا جاتا ہو کسی قسم کی توجہ اور التفات کرنا بالکل بے سود ہے مگر بعض وجوہ سے صرف اس قدر عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کلمات کا مبنی محض جہالت وبے فہمی ہے تو ہماری طرف سے یہی جواب کافی ہے ۔ شعر

گر نبیند بروز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اور اگر دیدہ ودانستہ صرف حسد وعناد اس کا منشا ہے تو یہ بات خوب سمجھ لیجئے ۔ شعر

بر بلندان سخن بسوئے خود است　　　تف بروی فلک بروئی خود است

---

[1] مسلم ص ۳۲۹، باب النہی عن قول ہلک الناس (رشیدیہ دہلی)

[2] بخاری ۱/۱، باب کیف کان بدؤ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رشیدیہ دہلی) ابن ماجہ باب النیۃ ص ۳۱۱ (رشیدیہ دہلی)

اگر اس قسم کی خرافات قابل التفات ہوتے تو حضرت فخر اولین وآخرین صلی اللہ علیہ وسلم اشقیا کی مذمم کہنے پر الٹا اظہار مسرت کیوں فرماتے ولنعم ما قیل ؎ شعر

واذا اتتك مذمتی من ناقص فهی الشهادة لی بانی کامل

باقی رہی آپ کے شیخ العرب والعجم ان کی بابت انشاء اللہ ہم بہت کچھ مدلل ومبرہن قابل قبول اہل علم وفہم عرض کر سکتے ہیں مگر اس فضول امر سے دو باتیں ہم کو مانع ہیں اول ارشاد رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم لاتسبوا[1] الا موات فانهم قد افضوا الی ما قدموا دوسرے ان کی مشیخت و سیادت و واقفیت حدیث وتحقیق علمی وخوش فہمی وانصاف ودیانت وغیرہ جملہ کمالات کے اظہار کے لئے مضامین اوثق العریٰ اہل علم وانصاف کے لئے ایسی حجت کافی ہے کہ ہم کو اس بارے میں خامہ فرسائی بے سود نظر آتی ہیں عیاں راچہ بیان فتوائی شیخ الکل اور اوثق العریٰ موجود ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے اسی نقصان کی جبر اور اسی عیب کی اخفاء وستر کی ضرورت سے تو محدثین زمانۂ حال از اصاغر تا اکابر واز امیر تا مامور شیخ الکل کی پردہ پوشی اور اوثق العری کی بدگوئی میں جان ودل سے ساعی ہیں اور جوابات متعددہ پر بھی کسی طرح صبر نہیں آتا اور بحالت مجبوری والغوافيه لعلكم تغلبون پر عمل کرنے سے بھی علم وحیا وخوف خداوندی کوئی امر مانع نہیں ہوتا محدثین موصوفین کی یہ تمام گریہ وزاری اور اضطراب وبے تابی دیکھ کر ہر ایک فہیم سمجھ سکتا ہے کہ آخر ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مگر ظاہر ہے کہ یہ پردہ پوشی پردہ دری سے بڑھ کر اور یہ عذر گناہ سے بدتر ہے اس لئے ایسے مزخرفات سے سرخروی کی توقع سراسر نادانی ہے اگر بے وجہ محض اپنے غلبہ کی طمع سے اہل حق پر طعن وتبرا مفید وموجب کامیابی ہوتا تو حضرات شیعہ ہمارے اس وقت کے اہل حدیث سے بھی زیادہ اس سرخروئی اور کامیابی کے مستحق تھے ہم کو تعجب ہے کہ باوجود دعویٰ حدیث دانی اور تنفر عن التقلید ہمارے خان صاحب نے شیعوں کی تقلید کیسے گوارا فرمائی خان صاحب کو لازم ہے کہ صلحاء کی تبرا گوئی سے توبہ کریں اور مباحث علمیہ اور تحقیقات شرعیہ کو خانہ جنگی اور نزاع بازاری پر قیاس نہ فرمائیں اور از راہ زبردستی کامیابی وسرخروئی کا خیال خام نہ پکائیں ورنہ بجز اظہار جہالت جبلی وحماقت قومی اور کوئی نفع نہ ہوگا، اب ہم خانصاحب کے جوابات جوانہوں نے بجواب مضامین اوثق العری تحریر فرمائے ہیں ان کو علی الترتیب ہدیہ ناظرین کر کے یہ بات دکھلانا چاہتے ہیں کہ خان صاحب کی تمام رسالہ میں کوئی نئی بات قابل جواب نہیں بلکہ وہی مضامین جو کسر

---

[1] بخاری جلد اول، کتاب الجنائز ص ۱۸۷، باب ما ینہی من سب الاموات (رشیدیہ دہلی)

العریٰ میں موجود ہیں ان ہی کو خانصاحب نے اخذ ومسخ کر کے اوثق العریٰ کے جواب دہی کا فخر حاصل کر لیا ہے اور بجز زیادت جہالت وحماقت کوئی امر زائد تمام رسالہ میں مذکور نہیں اور بالا جمال دونوں رسالوں میں بعینہ ایسا فرق نکلے گا جیسا کسر اور نقض میں جس کے سمجھنے کے لئے اہل فہم کو نظر سرسری کافی ہوگی اور کم فہموں کے سمجھانے کی غرض سے حسب موقع یہ احقر کسی قدر تفصیل کئے دیتا ہے۔

سنئے اوثق العریٰ میں قصہ اسعد بن زرارہ اور معصب بن عمیر میں مطابقت بیان فرمانے کے ذیل میں یہ کہا ہے کہ اول انصار نے جمعہ اپنی رائے سے بطور تنفل ادا فرمایا اور ظہر بھی جو فرض تھا پڑھتے رہے کیوں کہ یہ امر ہرگز ممکن نہیں کہ صحابہ کرام محض اپنی رائے سے ایک امر ایجاد کر کے فریضۂ حق سبحانہ تعالیٰ کو چھوڑ دیں اور اس کے بعد جب آپ نے ادائے جمعہ کے لئے امر فرمایا تو اس وقت صلوٰۃ جمعہ البتہ فرض اور مسقط ظہر ٹھہرائی گئی تو اب ان دونوں واقعوں میں کچھ مخالفت اور تعارض نہیں ہے، اب اس پر خان خطرۂ دین وایمان اوثق العریٰ کے مطلب اصلی اور جملہ دلائل سے اغماض کر کے اس امر ضمنی کی نسبت سینہ زوری کی ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی تجویز عقلی ہے نہ حجت شرعی کیونکہ جب صحابہ کرام نے اپنی رائے سے بغیر حکم شارع جمعہ قائم کیا تھا تو تعیین وقت ودیگر شرائط وقیود جمعہ میں مصیب ہوں گے یا نہیں اگر مصیب نہ تھے تو یہ نماز شرعاً جمعہ کی نہ ہوئی اور مبحث متنازع فیہ سے خارج ہوئی اور اگر حضرات صحابہ ان سب امور میں مصیب تھے تو ظہر کے اسقاط میں ان کی اصابت میں کیا استبعاد ہے۔ جب حق تعالیٰ نے اتنے امور میں ان کو ہدایت فرمائی تو ایک اسقاط ظہر کی ہدایت میں کیا تامل ہے۔ سو اس خرافات کا جواب مکرر بجواب مجیب بنارسی تفصیل کے ساتھ معروض ہو چکا ہے اصل رسالہ کو ملاحظہ فرمالیجئے ہم کو کسی قسم کے جواب دہی کی حاجت نہیں ہاں خان صاحب اور ان کے آمر وامیر کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اول تو یہ بات خوب یاد رکھیں کہ خلاف عقل ونقل اور مخالف سلف وخلف آپ نے اس امر کو تسلیم کرلیا کہ نصوص شرعیہ اور احکام قطعیہ دوسروں کی رائے اور اجتہاد سے بھی متروک ومنسوخ ہو سکتے ہیں نعوذ باللہ اب ضرور ہے کہ کسی اور کو نہ ہو تو مولانا ابوالطیب کو تو ضرور متنبّی کا خطاب دینا چاہئے ؂

بجلی گری فغاں سے مری آسمان پر ۔۔۔ جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

اگر اتباع سنت وعمل بالحدیث اسی کا نام ہے تو حق تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس گمراہی سے بچائے، دوسرے ہم بھی خان صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ بنی سالم میں جو ہجرت سے قبل برابر جمعہ ہوتا تھا اور اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر نے جو قبل ہجرت جمعہ قائم فرمایا تھا تو اس میں حضرات صحابہ مصیب تھے یا نہیں؟ اگر مصیب نہ تھے یعنی تعین وقت وعدد رکعات ودیگر شرائط وقیود جو حضرات صحابہ بجالائے تھے وہ

شرعاً غیر معتبر وغیر مقبول تھیں تو بقول آپ کی وہ نماز شرعاً جمعہ کی نماز نہ ہوئی اور متنازع فیہ سے خارج ہوئی تو اب ان روایات سے آپ کے شیخ العرب والعجم اور آپ کے امیر و مفتی اور بہت سے اخوان الصفا جو اپنی اپنی تحریر اور رسالوں میں نفی شرائط جمعہ پر اس قصہ اور اس کی روایات سے بمقابلہ حنفیہ اپنی زعم کے موافق استدلال پیش فرمارہے ہیں ان کو ہدایت فرمائیے کہ یہ قصہ چونکہ مبحث سے خارج ہے لہٰذا ہدایت العلی اور جملہ تحریرات سے خارج کر دینا چاہئے اور اگر حضرات موصوفین ان تمام امور و قیود میں مصیب تھے تو بقول دشمن ناداں یعنی خان مولی بخش خان پھر فرضیت جمعہ قبل ہجرت ہی میں کیا استبعاد اور کونسا محال ہے بقول خان صاحب جب خداوند تعالیٰ نے اتنے امور میں ان کو ہدایت فرمائے اور جملہ امور و قیود معمولہ اصحاب کرام معتبر و واجب العمل ہوئیں تو پھر فرضیت جمعہ میں خان صاحب اور ان کے فریق کے رؤس واذ ناب کیوں متامل؟ اور منکر ہیں ہمارے اس خدشہ کا جو جواب خان صاحب دیں وہی اپنی اعتراض بے ہودہ کے جواب میں ہمارے طرف سے محسوب کرلیں۔ تیسرے جب آپ صاحبوں کے نزدیک حضرات صحابہ اپنی رائے سے امر منصوص کو منسوخ کر سکتے ہیں تو اب قاضی شوکانی اور شیخ الکل وغیرہ حضرات سے فرما دیجئے کہ قصہ جواثا میں بمقابلہ احناف کیوں جوتیوں سے کان گانٹھے جاتے ہیں اور فرمایا جاتا ہے کہ صحابہ کرام بلا اذن شارع کوئی فعل نہیں کیا کرتے تھے اہل جواثا نے ضرور دریافت کرلیا ہوگا بلکہ اب تو یہ کہنا چاہئے کہ حضرات صحابہ اپنی رائے اور اجتہاد سے جب کسی فعل غیر فرض کو فرض فرماسکتے ہیں اور امر منصوص اور حکم قطعی تک کو منسوخ ٹھہراسکتے ہیں تو اہل جواثی نے بھی اپنے اجتہاد سے قریہ میں جمعہ فرض فرمایا اور حکم سابق کو منسوخ کر دیا ان کو آپ سے اجازت کی ضرورت ہی کیا تھی جو آپ سے پوچھ کر کرتے اب دیکھئے تمام جھگڑے بسہولت طے ہوگئے سبحان اللہ اگر قاضی صاحب ہمارے خان صاحب اور ان کے امثال کو دیکھ لیتے اور ان کی تقاریر سن لیتے تو غالباً عمل بالحدیث سے تو بالکل متنفر ہوجاتے علاوہ ازیں ہم تمام امور سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر کے لئے خان صاحب کی ہی زٹل کو تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ضرور حضرات صحابہ اپنے اجتہاد و فہم سے حکم منصوص کو متروک و منسوخ فرماسکتے ہیں اور حضرات اصحاب کرام نے جب اپنی رائے سے جمعہ قائم فرمایا تھا تو اسی وقت سے صلوۃ ظہر کو ساقط و ترک بھی فرمادیا تھا مگر اہل فہم یہ تو فرمائیے کہ اس میں ہمارا کیا نقصان ہوگا بلکہ اب تو ہمارے مدعی پر کوئی غبار ہی باقی نہ رہا کیونکہ بقول خان بڑا کٹری جب اہل مدینہ نے اپنے اجتہاد سے فریضہ ظہر کو ساقط الاعتبار فرمادیا تو فریضۂ جمعہ میں تو اب کوئی تامل کرہی نہیں سکتا جب وہ حضرات فرض شرعی کو ساقط فرماسکتے ہیں تو کسی فعل کو فرض کر دینے میں کیا تردد ہے معہذا اسقوط فرضیت ظہر تو فرضیت جمعہ پر متفرع ہے جب تحقق متفرع مسلم ہے تو متضرع علیہ کی تحقق

میں کیا تردد ہوسکتا ہے پھر معلوم نہیں کہ کسی مفاد کی طمع میں محدث بنارسی کو اول یہ بے ہودہ خیال پیدا ہوا اور خان مولی بخش خان نے اپنے تمام جبلی لیاقت اس پر صرف فرما کر اس قصہ کو بالکل وہاں پہنچا کر چھوڑا کہ جس کو دیکھ کر قول علما مجنون فیداوی اور زندلق یقتل یاد آتا ہے مگر ہمارے خان صاحب اس پر بھی فخر و ابتہاج کے ساتھ فافہم فانہ مما فہمنی ربی تحریر فرما رہے ہیں ایسے وساوس نفسانی اور خطرات نادانی کو تفہیمات الٰہیہ سمجھنا بالکل ایسا ہی قصہ معلوم ہوتا ہے کہ طعام خبیث وحرام کھا کر شکر الٰہی ادا کرنے بیٹھ جائے اہل فہم تو اس خرافات کو دیکھ کر ضرور یہی کہیں گے **الحمدللّٰہ الذی لم یفھمنی ھذا وعافانی مما ابتلاك به** اس کے بعد خان صاحب کا عبارت آئندہ میں حضرات صحابہ کی اقامت جمعہ کو غیر مشروع کہنا ایسی حماقت نہیں جس کی سمجھنے میں کسی کو کوئی تردد ہو مگر ہاں شیخ الکل اور محدث عظیم آبادی سے فرمائیے کہ اس جمعہ غیر مشروع سے اپنی تصانیف میں جو استدلال بمقابلہ احناف پیش فرمایا ہے اس سے تائب ہوں سبحان اللہ ہمارے خان صاحب کے نزدیک قول وفعل صحابہ مثبت فرضیت بلکہ ناسخ حکم قطعی تو ہو جائے مگر مشروعیت نصیب ہونی غیر ممکن، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ثبوت فرضیت جمعہ قبل ہجرت اصول حنفیہ کی بالکل خلاف ہے کیونکہ ثبوت فرضیت کے لئے دلیل قطعی ہونے چاہیئے اور اثر ابن عباس نہ قطعی ہے نہ صحیح بلکہ ظنی اور غیر صحیح ہے اور وہ بھی محض ابن عباس کا قول ہے حدیث مرفوع نہیں پس اوثق العریٰ میں روایات صحیحہ کا حوالہ دینا محض کذب یا مغالطہ ہے الی آخر ہذیانہ فاضل بڑاکڑی نے اس موقع پر علم وفہم سے قطع نظر فرما کر بہت کچھ زور آزمائی کی ہے مگر سب کا مبنی علی سبیل منع خلو یا حماقت ہے یا رفع ندامت اصل رسالہ میں بجواب کسر العریٰ اور ہدایت الوری تمام امور نہایت بسط کے ساتھ گذر چکے ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے اثر ابن عباس میں پہلے ہر دو محدث نے بھی یہی خلجانات پیش فرما کر داد قابلیت دی تھی جس کی کیفیت معروض ہو چکی ہے مگر جائے اوستاد خالی است۔ واقعی خان المحدثین نے اثر مذکور میں وہ خدشہ پیدا کیا کہ نہ محدث بنارسی کو وہاں تلک رسائی ہوئی نہ ابوالمکارم کو فرماتے ہیں کہ وہ محض قول ابن عباس ہے یعنی حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے واقعی مولوی محدث فاضل مولی بخش خان بھی محض خان صاحب ہی نکلے، صاحبو! اثر ابن عباس مفصلاً مکرر مذکور ہو چکا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں آپ پر جمعہ فرض ہوا لیکن آپ بوجہ عدم تمکن معذور رہے اور اپنے اصحاب کو جو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے آپ نے لکھ کر بھیجا کہ جمعہ قائم کرو چنانچہ انہوں نے حسب ارشاد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ قائم کیا۔ جس سے صاف ثابت ہوگیا کہ قبل ہجرت جمعہ فرض ہو چکا تھا اور بوقت ہجرت جو آپ نے قبا میں چند روز قیام فرمایا تو نہ خود جمعہ پڑھا نہ اہل قبا کو حکم فرمایا تو اب صاف معلوم ہوگیا کہ قریٰ محل اقامت جمعہ ہرگز نہیں

وہوالمطلوب اس اثر پر جو کچھ خدشات پہلے مجیبین نے کئے تھے وہ تو معہ جوابات گذر چکی مگر خان صاحب نے نئی بات یہ فرمائی کہ یہ تو محض ابن عباس کا قول ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ واقعی ہمارے خان صاحب بھی محض ناواقف اور پڑھے لکھے ہو کر ماشاء اللہ پورے جاہل ہیں محدث و مجتہد ہو کر اتنے بھی خبر نہیں کہ حضرت ابن عباس صریح تعامل نبوی اور عمل در آمد زمانۂ مصطفوی کو بیان فرمارہے ہیں اور آپ نے صحابہ کرام کو دربارۂ اقامت جمعہ جو ارشاد فرما کر بھیجا اس کا ذکر کرتے ہیں اور احمق سے احمق بھی یہ بات جانتا ہے کہ تعامل حضرت فخر عالم اور ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کی حدیث مرفوع ہونے میں ادنی واقف بھی متامل نہیں ہوسکتا ہم کیا غالباً مولوی ابوالطیب اور محدثین زمانہ حال بھی ضرور متعجب ہوں گے اور سوائی خان صاحب موصوف اتنے امر کی تسلیم میں کسی کو تامل نہ ہوگا کہ اثر مذکور میں دیکھ لیجئے حالت و کیفیت عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مکہ میں آپ پر جمعہ کا فرض ہونا مذکور ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ اقوال واحوال حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ذکر کیا ہے دوسرے کے قول و فعل پر آپ کا انکار نہ فرمانا اور اس کو دیکھ کر یا سن کر سکوت فرمانا بھی حدیث مرفوع ہے ایسے یہ ہی قول و فعل کو واقف حال ہرگز اس کے قائل و فاعل کا قول محض یا فعل محض مثل خان صاحب کے نہ کہے گا بلکہ صرف اس وجہ سے کہ آپ نے دیکھنے یا سننے کے بعد سکوت فرمایا اور کسی قسم کا انکار نہ کیا قول مذکور اور فعل مسطور حدیث مرفوع مانے جائیں گے سو اثر مذکور میں تو ابن عباس خود آپ کی حالت نقل فرماتے ہیں اس کی حدیث مرفوع ہونے میں کون متامل ہوسکتا ہے اور ایسی صریح اور بدیہی امر کا انکار کرنے کے بعد منکر کو زمرۂ اہل علم میں کون عاقل شمار کرسکتا ہے؟ اگر یہی جہالت ہے تو تمام روایات حدیث جن میں حضرات صحابۂ کرام آپ کے قول یا آپ کے فعل کی کیفیت نقل فرماتے ہیں حسب ارشاد فاضل بڑا کڑی سب موقوف اور غیر مرفوع ہوجائیں گے واقعی ایسے علماء کے ہوتے جہال کی اور ایسے دین داروں کی ہوتے بد دینوں کی کیا ضرورت ہے پھر اس خرافات پر خان صاحب ممدوح کو وہ فخر وانبساط ہے کہ اپنی نسبت فقط روح اللہ کہنے کی کسر باقی ہے اور تحقیقات اکابر کو بازیچہ طفلان اور مضحکہ صبیان فرمانے میں خوف خداوندی اور شرم خلائق کچھ بھی مانع نہیں بے وقوف سے بے وقوف بھی جو غلطی کھاتا ہے تو آخر اس کے لئے کوئی منشاء ہونا ضرور ہے اس لئے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خان صاحب نے ظاہر میں صرف اتنا دیکھ کر کہ اثر مذکور میں چونکہ جملہ عبارت ابن عباس کی ہے آپ کا خاص لفظ کوئی مذکور نہیں یہ حکم لگا دیا کہ یہ اثر موقوف ہے سو واقعی اگر یہی بات ہے تو احادیث نبوی کا خدا حافظ ہے بخاری تک کی سیکڑوں روائتیں خان صاحب کی ایجاد کے مطابق موقوف اور غیر معتبر ہوجائیں گے دور نہ جایئے رفع یدین آمین بالجہر فوق السرہ ہاتھ باندھنے میں استسقاء میں نماز کی

مسنون ہونے صلوٰۃ خوف کی کیفیت میں تکبیر عیدین میں اور بہت سی باتوں میں صرف احادیث فعلیہ ہی
موجود ہیں خان صاحب کی ارشاد کے موافق سب کو موقوف اور محض قول صحابی کہہ کر لغو کہہ دیا جائے مگر
مولوی ابوالمکارم نے بدنیتی اور خودغرضی سے افعال صحابہ کو علی العموم ایک صورت خاص کے سوا حدیث
مرفوع فرمادیا تھا فاضل بڑاکڑی نے احادیث مرفوعہ متفق علیہا کو بھی محض قول صحابی اور موقوف فرما کر سب
سے سبکدوشی حاصل کی ایسے جہل مرکب سے حق تعالیٰ محفوظ رکھے اور پھر اس پر دعویٰ حدیث دانی جس
سے خدا کی قدرت اور حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد پیشین گوئیوں کی تصدیق آنکھوں سے نظر
آتی ہے اور ہم کو تو خانصاحب کی ناواقفی اور بےفہمی سے یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ اثر مذکور کے ضمن میں چونکہ
قاضی صاحب نے کلمہ فلم یتمکن من اقامتہا اور کتب الیھم بیان کیا ہے اس کو دیکھ کر اول کلمہ
سے تو خان صاحب نے شاید یہ سمجھا ہے کہ یہ تو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوا بلکہ عدم فعل ہے اور
دوسرے جملے سے بوجہ خوبی ذہن یہ سمجھ گئے کہ یہ تو کتابت رسول ہے قول رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کہاں
ہے، اور قابل اعتبار آپ کا قول و فعل ہی یہاں مذکور عدم فعل و کتابت ہے قول اگر ہے تو ابن عباس کا ہے،
اگر ہماری یہ بدگمانی صحیح ہے تو ضرور خان صاحب اور ان کے موافقین اس نکتہ سنجی پر جس قدر چاہیں فخر
فرمائیں ہم بھی اللھم زد فزد عرض کرتے ہیں مگر جس کو کچھ بھی فہم ہوگا وہ بےچارہ تو ان تحقیقات کو دیکھ کر یاس
وحسرت کے ساتھ بےساختہ یہی کہے گا افسوس آدمیاں گم شدند، اور اسی آخر کی بحث میں جو خان صاحب
نے تحریر فرمایا ہے کہ حنفیہ کے یہاں ثبوت فرضیت کے لئے دلیل قطعی درکار ہے یہ اثر دلیل فرضیت کیونکر
ہوسکتا ہے یہ نکتہ بھی نیا ہے جو محدث بنارسی وغیرہ کو بھی نہیں سوجھا مگر جو شخص کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا
ہے کہ دلیل مذکور فرض اعتقادی کے لئے درکار ہے فرض عملی کے لئے دلیل ظنی بھی کافی ہے اگر فرضیت جمعہ
قبل الہجرۃ کے انکار پر کوئی حکم تکفیر لگاتا ہے تو اس وقت دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی اور اب تو دلیل قطعی کا
طلب کرنا خان صاحب کی انہیں فضولیات میں سے ہے جن کا منشاء محض ناواقفیت ہے علاوہ ازیں دلیل
مثبت اور دلیل مظہر میں فرق ہے اگر کوئی عالم کسی عامی یا نو مسلم کو فرضیت صوم وصلوٰۃ وغیرہ کی خبر دے گا تو
اس کا قول واجب التسلیم ہوگا۔ آپ کا یہ عذر وہاں کارآمد نہ ہوگا حضرات صحابہ وغیرہ نے بہت سے امور کی
فرضیت کا فتوی دیا مگر کسی نے یہ عذر نہیں کیا کہ آپ کا قول دلیل فرضیت نہیں ہوسکتا حالانکہ یہ امر سب کے
نزدیک مسلم ہے کہ قول صحابی ثبوت فرضیت کے لئے کافی نہیں، اب اس کے بعد خان صاحب نے تقریر
طویل مگر نہایت پریشان تحریر فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیام قبا میں جمعہ قائم نہ کرنے سے جو اوثق
العریٰ میں اقامت جمعہ فی القریٰ کا انکار کیا ہے بچند وجوہ باطل ہے اول تو اس وجہ سے کہ بخاری میں مذکور

ہے **لما قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ نزل فی علو المدینۃ فی حی یقال لھم بنو عمرو ابن عوف الخ** اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبا مدینہ میں داخل اور اس کا جزو ہے تو اب وہاں اقامت جمعہ کا کون انکار کرسکتا ہے۔ مگر اس بے ہودہ مغالطہ کی تحقیق و تفصیل اصل رسالہ میں بجواب محدث بنارسی ہم عرض کر چکے ہیں ایسے مغالطوں سے امید کامیابی اپنی بدفہمی اور عجز کا اعتراف ہے البتہ اہل انصاف کی خدمت میں اس قدر التماس ہے کہ محدثین زمانۂ حال کا تدین وانصاف قابل لحاظ ہے کہ اس قصہ میں تو قبا کو جو تقریباً مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جزو مدینہ اور فنائے مدینہ کہہ کر صحت جمعہ کی صورت نکالی جاتی ہے اور بنی سالم جو مدینہ طیبہ سے ایک میل ہے جب وہاں آپ کی جمعہ پڑھنے سے یہی محدثین اقامت جمعہ فی القریٰ ثابت کرتے ہیں اور حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ تو قریہ مستقل نہیں بلکہ فناء مدینہ میں داخل ہے تو نہایت غصہ سے جواب دیا جاتا ہے کہ ہرگز نہیں بلکہ بنی سالم تو قریہ مستقل تھا اور طرفہ یہ کہ قبا اور بنی سالم ایک سمت میں واقع ہیں جب قبا سے مدینہ طیبہ میں آتے ہیں تو بنی سالم رستہ میں واقع ہے سو اس کرامت سراسر حماقت میں ہم بھی متحیر ہیں کہ یا اللہ ان اہل حدیث کو ایسے تناقض صریح اور بدیہی البطلان امر کے تسلیم کی کیونکر جرأت ہوئی بعض اوائل نے جو نبی سالم کو قریہ مستقل مان کر اپنا استدلال جمایا تھا تو قبا کو بھی وہ قریہ مستقل فرماتے تھے یہ غضب کسی نے نہ کیا تھا کہ قبا کو داخل اور بنی سالم کو خارج فرمایا ہوا گر دولت علم و فضل بزور بازو حاصل ہوا کرتی تو فی الواقع ہمارے خانصاحب زبردست عالم ہوتے مگر کیا کیجئے کہ ایں سعادت بزور بازو نیست، دوسری وجہ یہ کہ قبا میں آپ کی اقامت جمعہ مذکور نہیں یہ نہیں کہ عدم اقامت مذکور ہو تو اب صرف عدم ذکر سے اس کی نفی سمجھ لینی خلاف قاعدہ ہے ورنہ حبشہ کی نسبت بھی بوجہ عدم ذکر عدم اقامت جمعہ کا قائل ہونا پڑے گا، مگر سب جانتے ہیں کہ احوال ہجرت نبوی صلی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفصیل اور اس کے بیان کا جس قدر اہتمام ہوا ہے جزئیات حبشہ کا اس کی نسبت عشر عشیر بھی اہتمام نہیں ہوا اس پر قیاس دوڑانا تو خان صاحب کی وہی زبردستی ہے کہ جس سے امور علمیہ اور احکام شرعیہ میں کوئی فائدہ نہیں مگر ہم اصل رسالہ میں بعض روایات سے ذکر عدم اقامت بھی عرض کر چکے ہیں خان صاحب اپنی ناواقفیت پر کیوں شاہد پر شاہد لائے چلے جاتے ہیں اسی مبحث کے ذیل میں خان صاحب نے بہت کچھ اغلاط فاحشہ جو اہل علم کے حق میں نہایت شرمناک سمجھے جاتے ہیں بہ طفیل کسر العری اور بذریعہ ناواقفی و جرات بیان فرمائے ہیں حتی کہ جملہ **و کذلک جمع لھم اول ما قدم المدینۃ کما ذکرہ** ابن اسحٰق سے جمعہ فی القبا مراد لیا ہے مگر چونکہ ان امور کی پوری تفصیل اصل رسالہ میں مذکور ہو چکی ہے اس لئے ان خرافات کے مکرر جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں اس کے آگے جواثا کی نسبت

کچھ ہذیان سرائی کی ہے جس کی بحث بہت بسط کے ساتھ بیان ہوچکی ہے، حدیث طارق بن شہاب وغیرہ آثار صحابہ کو بیان کر کے جو خان صاحب نے اپنی خباثت نفس کو الفاظ شنیعہ کی پیرایہ میں ظاہر کیا ہے جملہ امور کا جواب اصل رسالہ بلکہ خود اوثق العریٰ میں بوضاحت موجود ہے باقی آنکھیں اگر اندھی ہیں تو پھر دن بھی رات ہے، باقی خان صاحب کا یہ لکھنا کہ اقامت جمعہ فی القری کی صحت پر سب صحابہ متفق ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اثر ضعیف ہے ایسی بے ہودہ بات ہے کہ جو عالم کے منہ سے نہیں نکل سکتی چنانچہ اصل رسالہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ یہ امور مذکور ہیں، عوالی کی نسبت جو مختلف اور پریشان باتیں بیان کی ہیں بالکل لغویات ہیں علی ھذا القیاس تناوب اور علامۂ قرطبی کے قول کی بابت جو ہذیان سرائی کی ہے اصلا قابل التفات اہل فہم نہیں جس کو ان امور کی تحقیق و تفصیل منظور ہو اصل رسالہ کو ملاحظہ فرمالے علامۂ ابن حجر نے جو **وقال الشیخ ابو حامد فرضیت بمکۃ ھذا وھو غریب** فرمایا ہے اس کی نسبت جو زور آزمائی کی ہے اس کی تحقیق غایت بسط کے ساتھ معروض ہوچکی ہے، اہل فہم ملاحظہ فرمالیں اور ان سب ابحاث کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اہل فہم احقر کی عرض سابق کو کہ ہمارے فاضل خان صاحب رسائل مذکورہ کے مضامین پر جہالت وحماقت کو مستزاد فرما کر مصنف بن بیٹھے ہیں تصدیق فرمالیں میں امید کرتا ہوں کہ اہل فہم تو انہیں چند امور کو ملاحظہ فرما کر جن کی کسی قدر تفصیل کر چکا ہوں خان صاحب اور ان کے رسالہ کی حقیقت پر مطلع ہوجائیں گے اس لئے باقی امور کی تفصیل کو اصل رسالہ پر محول کرتا ہوں اور اہل انصاف وفہم سے اپنے اس عذر کے قبول فرمانے کی امید رکھتا ہوں اور خان صاحب کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ احقر نے جو کچھ ان کے بارے میں کلمات عرض کئے ہیں اس کی شکایت نہ فرمائیں بلکہ خان صاحب نے جو کچھ حضرات اکابر کی شان میں ژاژ خائی کی ہے اس سے موازنہ فرما کر دیکھ لیں کہ انصاف سے کونسا پلہ جھکتا ہوا ہے علاوہ ازیں ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے اگر غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو اس میں فقط برائی ہی نہیں بلکہ کچھ نفع بھی ہے ؎

فان عرفت مرادی　　تکشفت عنك کربه

وان جهلت مرادی　　فان بك اشبه

اور اگر پھر بھی صبر نہ آئے تو ہم حاضر ہیں ہم سے شوق سے بدلہ لیجئے ہم اجازت دیتے ہیں مگر اکابر تک بے وجہ کی سب وتبرا کی نوبت نہ پہنچائی جائے ورنہ پھر ہماری بھی شکایت نہ ہو۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔ فقط۔

مطبوعات شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

کتاب	مصنف
شیخ الہندؒ حیات اور کارنامے	جناب مولانا اسیر ادروی صاحب
خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ
خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حیات اور کارنامے	جناب مولانا اسیر اَدروی صاحب
تقریر دل پذیر (جدید محقق نسخہ)	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
تذکرۃ النعمان (جدید ایڈیشن)	جناب مولانا عبداللہ صاحب بستوی مہاجر مدنیؒ
آئینہ حقیقت نما (مع تحقیق وتخریج)	جناب مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادیؒ
بحوث فی الدعوۃ والفکر الاسلامی (عربی)	حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ
لآلئ منثورہ (عربی)	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
العقل والنقل (عربی)	حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ
زکوٰۃ کے مسئلے (ہندی)	مولانا محمد رفعت قاسمی
ادلۂ کاملہ مع تسہیل وتشریح (اردو)	حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
ائمہ اربعہ (اردو)	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ
تدوین سیر ومغازی (اردو)	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ
ایضاح الادلہ مع تسہیل (اردو)	حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ
شوریٰ کی شرعی حیثیت (اردو)	حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری
اجودھیا کے اسلامی آثار (اردو)	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
طائفہ منصورہ	جناب مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب
الحالۃ التعلیمیۃ	حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ
اشاعت اسلام (جدید محقق نسخہ)	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر پیشہ میں علم وعلماء	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ
الاسلام	حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ
مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حیات اور کارنامے	جناب مولانا اسیر اَدروی صاحب
علماء دیوبند واتجاههم الدینی و مزاجهم المسلکی	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
علماء دیوبند و خدماتهم فی علم الحدیث	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
دار العلوم دیوبند (عربی)	جناب مولانا مفتی عبیداللہ صاحب الاسعدی
عہد رسالت	مولانا نظام الدین صاحب اسیر اَدروی
مجموعہ ہفت رسائل	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
بریلویت طلسم فریب یا حقیقت	ڈاکٹر ابوعدنان سہیل صاحب
تصوف کی حقیقت اور ان کے مسائل	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ
اوثق العریٰ	حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ
الحدیث الحسن (فی جامع الترمذی)	مقالہ طلبہ تخصص فی الحدیث ۱۴۲۵ھ

ہمارے اکابر میں قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت گوناگوں خصوصیات کی حامل رہی ہے، ان کے علمی اہم فیصلے ہمیشہ کتاب وسنت، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ کی مضبوط ترین بنیادوں پر ہوتے تھے جن کو اہل علم وحق نے ہمیشہ سراہا ہے اور سراہتے رہیں گے۔

آپؒ نے دیہات میں نمازِ جمعہ کے تعلق سے ایک وقیع مضمون لکھا تھا جو ان لوگوں کے جواب میں تھا جو ہر گاؤں میں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، نمازِ جمعہ کو لازمی قرار دیتے ہیں، جبکہ مسئلہ ایسا نہیں ہے، اس مضمون کو ''اوثق العریٰ'' کے نام سے شائع کیا گیا تھا اس رسالے کے جواب میں دو غیر مقلد علماء مولانا محمد سعید بنارسی اور مولانا ابوالمکارم مئوی نے کسر العریٰ اور ہدایۃ الوریٰ کے نام سے دو رسالے لکھے، دونوں رسالوں کی تحقیق اور زبان کا تقاضا تھا کہ مفصل جواب لکھا جائے؛ چنانچہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقاضے کو پورا فرمایا اور ''احسن القریٰ'' حضرت شیخ الہندؒ کی تحقیقی کتاب منظر عام پر آئی، کتاب عرصے سے کمیاب تھی اور ضرورت تھی کہ اس کو دوبارہ جدید انداز میں اچھی کتابت وطباعت کے ساتھ معیاری کاغذ پر شائع کیا جائے، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے مقتدر حضرات نے اس کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے شیخ الہند اکیڈمی کو ہدایت فرمائی کہ اس کتاب کو اکیڈمی سے شائع کیا جائے، اس ہدایت کے مطابق پیش نظر کتاب اکیڈمی سے شائع کی جارہی ہے۔

سابقہ کتابوں میں پیراگراف، فل اسٹاپ، کومے اور سوالیہ نشان لگانے کا اہتمام نہیں تھا، اور آج کا دوران سب چیزوں کا متقاضی ہے، اس لئے موجودہ ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، علاوہ ازیں ضروری حواشی وتعلیق کی خدمت سرانجام دے کر جناب مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمانی نے مفید کام کیا ہے، توقع ہے کہ یہ کتاب خواص وعوام دونوں طبقوں کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو سکے گا کہ وہ دیہات کون سے ہیں جہاں جمعہ نہیں ہوگا اور جہاں ہوگا، اس کی تفصیل بھی اپنی صحیح صورت میں سامنے آجائے گی، اور اس سلسلے میں جو شکوک وشبہات از راہ کم فہمی یا عدم علم کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کئے جاتے ہیں ان کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔

کتاب کے مدلل، وقیع اور اہم ہونے کا اندازہ تو صرف اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے عظیم فرزند مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہندؒ) کے قلم سے ''اوثق العریٰ'' کی توضیح وتشریح میں لکھی گئی ہے، حضرت شیخ الہندؒ کی دینی فہم وفراست، خلوص اور علمی سربلندی سے کون واقف نہیں، آپ کی علمی عظمت کا لوہا اپنوں ہی نے نہیں؛ دوسروں نے بھی مانا ہے۔

توقع ہے کہ جو حضرات دیہات میں نمازِ جمعہ کی حقیقت کے بارے میں نہیں جانتے یا بہت کم جانتے ہیں، کتاب کے مطالعہ سے وہ پوری طرح جان جائیں گے اور کما حقہ مستفید ہوں گے، دعا ہے حق تعالیٰ ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو وہ جہاں بھی رہتے ہوں، ہمیشہ صحیح راہ پر گامزن رکھے۔ آمین

(حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن (صاحب) عفی عنہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

احسن القِریٰ فی توضیح اوثق العریٰ

مع ضمیمہ

التلمیع الی مفاسد التجمیع